سوانح

بہادر یار جنگ

نذیر الدین احمد

اللہ اگر توفیق نہ دے

انسان کے بس کا کام نہیں

رضائے الٰہی کا حصول آساں ہے ہمارے نفس امارہ کی رضا ہی مشکل ہے۔ اللہ جن بندوں پر اپنے فضل کی بارش فرماتا ہے تو وہ صرف اپنے لیئے نہیں جیتے بلکہ اپنی اللہ کی دی ہوئی دولت کو کار خیر ہی میں خرچ کرنا اپنی زندگی کا مقصد قرار دے کر قرب الٰہی کے حصول کی جدوجہد میں اپنے رہنماوں کی یاد سے وابستہ ذکر و فکر اور ان کے ارشادات کی اشاعت، غریبوں کو ان کی ضروریات حصول تعلیم، غریب بچیوں کی شادیاں، بلاسودی قرض کی اجرائی کے لیئے باضابطہ ٹرسٹ بنا کر اس فیض جاریہ کو جاری رکھتے ہیں امریکہ میں مقیم ڈاکٹر حیدر محمد خاں صاحب نے نومبر 2010ء میں ٹیلفون پر مجھ سے کتابوں کی اشاعت کے سلسلہ میں گفتگو فرمائی اور اپنی طرف سے اس کام کے لیئے ایک لاکھ روپیئے ایک ہفتے میں اپنے دوست صادق محمد خاں صاحب سابق معتمد انجمن مہدویہ اور ڈاکٹر صاحب کے برادر نسبتی کے ذریعہ روانہ فرمادے۔ ہماری خواہش تھی کہ کے ڈاکٹر صاحب کے اس عظیم احساس کے سلسلے میں ان کی زندگی کے بارے میں کچھ لکھیں مگر وہ بمشکل صرف ان دو انجمنوں کا ذکر کیا جو امریکہ میں ہیں جس کے وہ سرگرم رکن ہیں ۔ (Currently I am affiliated with the following organizations in the US : Indian Muslim Council - USA (IMC-USA),www.imc-usa.org, and Indian Muslim Educational Foundation of North America (IMEFNA) وہ ہر ٹرسٹ اپنے والد مرحوم محترم نذر محمد خاں صاحب جو ایک ریل حادثہ میں شہید ہوئے ان کے ایصال ثواب کے لیئے دیتے ہیں ۔جس سے والد سے ان کی عقیدت و محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہماری دعا ہے اللہ محترم نذر محمد خاں صاحب کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے امین۔ نیک اولاد خود حشر تک ثواب جاریہ ہوتی ہے مگر

یہ داغ تا زندگی رہے گا
تیرا داغ دل میں نشانی رہیگا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلسلۂ مطبوعات بہادر یار جنگ (۳)

سوانح
بہادر یار جنگ

سوانح نگار

نذیر الدین احمد بی۔ او۔ ایل (عثمانیہ)

ناشر

بہادر یار جنگ اکیڈیمی

حیدرآباد۔ آندھرا پردیش (انڈیا)

© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	سوانح بہادر یار جنگ (جلد سوم)
سوانح نگار	نذیر الدین احمد بی-او-ایل (عثمانیہ)
طبع اول	اگسٹ ۱۹۸۶ء
طبع دوم	ڈسمبر ۲۰۰۶ء
صفحات	۳۱۶
تعداد	پانچ سو
کمپیوٹر کتابت	یونیورسل گرافکس، یاقوت پورہ، حیدرآباد
طباعت	اے-ایس گرافکس، حیدرآباد
قیمت	-/150 روپئے

ناشر

بہادر یار جنگ اکیڈیمی

'ایوانِ رضوان' 13-6-437/1/8/A بہادر یار جنگ کالونی

قادر باغ، حیدرآباد-008 500 آندھرا پردیش (انڈیا)

فون : 23513917 - 040

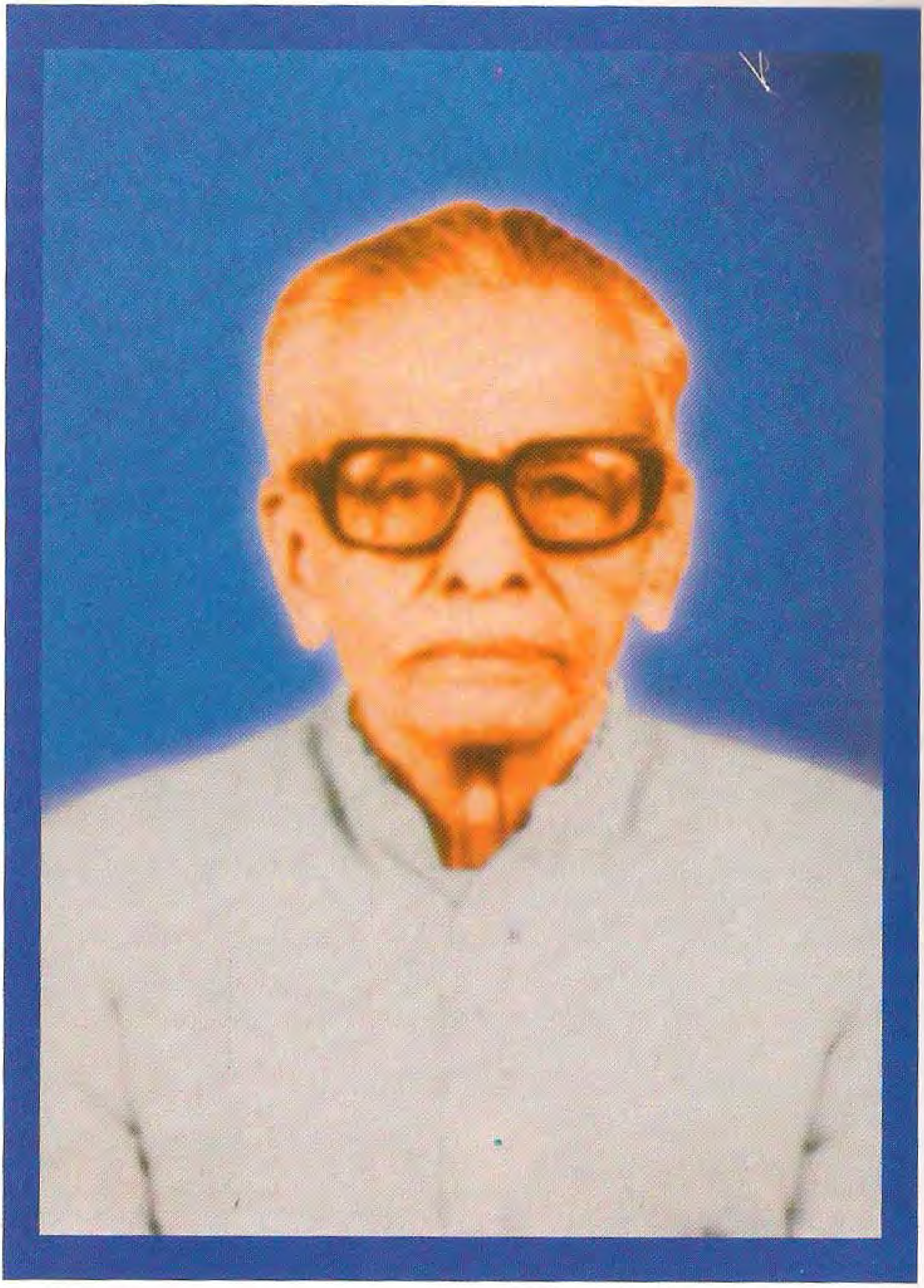

محبوب حسین جگر مرحوم

کیا زمانے گئے کیا لوگ زمانے سے گئے

تاریخ پیدائش	تاریخ وفات
۳۰/اکتوبر ۱۹۱۹ء	۱۱/مارچ ۱۹۹۷ء

انتساب

نواب عابد علی خاں اور جگر صاحب کو خدا نے جس مقصد کے لئے پیدا کیا اس مقصد کی طرف پہلا قدم ۱۵/ اگست ۱۹۴۹ء کو روزنامہ سیاست کے پہلے شمارے کی ابتداء سے ہوا۔

پولیس ایکشن کے پورے ایک سال بعد شہر حیدرآباد جو ۱۶ ضلعوں پر مشتمل ریاست حیدرآباد تھی، صف ہستی سے مٹادی گئی۔ جان مال، عزت و آبرو سب کچھ تہہ خاک ہو گیا، مسلمان مردا بدست زندہ کے مطابق شب و روز گزار رہے تھے۔ غوغائی اور جذباتی سیاست نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ ۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء آزادی ہند کے بعد دوسری مرتبہ مسلمانوں پر جو قیامت صغراء نازل ہوئی اس کا مقابلہ تدبر (سیاست) اور بھائی چارگی کے ماحول میں ابنائے وطن کے وسیع النظر اصحاب کے تعاون کے بغیر ممکن نہ تھی۔ جمہوری تقاضوں اور سماجی انصاف مظلوموں کی مدد، ان پر گزرے ہوئے مصائب و آلام کا مداوان کی زبان ان کی تہذیب کی حفاظت، بہادر یار جنگ کی آواز ان کے کانوں سے ان کے قلب کو گرما رہی تھی۔ ''یاد رکھو قوموں کی زندگی میں بار ہا ایسے ادوار بھی آتے ہیں جب کہ ان کا کام سڑنا اور مرجانا نہیں ہوتا بلکہ باقی رہنا اور آگے بڑھنا ہوا کرتا ہے۔''

اللہ نے ان کو اپنے کام میں کامیابی عطا کی جس کی جزاء اب بفضل تعالیٰ انہیں مل رہی ہے۔ اللہ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے۔ (آمین)

جگر صاحب صحافتی دنیا کے اس آفتاب سے چالیس سالہ تعلق خاطر میں اس قلندر صفات میں جو خوبیاں دیکھیں اس ہمہ جہتی شخصیت کا یہ وصف خاص تھا۔ مگر ایک عیب بھی ان میں تھا ہر اپنے احسان کرنے والے نے زندگی بھر کسی کا احسان اپنے سر نہیں لیا۔ جب موت نے زندگی کے دروازے پر دستک دی اس وقت وہ صرف اپنے رب کے حضور دعا گو ہوا۔

چھت کی طرف دیکھا بہ آواز بلند کہا اللہ پاک میری مشکل کو آسان فرمادے اور اس عذاب سے نجات دلا دے۔ اللہ پاک اللہ پاک

اللہ کو پکارنے کے بعد پھر انہوں نے کسی بشر سے بات نہیں کی۔

تیرا داغ دل میں نشانی رہے گا　　یہ داغ تا زندگانی رہے گا

نذیر الدین احمد

فہرستِ مندرجات

- تعارف ۵
- قائداعظم سے نواب صاحب کا تعارف و تعلق ۶
- قائدملت نواب بہادر یار جنگ اور مسلم لیگ ۱۳
- مسلم لیگ کا اجلاس پٹنہ ۲۰
- ریاستی مسلم لیگ ۲۶
- قائدملت یونیورسٹی علی گڈھ کے اسٹیج پر ۳۷
- مسلم لیگ کا اجلاس لاہور ۴۵
- مسلم لیگ کا اجلاس مدراس ۵۵
- اجلاس مسلم لیگ الہ آباد ۵۶
- مسلم لیگ کا اجلاس دہلی ۶۰
- قائدملت اور حکومت کشمیر ۶۵
- مسلم لیگ کے اجلاس کراچی کے موقعہ پر یادگار جلوس ۷۸
- بہار یار جنگ کی ایک غضبناک تقریر ۸۱
- اجلاس مسلم لیگ کراچی ۹۰
- حصول پاکستان کی جدوجہد میں نواب بہادر یار جنگ کا حصہ ۱۰۱
- بہار یار جنگ کا تصور پاکستان ۱۱۱
- آخری نظام کے دور کی ریاست حیدرآباد کا جغرافیائی خاکہ ۱۱۷
- حیدرآباد میں آبادی کا تناسب سرعلی امام کی تحریک احیاء کیلئے قائدملت کی کوششیں ۱۲۳
- اعلیٰ حضرت جلالۃ الملک سلطان العلوم شمس الملۃ والدین شاہ دکن و برار خلداللہ ملکہ وسلطنتاہ ۱۲۶
- صف ماتم ۱۴۹
- شہید ملت کی زندگی کی آخری صبح ۱۵۸
- منصب قیادت کی ذمہ داری ۱۷۰
- حکومت برطانیہ کی طرف سے ولیعہد کو خطاب کی سرفرازی ۱۸۵
- بہار یار جنگ کی زندگی موت کے دروازے پر ۱۹۲
- عالم برزخ ۱۴۹
- کسے دوگے سزاء آخر کسے ٹھہراؤ گے قاتل؟ ۲۴۱
- ہوش بلگرامی۔ایک بلگرامی ۲۵۳
- اصول قانون شہادت کی روشنی میں بہادر یار جنگ کی شہادت ۳۰۱

تعارف

نواب بہادر یار جنگ نے مسلمانوں میں بالخصوص حیدرآبادیوں میں سیاسی بیداری اور سماجی شعور کی تخلیق میں تاریخی رول ادا کیا ہے۔ کہنے کو تو وہ مسلمانوں کے لیڈر سمجھے جاتے تھے لیکن پکے حیدرآبادی ہونے کے ناطے وہ حیدرآبادی تہذیب، روایات، باہمی رواداری، آپسی دوستی اور فرقہ وارانہ اتحاد و یگانگت کے علمبردار تھے۔ ان کی بے وقت موت سے نہ صرف حیدرآبادیوں کا نقصانِ عظیم ہوا بلکہ اہل وطن نے ایک سنجیدہ پختہ کار انسان دوست کو اہم وقت پر کھودیا۔

جناب نذیرالدین احمد صاحب صحیح معنوں میں نواب مرحوم کے سچے پرستار کہلانے کے مستحق ہیں۔ گزشتہ ۲۵ سال سے نواب بہادر یار جنگ کی حیات وصفات پر تحقیق کی ہے اور ان کے مضامین وغیرہ کو مرتب و شائع کر کے ملک کی سیاسی تحریک اور مسلمانوں کی اصلاح و بہتری کے لیے ان کے عظیم خیالات کو زندہ رکھا ہے۔ نذیر صاحب نے بہادر یار جنگ مرحوم پر ۱۷ کتابیں شائع کی ہیں اور اب ۱۸ ویں تصنیف ''سوانح بہادر یار جنگ'' عوام کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ نذیر صاحب کا یہ ایک بہت بڑا کام ہے اور تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ کیوں کہ کسی قائد پر شخص واحد نے شائد ہی اس قدر تحقیقی کام انجام دیا ہو۔ اقطاعِ عالم کے مسلمانوں کو ان کا رہین منت ہونا چاہیے کہ انھوں نے اپنی شب و روز کی محنت سے نواب بہادر یار جنگ کی عظیم شخصیت اور ایک عصر سے آنے والی نسل کو روشنی حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ نذیر صاحب کو اس اہم خدمت پر میں مبارکباد دیتا ہوں۔ یقین ہے کہ قارئین ان کے اس عظیم کارنامہ کا اعتراف کریں گے۔

نواب عابد علی خاں مرحوم

مدیر روزنامہ ''سیاست'' حیدرآباد

◆◆◆

قائد اعظم سے
نواب صاحب کا تعارف و تعلق

۱۹۳۴ء میں سر کاؤس جی جہانگیر ہال میں جلسہ میلاد میں قائداعظم سے اپنی ملاقات کا ذکر قائد ملت نے ''جناح پہلی نظر میں، ایک تاثر'' کے زیر عنوان قلمبند فرمایا تھا۔ وہ اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

آج سے دس برس پہلے ربیع الاول کا مہینہ تھا اور مجھ سے مسلمانانِ بمبئی نے خواہش کی تھی کہ بمبئی کے عظیم الشان جلسہ میلاد النبی ﷺ کی صدارت کروں۔ سر کاؤس جی جہانگیر ہال سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور اپنے و بیگانے، دنیا کے سب سے بڑے مقنن، سب سے بڑے جرنیل، سب سے بڑے ریفارمر، سب سے بڑے انقلابی، غیر اللہ کے سب سے بڑے باغی اور اللہ کے سب سے بڑے نبی ﷺ کے حالات سننے کو جمع تھے۔ مجھے یاد نہیں ہے کہ مجلس استقبالیہ کی صدارت کون کر رہے تھے۔ مگر اتنا یاد ہے کہ صدر مجلس استقبالیہ کا خطبہ پڑھا جا رہا تھا کہ جلسہ میں ایک عام ہیجان پیدا ہوا اور لوگوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگانا شروع کر دیئے۔ خطبہ میں کوئی ایسا غیر معمولی مقام نہ تھا جس پر اتنے جوش کا اظہار کیا جاتا۔ میں نے جلسہ میں چاروں طرف متجسس نگاہ ڈالی اور ایک دبلے پتلے آدمی کو گورے رنگ، اونچی ناک، مضبوط جبڑوں، درخشاں پیشانی اور سینہ کو چیر کر دلوں تک گھس جانے والی تیز نگاہوں کے ساتھ اپنا مضبوط ہاتھ کھلی ہوئی لمبی لمبی انگلیوں سمیت پیشانی سے لگائے صاف ستھرا اور استری کیا ہوا سوٹ پہنے ننگے سر نعروں کا خاموش لیکن دلوں کو موہ لینے والا جواب دیتا ہوا دیکھا، میز سے لگی ہوئی میری بازو والی کرسی پر جلسہ کے منتظم اور سکریٹری سیٹھ زکریا یینار بیٹھے تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ یہ ہیں آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح جو کبھی نام نہاد آل انڈیا نیشنل کانگریس کے روح رواں تھے، ہندوستانی

قومیت کے علمبردار تھے، مخلوط انتخاب کے حامی تھے اور انگلستان کے مشہور بیرسٹر تھے اور آج مسلمانوں کی آنکھ کا تارا۔ ہندوستان کی ملت اسلامیہ کا سہارا۔ کانگریس کے فاتح اور مسلم لیگ کے علمبردار ہیں، جنہوں نے مسلمانوں کو واعتصموا بحبل الله جميعا و لا تفرقوا کا سبق پھر ایک مرتبہ پڑھانے کا عزم کرلیا ہے اور سب کی غلامی سے چھوٹ کر محمد رسول اللہ ﷺ کے آستانہ سے وابستہ ہوگئے ہیں۔ مسٹر جناح ڈائس پر بچھی ہوئی پہلی صف کی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئے، خطبۂ استقبالیہ ختم ہوا اور میں نے اپنا خطبۂ صدارت شروع کیا، سرکاؤس جی جہانگیر ہال کے ہزاروں سامعین کا اجتماع میری آبرو کو جنبش بھی نہ دے سکتا تھا لیکن قائداعظم کی شخصیت اور رعب میرے قلب پر چھایا جارہا تھا اور میری زبان سینکڑوں تجربوں میں کامیابی کے باوجود رکتی محسوس ہوتی تھی اور میری فکر جس کو الفاظ کے انتخاب میں ادنیٰ پس و پیش بھی نہ ہوا تھا، ہر لفظ اور جملہ کو چنتے وقت تامل کرتی تھی کہ ایک جوہری بیٹھا ہے کہیں اس کی ٹکسال میں میری جنس کھوٹی نہ ثابت ہو۔ گو یہ تامل اور جھجک عارضی تھی لیکن اس نے میرے خطبۂ صدارت کو صدف سے الماس بنا دیا، خطبۂ صدارت ختم ہوا اور تکبیر کے نعروں میں محمد ﷺ اور علیؓ کے ناموں سے نسبت رکھنے والا عقل و دل کے جناحین پر خود بھی عرش کی سیر کرنے لگا اور اپنے سامعین کو بھی فرش سے بلند کرنے لگا۔ تقریر مختصر تھی جن کے ابتدائی جملے میرے لئے سند تھے اور آخری حصہ قانونِ محمدی ﷺ کا۔ دنیا کے دوسرے مشہور قوانین خصوصاً ''رومن لا'' سے متقابل مطالعہ تھا، موجودہ قوانین کا ایک عالم متبحر جس کی زندگی ''رومن لا'' کی ذریات کو اپنی آغوش میں پرورش کرتے ہوئے گذری، جب محمدی ﷺ قانون کے گوشے کھولنے لگا تو آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ تعلیم مغرب کے شیدائیوں نے حسن محمدی کے کیسے کیسے جلوے دیکھے ہوں گے۔ برخواست کے وقت مجھے تعارف کی مسرت حاصل ہوئی اور دوسرے دن ''لٹل گمز روڈ'' کی مختصر مگر آراستہ کوٹھی میں ملاقات کا شرف نصیب ہوا۔ ملاقات کی ابتداء میں مجھ پر ان کی شخصیت کا رعب طاری تھا لیکن چند لمحوں بعد معلوم ہوا کہ انسان کی سب سے بڑی بڑائی یہ ہے کہ وہ چھوٹوں سے چھوٹا ہوکر ملتا ہے، میں اس وقت تک سیاسیات سے کوسوں دور تھا، حیدرآباد کی فضاء امن و سکون سے ہم آغوش تھی، برطانوی

---

[1] طبقہ مہدویہ میں بسم اللہ کی رسم میں اِقْرَا کی بجائے سورۂ فاتحہ پڑھاتے ہیں۔

ہند کے ہنگامے ابھی ریاستی ہند کے حدود کو عبور نہیں کرنے پائے تھے۔ ۱۹۲۵ء کا قانون حکومتِ ہند اپنی آب و گل میں آغشتہ تھا۔ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے بعد شائع شدہ وائٹ پیپر (کاغذ ابیض) سیاسیاست ہند کے ماہرین کی توجہ کا مرکز تھا' انگلستان میں جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی نے اپنے کاروبار شروع نہیں کئے تھے' سیاسیاست کے ایک طالب علم کی حیثیت سے میں نے چند سوالات کئے اور ہندوستان کے استاد سیاست نے مسکراتے ہوئے ان کے چند گوشے کھولے۔ مسٹر جناح ابھی تک ہندوستان میں انگلستانی پارلیمانی جمہوریت کا تجربہ کرنے پر مصر تھے۔ جداگانہ انتخابات کے قائل ہو چکے تھے لیکن اقبال کے تصور قومیت کو اس کی بنیاد پر ہندوستان کے شمال مغربی گوشے میں اسلامی سلطنت کے قیام کو ایک ناقابل عمل لیکن خوش آئند نظریہ تصور کرتے تھے اور مسز سروجنی نائیڈو کے الفاظ میں ابھی تک AMBASSADOR OF HINDU MULSIM UNITY بنے ہوئے تھے۔ مجھ اقبال کے حلقہ بگوش کو ان کی سیاست اپنی طرف زیادہ مائل نہ کر سکی اور اس اس ملاقات کی یاد لئے ہوئے بمبئی سے حیدرآباد واپس آیا۔''

اس تاثر سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نواب صاحب کی قائداعظم سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ مخفی مبادا اس تاریخی اور اثر پذیر ملاقات سے سات سال قبل ۱۹۲۸ء میں جب کہ نواب صاحب کی عمر ۲۳ر سال تھی (اور وہ اس وقت صرف محمد بہادر خاں تھے' حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کی مجلس انتظامی کے رکن تھے) حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ ٹاؤن ہال حیدرآباد میں پہلی بار متعارف کروائے گئے۔ قائداعظم اس اجلاس میں (جو ماہرین تعلیم' علماء و اکابرین اور رہنمایان ملت کی تعلیمی مسائل پر سالانہ کانفرنس تھی) حسب پروگرام (درمیان اجلاس) تشریف لائے' اجلاس کی کارروائی کو روک کر اس موقعہ پر ڈاکٹر ناظر یار جنگ صدر کانفرنس نے قائداعظم کی آمد پر استقبالیہ تقریر فرمائی' اور ان کی آمد پر شرکاء کانفرنس کی جانب سے شکریہ ادا کیا۔ اس اجلاس کو قائد اعظم نے مخاطب فرمایا۔ بعد ازاں شرکاء کانفرنس سے قائداعظم کا تعارف کروایا گیا۔ اس یادگار موقعہ پر قائداعظم کے ہمراہ گروپ فوٹو لی گئی' اس یادگار فوٹو میں ناظر یار جنگ کے بازو قائداعظم ہیں اور قائداعظم کے بازو نواب صاحب تشریف فرما ہیں۔

(قائداعظم اور نواب صاحب کی پہلی ملاقات کی یہ پہلی یادگار تصویر ہے۔ اس جلسے کی

تفصیلی روئیداد کیلئے ۱۹۲۸ء کی سالانہ رپورٹ ملاحظہ ہو۔)

اس طرح ہمیں ۱۹۲۸ء اور ۱۹۳۴ء کی دو ملاقاتوں کا علم ہوتا ہے۔ان دو ملاقاتوں کے بعد قائداعظم سے قائدملت کے ربط وتعلق کا کوئی سراغ نہیں ملتا لیکن ۱۹۳۴ء کی دوسری ملاقات جو قائداعظم کے مکان پر ہوئی وہ نواب صاحب کی صلاحیتوں سے قائداعظم کی آگاہی کا وسیلہ بنی۔

''سیرت کے اس جلسے میں قائداعظم نے قائدملت کی تقریر سنی۔اس کے بعد دونوں شخصیتوں کے درمیان اللہ نے خبر ونظر کا یہ رشتہ اتنا مستحکم کردیا کہ انہوں نے مل کر مسلمانوں کی اس کشتی کو لنگر انداز کردیا جس کو حالیؔ منجدھار میں ڈوبتے دیکھ کر بڑے دکھ سے دعا گو تھے۔''

رسول پاک ﷺ کی سیرت کے اس مبارک جلسے میں جہاں انوار کی بارش تھی یہ دوروشنیاں اس طرح ملیں کہ پھر مسلمانانِ ہند پر چھائی ہوئی ظلمت اور تاریکی کے سیاہ بادل انہوں نے کاٹ ڈالے۔ (حوالہ: قائداعظم اور قائدملت از اختر جمالی)

کچھ مضمون نگار اس خصوص میں یہ سمجھتے ہیں کہ شولاپور کے اجلاس سے قائدملت قائداعظم سے قریب ہوئے۔

''قائداعظم نے شولاپور میں خطبۂ صدارت انگریزی میں دیا تھا جسے حاضرین کی اکثریت سمجھنے سے قاصر تھی، ضرورت تھی کہ اس کا اردو ترجمہ سنایا جائے۔نظرِ انتخاب بہادر یار جنگ پر پڑی، نواب صاحب نے ایک منٹ کی تاخیر کئے بغیر خطبۂ صدارت کا اتنے فصیح وبلیغ انداز میں ترجمہ سنادیا کہ محفل جھوم گئی اور اس طرح مسلم لیگ کے پلیٹ فارم کو ایک زبردست خطیب اور مفکر قائد کو ایک معجز بیاں زبان مل گئی۔'' (از: نظر حیدرآبادی، ص ۱۳، ۱۴۔ مضمون مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر دکن کی نظر میں۔ مرتبہ نذیرالدین احمد)

اجلاس پٹنہ کے بعد سے قائداعظم کا قریبی ربط وتعلق تو اظہر من الشمس ہے مگر اجلاس پٹنہ سے پہلے قائداعظم سے ان کے ربط وتعلق کی کڑیاں نہیں ملتیں۔ویسے بلاد اسلامیہ کے دورے ۱۹۳۱ء کے اواخر میں ان کی قائدانہ صلاحیتیں پوری آب وتاب سے نکھر کر سامنے آچکی تھیں اور بہادر یار جنگ کی شخصیت، قائداعظم کی دوررس نگاہوں کے انتخاب میں سما چکی تھیں۔''اب قائداعظم کو تعلق وتعارف پیدا کرنے کی ضرورت درپیش تھی، قائداعظم کو بہادر یار جنگ کی شعلہ نوائی،

جو ہر قیادت کی بے پناہ صلاحیتوں کا پورا پورا اندازہ تھا (پٹنہ کے اجلاس سے قبل کے تانے بانے نہیں ملتے) لیکن پٹنہ کے اجلاس سے مسلم لیگی رہنماؤں کی صفوں میں ان کی قد آور شخصیت پوری آب وتاب سے ابھری۔ قائداعظم کی ایماء پر وہ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاسوں میں بڑی باقاعدگی سے شرکت فرمانے لگے۔ اگرچہ وہ مسلم لیگ کے رکن نہ تھے اور نہ ہی ورکنگ کمیٹی کے ممبر' لیکن قائداعظم انہیں بطور خاص ورکنگ کمیٹی کے ہر اجلاس میں مدعو فرماتے۔ پٹنہ کے اجلاس کے بعد سے شاید ہی کوئی مہینہ ایسا ہوتا جو مسٹر جناح سے مل کر وہ اہم مسائل سیاسی پر تبادلہ خیال نہ کرتے' نواب بہادر یار جنگ کی قابلیت اور جامعیت کا اثر مسٹر جناح پر گہرا ہوا۔''

(حوالہ: مضمون قائد ملت از مسلم لیگی رہنما مولانا عبدالحامد بدایونی۔ ہفتہ وار آہنگ حیدرآباد ۱۲/مئی ۱۹۵۷ء)

قائداعظم جیسے مدبر کی نظر میں ان کا جو مقام تھا وہ قائداعظم کی گرانقدر تحریر میں ''عیاں راچہ بیاں'' کے مصداق ہے۔ ''نظام کی رعایا کی حیثیت سے اگرچہ کہ نواب بہادر یار جنگ کا کوئی دستوری تعلق مسلم لیگ سے نہیں ہے' لیکن بڑے بڑے نازک موقعوں پر نواب صاحب میرے لئے معین اور رہبر ثابت ہوئے۔ خدا انہیں عمر دراز عطا کرے۔ آمین۔''

(حوالہ: کتاب آفتاب دکن' از: حمید اللہ خاں شیدا' ص ۷' سنہ اشاعت ۲۷/اپریل ۴۴ء مقام اشاعت پربھنی' حیدرآباد دکن)

سیاسی تعلق خاطر سے قطع نظر نجی حیثیت میں بھی قائداعظم' قائد ملت سے اپنے ایک دیرینہ رفیق وہمجولی اور دوست کی طرح ملتے' اس خصوص میں محمد حنیف آزاد مرحوم فرماتے ہیں:

قائداعظم عام ملاقاتیوں سے پرہیز کرتے تھے۔ دور از کار باتوں سے انہیں سخت نفرت تھی' صرف مطلب کی بات اور وہ بھی انتہائی اختصار کے ساتھ سننے اور کرنے کی عادت تھی' یہی وجہ ہے کہ ان کے خاص کمرے میں جہاں بہت کم لوگوں کو داخلے کی اجازت تھی۔ صرف ایک صوفہ تھا۔ اس صوفے کے ساتھ ایک چھوٹی سی تپائی تھی' اس میں صاحب اپنے سگار کی راکھ پھینکتے تھے' صوفے کے بالمقابل دو شوکیس تھے ان میں وہ قرآن مجید رکھے رہتے تھے جو ان کے عقیدت مندوں نے ان کو تحفے کے طور پر دیئے تھے' اس کمرے میں ان کے ذاتی کاغذات بھی محفوظ تھے' عام طور پر وہ اپنا زیادہ وقت اسی کمرے میں گذارتے تھے' اس میں کوئی میز نہیں تھا۔ صوفے کے خالی حصے پر ان کے زیر مطالعہ کاغذات بکھرے رہتے تھے' ان کے لہجے میں ایک قسم کی کرختگی تھی'

میں انگریزی زبان کے مزاج سے واقف نہیں ہوں لیکن جب وہ بولتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ زور نہ دینے والے الفاظ پر بھی زور دے رہے ہیں۔

بہادر یار جنگ مرحوم قائداعظم کے بہترین دوستوں میں سے تھے۔ صرف انہی سے ان کے مراسم بہت بے تکلفانہ تھے' وہ جب بھی ان کے یہاں قیام کرتے تو یہ دونوں شخصیتیں ٹھیٹ دوستانہ انداز میں قومی اور سیاسی مسائل پر غور کرتی تھیں۔ اس وقت قائداعظم اپنی آمریت کچھ عرصے کے لئے اپنی شخصیت سے جدا کر دیتے تھے۔ ''میں نے صرف یہی ایک شخص دیکھا جس سے صاحب ہمجولی کی طرح باتیں کرتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ بچپن کے ساتھی ہیں۔ جب آپس میں باتیں کرتے تو کئی مرتبہ قید و بند سے آزاد قہقہوں کی آواز سنائی دیتی.................. بہادر یار جنگ کے علاوہ مسلم لیگ کے دوسرے سر برآوردہ اراکین' مثال کے طور پر راجہ محمود آباد۔ آئی آئی چندریگر' مولانا زاہد حسین' نواب زادہ لیاقت علی خاں' نواب اسماعیل اور علی امام صاحب اکثر تشریف لاتے تھے لیکن صاحب ان سے بالکل دفتری انداز میں پیش آتے تھے۔ وہ بے تکلفی کہاں جو بہادر یار جنگ کے لئے مخصوص تھی۔''

(حوالہ: میرا صاحب' انٹرویو محمد حنیف آزاد مشمولہ گنجے فرشتے' از سعادت حسن منٹو)

قائداعظم ان کے قدرداں تھے اور وہ قائداعظم کے شیدائی۔

''قائداعظم کے وہ شیدائی تھے اور ان کی قیادت کی ترویج میں نواب مرحوم کا بڑا حصہ تھا۔ وہ کچھ ایسے خلوص اور عقیدت سے حضرت قائداعظم مدظلہ' کہتے تھے کہ سننے والوں میں بھی یہی جذبۂ عقیدت پیدا ہو جاتا تھا۔'' (مضمون پاکستان ان کی بھی یادگار ہے۔ از: مولانا جمال میاں فرنگی محلی)

قائداعظم کی ذات گرامی سے انہیں بے انتہا عقیدت و وابستگی رہی۔ کس پیار عقیدت اور فخر کے ساتھ قائد ملت نے فرمایا تھا کہ:

''۳۸ سال کی عمر میں بہادر خاں نے کسی سے عشق کیا ہے تو ۶۸ سالہ بوڑھے قائداعظم سے'' کتنا معصوم اور حقیقت افروز احساسات عقیدت کا آئینہ دار تھا یہ بے باک اظہار محبت۔

''بہادر یار جنگ کے کردار کی عظمت کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے کہ ان جیسی صلاحیتوں کا انسان جس کے لئے مطلق قیادت کا مقام خود اس کے قدم لینے پر تیار تھا' انہوں نے

ملت اسلامیہ کی اصلاح وفلاح کی خاطر اپنے اس کمال کو قائداعظم کے قدموں پر ڈال دیا اور خود کو ان کا ایک تابعدار اور جانثار سپاہی بنائے رہے۔

مرحوم کو قائداعظم کی فراست وحکمت سیاسی پر اس قدر اعتماد تھا کہ وہ تنہا ان ہی کی ذات کو ملت اسلامیہ ہند کا سیاسی نجات دہندہ تصور فرماتے تھے اور اس معاملہ میں وہ اتنے مخلص اور سچے تھے کہ کھلے اور چھپے انہوں نے یہ دعا مانگی تھی کہ:

''اے اللہ تو میرے عمر کو گھٹا کر قائداعظم کو عمر طویل عطا فرما''۔

(حوالہ: مضمون قائداعظم اور بہادر یار جنگ' از: ڈاکٹر سید معصوم علی ترمذی وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی)

ایک ساگر تھا دوسرا دھرتی' سچ ہی تو ہے کہ:

ساگر اور دھرتی ملتے ہیں تو سرحدیں ایک دوسرے میں گم ہو جاتی ہیں۔

◆◆◆

قائدملت نواب بہادر یار جنگ اور مسلم لیگ

''بہادر یار جنگ کی جاذب شخصیت کا ٹھپہ دکن ہی پر نہیں ہندوستان کے طول وعرض اور مسلمانان ہند کی اجتماعی زندگی پر اتنا گہرا ہے کہ شاید صدیوں تک نہ مٹ سکے' یوں تو ایک عرصہ قبل برطانوی ہندان سے متعارف تھا لیکن سیاسی واجتماعی تعلقات کی ابتداء مسلم لیگ کے اجلاس پٹنہ سے ہوئی۔'' (حوالہ: پاکستان کا نقیب' از: مولوی محمد احمد خاں صاحب)

'' قائداعظم مسلم لیگ کو مسلمانوں کی ایک مجموعی جماعت بنانا چاہتے تھے اور عوام سے رابطہ پیدا کرنے کی کوششوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ بڑے بڑے جلسے منعقد کرنے کی ضرورت تھی' عوام کے پسندیدہ خطیبوں کو پلیٹ فارم پر لانا لازمی تھا' ایسے میں بہادر یار جنگ کی خطابت کی گونج حیدرآباد کی چہاردیواری سے نکل کر ہندوستان کے طول وعرض میں پہونچ چکی تھیں' مسلم لیگ کے جلسوں میں بہادر یار جنگ کو تقریروں کے لئے بلایا جانے لگا اور جلد ہی مسلم زعماء نے محسوس کرلیا کہ ان کی خطابت کی جادو عوام کے سر پر چڑھ کر بولتا ہے' اس لئے ان کی ضرورت ہر جگہ محسوس کی جانے لگی۔'' (حوالہ: بلبل ہزارداستاں' از: سید بادشاہ حسین)

'' اب نواب صاحب قائداعظم کے باقاعدہ ترجمان بن چکے تھے جہاں قائداعظم تشریف لے جاتے نواب صاحب بھی بصد اصرار ضرور لے جائے جاتے اور قائداعظم کی تقریروں کا ترجمہ جس خوبی اور کمال سے کیا جاتا اس سے لوگ بے حد متاثر ہوتے' دوتین سال میں ہندوستان کے ہر گوشے میں ان کا ڈنکا بج گیا' آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے اجلاسوں کے وقت نواب صاحب تشریف لاتے اور باوجود رکن نہ ہونے کے ان میں شرکت فرماتے۔''

(حوالہ: حیدرآباد کا ٹیپو' از: عبدالوحید خاں)

''بہادر یار جنگ نے جیسے ہی مسلم لیگ کے جلسوں میں تقریریں شروع کیں اور جب لیگ کے جلسہ میں پہلی مرتبہ زبان کھولی اسی دن سے انہوں نے جمیع مسلمانان ہند کے قلوب پر

قبضہ کرلیا اور پھر تو یہ حال ہوگیا کہ جناح صاحب کی انگریزی تقریر کے اردو ترجمے کے لئے بہادر یار جنگ وقف ہو گئے۔'' (حوالہ: بہادر خاں کی یاد میں' از: کلیم الدین انصاری ص:۲۷)

یہ نواب صاحب کی غیر معمولی مساعی اور ذہن رسا کا کارنامہ تھا جس نے برعظیم پاک و ہند کے دس کروڑ مسلمانوں کو اپنی منزل مقصود کو متعین کرنے میں بروقت مدد دی اور قائداعظم کی رہبری میں ۱۹۴۰ء کی قرارداد لاہور کو منظور کروانے میں اسے اپنی فراست سے کامیاب بنایا اپنی مختصر زندگی میں انہوں نے پاکستان اور کل ہند مسلم لیگ کے لئے جو خدمات انجام دیں وہ بے شمار بھی ہیں اور اپنی اہمیت کے اعتبار سے بے اندازہ بھی' کوئی انسانی کارنامہ دیانت' صداقت اور خلوص نیت کے بغیر دوام اور استقرار حاصل نہیں کرسکتا۔''

(حوالہ: نواب بہادر یار جنگ اور مسلم لیگ' از: اے۔اے قدوائی اخبار جسارت کراچی' مورخہ ۲۵ رجون ۱۹۸۶ء)

''ان کے تدبر کا ایک نمونہ ہے' مکدر وکشیدہ فضاء میں ان کا سر سکندر سے ملنا اور یہ جانتے ہوئے ملنا کہ سر سکندر ان ہی کو انعقادِ جلسہ کا اصل محرک اور یونینسٹ پارٹی کے کھیل کو بگاڑنے والا تصور کرتے ہیں' کیا ان کی صفائی باطن کی دلیل نہیں ہے؟ روٹھے ہوئے سکندر کو منا لینا اور اس کو اجلاس عام میں لے آنا ان کی من موہنی شخصیت اور بے پناہ جرأت کا اثر ہی تو تھا؟ قرارداد پاکستان کے سلسلہ میں ان کی پس پردہ کوششیں ''خاصان لیگ'' میں سے کسی کو خاموش کرا دینا اور کسی کو ہمنوا بنا لینا اگر ان کی ساحری تھی تو عامۃ المسلمین کے دلوں میں اس قرارداد کے مفہوم و منشا کو اتار دینا یقیناً معجز بیانی تھی !! پھر اس قرارداد پر ان کا ایمان و ایقان' ملت اسلامیہ ہند کے حقیقی نصب العین سے بے پناہ وفاداری کا جیتا جاگتا ثبوت ہے!!!..................ان سب باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے آپ ہی کہئے کہ اگر بہادر یار جنگ نہ ہوتے تو مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس کیا لاہور میں منعقد ہو جاتا؟ اور اگر ہو بھی جاتا تو کیا کامیاب ہوتا؟ بہادر یار جنگ کی شخصیت دلکش تھی' دلکش تر ان کی ذہنی صلاحیتیں تھیں اور دلکش ترین ان کی روح تھی............!''

(حوالہ: مسلم لیگ کا اجلاس لاہور' از: مولوی محمد احمد خاں صاحب ص:۵۹' مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں'
ناشر بہادر یار جنگ اکیڈیمی' کراچی)

''یہ وابستگی بھی بلا سوچے سمجھے نہ تھی' فرماتے ہیں کہ مسلم لیگ سے میری وابستگی اس لئے

ہے کہ غیر شعوری طور پر اس کا قائد اسی منزل کی طرف جا رہا ہے جو میری منزلِ مقصود ہے‘ وہ مسلمانوں کو منفرداً اور جماعت اسلامیہ کو مجتمعاً منہاج نبوت پر فائز دیکھنا چاہتے تھے‘ وہ اس بات پر خوش تھے کہ لیگ کے پلیٹ فارم سے اللہ نے ان کی زبان سے یہ اعلان کروایا تھا کہ پاکستان کا دستور‘ الٰہی دستور اور وہاں کی حکومت قرآنی حکومت ہوگی‘ وہ اپنے ایک خط میں فرماتے ہیں کہ:

”جب میں دوران تقریر اس مقام پر پہنچا تو قائداعظم نے زور سے اور بڑے جوش سے مکاّ مار کر فرمایا ”تم بالکل درست کہتے ہو۔“ اور میں نے فوراً اعلان کر دیا کہ قائداعظم سے میرے قول پر سندِ تصدیق مل گئی۔“ راستے کی مشکلات سے بے پروا‘ حق و صداقت میں بے باک‘ ایمان کے خلوص سے دل گذاختہ لئے‘ زبان کی پوری پوری حلاوت اور شیرینی کے ساتھ نواب مرحوم نے دلوں کو فتح کیا اور پاکستان کو خواب و خیال کی منزل سے نکال کر ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بنا دیا۔“ (حوالہ: کراچی سیشن‘ از: صدانی نقوی‘ ص:۱۹۲۔ مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں)

”آخر زمانہ میں بہادر یار جنگ مسلم لیگ میں تلقین حق کے لئے ایک فرشتہ بن گئے تھے‘ بہادر یار جنگ ایک ریاست کے باشندے تھے اور مسلم لیگ کے دستور کی رو سے اس کے باضابطہ رکن نہیں ہو سکتے تھے اس لئے ضابطہ کا اجلاس ختم ہونے اور صدر کی اختتامی تقریر کے بعد ان کی تقریر رکھی جاتی تھی اور اس میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ محض ان کی تقریر سننے کے لئے ہزاروں آدمی دور دور سے جمع ہوتے تھے اور تقریر چوں کہ اجلاس کے آخر میں رکھی جاتی تھی اس لئے مجمع آخر تک سکون کے ساتھ جلسہ میں موجود رہتا تھا اور بہادر یار جنگ کی تقریر کو اجلاس کا ماحصل سمجھ کر منتظر ہوتا تھا‘ ان کے ذمہ قائداعظم کی جانب سے یہ فرض عائد کیا گیا تھا کہ اپنی اس آخری تقریر میں وہ حاضری کو مسلم لیگ کے اجلاس میں منظور شدہ قراردادوں کا اصلی مفہوم سمجھائیں اور ان قراردادوں پر عمل کی تلقین کریں۔

۱۹۴۳ء میں کراچی کا آخری اجلاس تھا جس میں انہوں نے شرکت کی تھی اور تقریر کی تھی۔“

(حوالہ: برطانوی ہند میں بہادر یار جنگ کی آخری تلقین حق‘ مشمولہ رسالہ اطلاعات کراچی جلد ۲‘ یکم جولائی ۱۹۵۶ء)

”مسلم لیگ کی مذہبی بے راہ روی کی جب کوئی شکایت سننے میں آتی (سننا اس لئے کہ شرکت کا اتفاق بطور تماشائی کے بھی ابھی تک نہیں ہوا) دل کو یہی اطمینان رہتا کہ بہادر یار جنگ

جیسے مومن صادق کی ذات دیر سویر انشاء اللہ ہر غلطی کی اصلاح کرا کے رہے گی۔‘‘

(حوالہ: قائد ملت‘ از: مولانا عبدالماجد دریابادی ص: ۳۰‘۳۱۔مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں)

شمالی مغربی سرحدی صوبے میں عام انتخابات کی تیاریاں شروع ہوئیں‘ اس صوبے میں خاں عبدالغفار خاں کی کانگریس دوست تنظیم خدائی خدمت گار کا بڑا اثر ورسوخ تھا‘ مسلم لیگ کے لئے وہاں کے انتخابات‘ غیر معمولی اہمیت رکھتے تھے‘ قائداعظم بہت فکر مند تھے۔ قائداعظم کو خوب اندازہ تھا کہ سرحد کے غیور پٹھانوں کو مسلم لیگ کا ہمنوا بنانے میں بہادر یار جنگ کتنے مفید ثابت ہو سکتے ہیں‘ ان دنوں قائد ملت کی ’’زبان بندی‘‘ کا دور تھا‘ قائداعظم نے والی ریاست میر عثمان علی خاں سے سرحد میں قائد ملت کی تقریروں کے سلسلے میں اجازت حاصل کی اور نواب صاحب آل انڈیا مسلم لیگ کے وفد میں شامل مولانا کرم علی‘ قاضی محمد عیسیٰ وغیرہ کے ساتھ ۳ ہفتوں کے دورے پر ۱۴ر فبروری ۱۹۴۱ء کو روانہ ہوئے‘ نواب صاحب کی صوبہ سرحد کو روانگی کی اطلاع جو اخبارات میں شائع ہوئی اس کا اہم جزیہ جملہ ہے کہ: قائد ملت کے متعلق مسٹر جناح کو یقین ہے کہ وہ بہت جلد عوام سے اپنا ذاتی ربط قائم کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں‘ اس طرح سرحد سمٹ کر مسلم لیگ کی آغوش میں آجائے گا‘ حیدرآباد سے روانگی کی اطلاع رہبر دکن میں شائع ہوئی۔

قائد ملت کی روانگی

حیدرآباد ۱۳ر فروردی۔ قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر بعزم سرحد آج شام کی گاڑی سے بمبئی روانہ ہوئے‘ یہاں آپ قائداعظم مسٹر محمد علی جناح سے ملاقات فرمائیں گے‘ آپ کی روانگی کا مقصد سرحد میں جس پر کانگریس کا قبضہ ہے‘ قائداعظم کے حکم کی تعمیل میں مسلم لیگ کی تبلیغ و تنظیم ہے‘ مسلم لیگ جماعتوں سے عوام کا تعلق پیدا کرنا اور مسلم لیگ کی اکثریت کا قائم کرنا قائداعظم کے لئے گذشتہ چار سال سے ایک پیچیدہ مسئلہ بنا رہا قائد ملت کے متعلق مسٹر جناح کو یقین ہے کہ وہ بہت جلد عوام سے اپنا ذاتی ربط قائم کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں اس طرح سرحد سمٹ کر مسلم لیگ کی آغوش میں آجائے گا‘ آپ کے دورہ کی مدت کس طرح تین ہفتہ سے متجاوز نہ ہوگی‘ نواب صاحب کو خدا حافظ کہنے کے لئے کثیر تعداد میں مسلمان اسٹیشن پر جمع ہوئے

تھے۔ عقیدتمندوں نے بکثرت پھولوں کے ہار پہنائے' ٹرین اسٹیشن سے روانہ ہوتے وقت پورے مجمع نے بہ یک زبان ''اتحادالمسلمین'' زندہ باداورنواب بہادر یار جنگ بہادرزندہ باد'' کے نعرے لگائے۔

(حوالہ: روزنامہ رہبردکن' حیدرآباددکن' ۱۴/فروردی ۱۳۵۰ف مطابق ۱۵/فبروری ۱۹۴۱ء شنبہ)

قائدملت

حیدرآباد ۱۹/امرداد۔ قائدملت نواب بہادر یار جنگ بہادر بعزم بلوچستان کل رات ۸ بجے کی گاڑی سے لاہورروانہ ہوئے' لاہور میں دوروز کے قیام کے بعدآپ بلوچستان کے لئے نکل جائیں گے۔

(حوالہ : روزنامہ رہبردکن' حیدرآباددکن' ۲۰/امرداد ۱۳۵۱ف مطابق ۲۵/جون ۱۹۴۲ء پنجشنبہ)

بہادر یار جنگ کا دورہ صوبہ سرحد

صوبہ سرحد میں بہادر یار جنگ کے دورے نے واردھا کے فسوں کو کافور کردیااوروہ صوبہ جوکانگریس کا گڑھ تھا' مسلم لیگ کا پاسبان ونگہبان بن گیا۔

صوبہ سرحد میں سرحدی گاندھی خاں عبدالغفارخاں کا طوطی بول رہا تھااور خاں برادران نے علی الاعلان کہدیا تھا کہ صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی قبر بنائی جائے گی۔ سحرسامری کوتوڑنے کے لئے قائداعظم کی نظرانتخاب بہادر یار جنگ پر پڑی۔ بہادر یار جنگ دیوانہ وارصوبہ سرحد کی طرف روانہ ہوئے' ان دنوں صوبہ سرحد کی سڑکوں پرسفر کرنا موت کودعوت دینا تھا' فقیرایپی کی خطرناک سرگرمیاں زوروں پرتھیں' سرداراورنگ زیب خاں' قاضی محمدعیسیٰ اور بہادر یار جنگ دورے پرروانہ ہوتے ہیں' قاضی محمدعیسیٰ کار چلارہے ہیں' فقیرایپی کے حملے کےاصول کے مطابق موٹرڈرائیور پہلا شکارہوتا تھا' نواب بہادر یار جنگ کوقاضی عیسیٰ کی زندگی بہت عزیز ہے وہ انہیں خود ہٹا کراسٹیرنگ سنبھال لیتے ہیں' سفرجاری تھا کہ چٹانوں کے پیچھے سےایک رائفل بردارقبائلی نمودارہوتا ہے' موٹرروک کر پوچھتا ہے کہ آپ میں بہادر یار جنگ کون ہے؟ نواب صاحب اپنی طرف اشارہ کرتے ہیں' وہ ان سے تنہائی میں گفتگو کی خواہش ظاہر کرتا ہے۔ سرداراورنگ زیب

خاں اور قاضی محمد عیسیٰ بہادر یار جنگ کو کار سے اترنے سے منع کرتے ہیں مگر یہ شیر دل مجاہد کار سے اتر کر قبائلی کے ساتھ چل پڑتا ہے' تنہائی میں لے جا کر قبائلی انہیں فقیر اپی کا پیغام سناتا ہے کہ ''فقیر صاحب نے آپ کو سلام کہا ہے اور کہا ہے کہ ہمیں آپ کی آمد کی اطلاع تھی اس لئے آپ کے بحفاظت سفر کے انتظامات کر دیئے گئے ہیں' آپ جہاں جہاں جانا چاہیں ہمیں بتلا دیجئے کہ ہم وہاں بھی حفاظتی انتظامات کر دیں۔''

کیا سحر تھا اور کیا اعجاز تھا کہ جان کے دشمن بھی جاں نثاری پر آمادہ ہو گئے' نواب صاحب نے اپنی شعلہ آشام تقریروں سے صوبہ سرحد کے غیور پٹھانوں کی غیرت کو جگایا اور ان کی کوششوں کی بدولت صوبہ سرحد کے انتخابات میں مسلم لیگ کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔

(حوالہ: ۲۳۰' ۲۳۱ مضمون بعنوان دیوانہ کوئے محبت' از: عبدالہادی صدیقی بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں' کراچی)

مسلم لیگ کے بنیادوں کو صوبہ سرحد میں استوار کرنے کے لئے تین دیگر زعماء کے ساتھ قائداعظم نے بہادر خاں کو روانہ کیا' لوہا لوہے کو کاٹتا ہے' بہادر خاں نے سرحدی پٹھانوں کے دماغوں سے واردھا کے فسون عدم تشدد کو اتارا اور اپنے ڈیڑھ ماہ کے مسلسل دوروں میں انہیں تحریک پاکستان کا پر جوش علمبردار بنایا۔

(حوالہ: تازہ بہ تازہ نو بہ نو از میاں بشیر احمد' ص: ۴۰۱' مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں)

۱۹۴۱ء میں نواب بہادر یار جنگ نے صوبہ سرحد کا دورہ کیا اور ہمارے ساتھ ڈیرہ اسماعیل خاں' بنوں' کوہاٹ' مردان اور ایبٹ آباد گئے جہاں انہوں نے بڑے بڑے جلسوں سے خطاب کیا' ہر جلسے میں ان کی شان خطابت کے نئے جوہر آشکار ہوتے تھے' پشاور میں آج بھی بہت سے لوگ موجود ہیں جن کے دل نواب صاحب کی تقریروں کی یاد سے گرما جاتے ہیں۔ نواب صاحب کی تقریروں نے صوبہ سرحد میں حصول پاکستان کی جدوجہد کو موثر اور نتیجہ خیز بنانے میں اہم کردار انجام دیا' .... صوبہ سرحد میں نواب صاحب کا قیام دس دن رہا اور دس دنوں نے یہاں کے عوام کے دلوں پر انمٹ نقوش چھوڑے۔

(حوالہ: مضمون بے مثال مقرر' از: میاں ضیاء الدین بیرسٹر' ص: ۱۹۹۔ مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں)

''یوں تو بہادر یار جنگ کے ساتھ ہفتوں حیدر آباد میں ایک ساتھ رہ کر شبانہ روز دیکھا

تھا، لیکن اس دورے میں کچھ نہیں کہہ سکتا ہوں کہ بہادر یار جنگ کی تقاریر نے ایک نئی کیفیت پیدا کردی۔

ہم لوگ سرحد سے واپسی پر سیدھے قائداعظم کی خدمت میں آئے ۔نواب بہادر یار جنگ نے ساری روئیدادِ سفر پیش کی، مسٹر جناح اس سفر کے نتائج سے بے حد خوش ہوئے۔"

(حوالہ: مولانا عبدالحامد بدایونی، مضمون مشمولہ آہنگ حیدرآباد دکن ۱۲ مئی ۱۹۵۷ء)

"نواب صاحب نے مسلم لیگ کے لئے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ مسلم لیگ کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔"

(حوالہ: مولانا عبدالحامد بدایونی، مشمولہ روزنامہ مشرق کراچی ۲۶ جون ۱۹۶۸ء)

مسلم ہندوستان نے یقیناً ایک دلیر انسان کو حاصل کرلیا تھا اور ایک انمول ہیرے کو پالیا تھا، قائداعظم کا یہ "نواب بہادر" مسلم لیگ کی فوج کا ایک سرفروش مجاہد، پاکستان کا نقیب اور قائد اعظم کا "دستِ راست اور رفیق کار" تھا۔

(حوالہ: تازہ بہ تازہ نو بہ نو از میاں بشیر احمد، ص:۱۰۴، مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں)

◆ ◆ ◆

مسلم لیگ کا اجلاس پٹنہ

ڈسمبر ۱۹۳۸ء

’’آل انڈیا مسلم لیگ کا پٹنہ سیشن مسلم لیگ کا پہلا تاریخی نوعیت کا اجلاس تھا۔ قطع نظر اور امور کے اس اجلاس کی دو باتیں تاریخی اہمیت کی حامل ہیں۔

(۱) پٹنہ کے اجلاس نے مسٹر جناح کو قائداعظم بنادیا۔

(۲) نواب بہادر یار جنگ کو پہلی مرتبہ مسلم لیگ کے اجلاس کو مخاطب کرنے کا موقعہ ملا اور وہ اسی دن سے آل انڈیا اسٹیٹ مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔

اگرچہ مسٹر جناح کے لئے ’’قائداعظم‘‘ کے الفاظ کسی صحافی نے اپنے اخبار میں قلمبند کئے تھے لیکن پٹنہ سیشن میں عزیز ملت سید عبدلعزیز نے سب سے پہلی دفعہ بحیثیت صدر مجلس استقبالیہ مسٹر جناح کو قائداعظم کے الفاظ سے مخاطب کیا تو ان الفاظ کو پر لگ گئے اور پھر مسٹر جناح دم آخر تک قائداعظم ہی کے نام سے پکارے جاتے رہے۔

نواب بہادر یار جنگ پہلی دفعہ مسلم لیگی رہنماؤں اور کارکنوں سے اس اجلاس کے ذریعے متعارف ہوئے مگر نواب بہادر یار جنگ‘ محمد علی جناح کی نگاہوں میں (اس وقت تک) معزز اور قابل قدر ہو چکے تھے‘ آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس پٹنہ عزیز ملت سر عبدالعزیز کی محنت و توجہ سے تاریخی اجلاس بنا‘ نواب بہادر یار جنگ پہلی بار مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں شریک ہوئے‘ اسی زمانہ سے شاید ہی کوئی کوئی مہینہ ایسا ہوتا جو مسٹر جناح سے مل کر وہ اہم مسائل سیاسی پر تبادلہ خیال نہ کرتے‘ نواب بہادر یار جنگ کی قابلیت اور جامعیت کا اثر مسٹر جناح پر بھی گہرا ہوا‘ اور اب وہ وقت بھی آ گیا کہ ہر ایک ریاست کا باشندہ باوجود مسلم لیگ کا رکن نہ ہونے کے آل انڈیا مسلم لیگ کی رونق محفل بن گیا کوئی اجلاس ایسا نہ ہوتا جس میں مسٹر جناح نواب بہادر

یار جنگ کو مسلم لیگ کے اجلاس میں تقریر کے لئے پیش نہ فرماتے۔

لاہور، دہلی، الہ آباد، کراچی کے اجلاس میں نواب بہادر یار جنگ کی تقاریر نے مسلم ہندوستان کے قلوب کو اپنی طرف متوجہ کرلیا، دکن کا فرزند پورے ہندوستان کا محبوب بن گیا۔"

(حوالہ: قائد ملت از: مولانا عبدالحامد بدایونی، ہفتہ وار آہنگ حیدر آباد ۱۲/مئی ۱۹۵۷ء)

آل انڈیا مسلم لیگ پٹنہ سیشن کا سہ روزہ اجلاس جب ختم ہوا تو چوتھے دن اسی پنڈال میں وزیر اعلیٰ سرحد جناب اورنگ زیب خاں کی صدارت میں اجلاس منعقد ہوا۔

"یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلم لیگ اور کانگریس کی باہمی کشیدگی آخری حد تک پہنچ چکی تھی، کانگریس جماعتی مطلق العنانی (پارٹی ڈکٹیٹر شپ) کے نشے میں مخمور اور سات صوبوں میں اپنی وزارتوں کی طاقت سے مسحور و مغرور ہوکر مسلم سیاست کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے پر تلی ہوئی تھی، ایک طرف مسلم تمدن، زبان اور مذہب کو ہندوستانی قومیت میں ضم کرنے کی غرض سے داروھا اسکیم کا نفاذ ہو چکا تھا، یوپی، سی پی اور بہار میں مسلمانوں پر بے حد مظالم توڑے جارہے تھے تاکہ وہ ہندو امپیریلزم سے مرعوب و خوفزدہ ہوکر خود کو کانگریس کے حوالے کردیں، سرکاری اسکولوں میں مہاتما گاندھی کی تصویر کی پوجا اور وندے ماترم کا گیت لازمی کردیا گیا تھا، مہاتما جی نے اردو زبان کو ختم کرنے کے لئے ہندی ساہتیہ پریشد کی بنیاد ڈال دی تھی اسی زمانے میں مہاتما گاندھی اور دوسرے کانگریسی لیڈروں کے مشوروں سے حیدر آباد دکن میں ہندو مہا سبھا نے حکومت نظام کے خلاف عدم تعاون کی تحریک شروع کردی تھی جس میں دس ہزار سے زیادہ ہندو قید ہوچکے تھے، .... دوسری طرف حکومت برطانیہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی فیڈرل اسکیم کو نافذ کرنے پر مصر تھی اور مسلم لیگ کو کسی طرح منظور کرنے پر تیار نہ تھی، یہی وہ زمانہ تھا جبکہ فلسطین میں امریکہ اور برطانیہ کی یہود نواز پالیسی کے خلاف مسلم لیگ اپنی صدائے احتجاج بلند کررہی تھی اور اپنا ایک ڈیلی گیشن چودھری خلیق الزماں اور عبدالرحمٰن صدیقی پر مشتمل باہر بھیج چکی تھی۔

غرضیکہ اس پس منظر میں پٹنہ کا اجلاس ہوا جس میں شرکت کی غرض سے ہندوستان کے ہر حصے کے مسلمان آئے، کسی طرح اجلاس میں شریک ہونے والے افراد کی تعداد دو لاکھ سے کم نہ تھی

'تمام فضاء جوش وخروش سے پر نئے ارادوں اور ولولوں سے معمور تھی' نواب بہادر یار جنگ مرحوم نے اس اجتماع کو غنیمت سمجھتے ہوئے طئے کیا کہ حیدرآباد میں جو سازشیں ہندو لیڈر کر رہے ہیں اور وہاں کی حکومت کے متزلزل ہونے کا کافی خطرہ ہے' ان سے مسلم لیگ کے لیڈروں اور مسلم عوام کو باخبر کر دیں اور اس طرح مسلم ہندوستان کی ہمدردی حاصل کریں۔

پٹنہ میں بہادر یار جنگ کی موجودگی کا بہت کم لوگوں کو علم ہوا کیوں کہ اس وقت تک وہ کافی غیر معروج تھے' ان کے متعلق صرف اتنا سنا تھا کہ اچھے مقرر ہیں' اتحاد المسلمین کے صدر اور خاکسار جماعت کے رکن ہیں' حیدرآباد کے جاگیردار اور وہاں کے مقامی سیاسی کارکن ہیں اس لئے پٹنہ کے جلسۂ عام میں جو مسلم لیگ کے پنڈال میں اس وقت منعقد ہوا جب مسلم لیگ کی کونسل کا اجلاس عبدالعزیز صاحب بیرسٹر کی کوٹھی پر ہو رہا تھا' نہ تھی ....

اجلاس ختم ہونے سے ایک روز قبل سر سلیمان مرحوم کے داماد چودھری اختر حسین صاحب (جو لکھنؤ میں ایک کامیاب وکیل اور لیجسلیٹو کونسل یو پی کے رکن تھے) کی طرف سے ارکان کونسل آل انڈیا مسلم لیگ کو چائے کی دعوت کا پیام ملا جو بہادر یار جنگ مرحوم کے اعزاز میں تھی' ''مجھے جاگیرداری نظام' رؤسا اور نوابوں سے دلی نفرت تھی' اس زمانے میں عام طور پر جاگیرداروں اور نوابوں کی آزادئ ملک کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھا جاتا تھا' غیر ملکی حکومت کے خلاف بغاوت کے جذبات نے اپنے ملک کے سرمایہ داروں اور زمینداروں کے خلاف بھی کافی نفرت پیدا کر دی تھی' عوام اس طبقے سے سب سے زیادہ بیزار اور نالاں تھے' میں بھی فطری طور سے ان جذبات سے متاثر تھا اور حیدرآباد کے ایک جاگیردار سے ملاقات کرنا تضیع اوقات اور ان سے تعارف و تقرب کو فعل عبث سمجھتا تھا۔ چنانچہ جب میں عصرانے میں گیا تو نہایت بے اعتنائی اور لاپرواہی کے ساتھ مہمان خصوصی سے بہت دور جا کر بیٹھا اور میز کے ساتھیوں سے گفتگو میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں موصوف کا تعارف کراتے ہوئے میزبان نے ان سے فرمائش کی کہ وہ حیدرآباد کے حالات سے ارکان کونسل کو آگاہ کریں' چشم زون میں ایک دراز قامت شخص شکیل و وجیہہ' حیدرآبادی خاص شیروانی اور ترکی ٹوپی میں ملبوس نظروں کے سامنے آ گیا' یہی بہادر یار جنگ تھے' ان کے کھڑے ہونے کا انداز اور اپنے سامعین پر مسکراہٹ آمیز نظریں ڈالنے

کا طریقہ عام انسانوں سے بالکل مختلف تھا' ان کی شکل میں نہ لکھنوی نزاکت کی بو تھی نہ ان کے انداز میں حیدر آبادی ریاست کی خو' ان کی آنکھیں اندرونی بے پناہ قوتِ ارادی کا پتہ دیتی تھیں اور ان کے تیور ایک مؤمنانہ عزم اور فاتحانہ کردار کے آئینہ دار تھے' ابھی انہوں نے ایک لفظ بھی نہ کہا تھا کہ ان کے انداز نگاہ ہی نے میرے دل کے تمام وسوسے اور ذہن کے تمام تعصّبات شیشے کی طرح چکنا چور کر دیئے' میں سنبھل کر بیٹھا اور اپنے ساتھی سے کہا کہ یہ شخص کوئی نواب نہیں بلکہ مجاہد معلوم ہوتا ہے' چند لمحات میں پھولوں کی بارش شروع ہوگئی' ان کے بولنے کا طرز' دیکھنے کا انداز' الفاظ کا انتخاب' جملوں کی ساخت' مضامین کی ترکیب و تنظیم فضاء میں ان کی انگشت شہادت کی گردش خیالات کی روانی' افکار کا تسلسل یہ سب باتیں میرے لئے بالکل نئی اور اچھوتی تھیں' ہر شخص ان کے خیالات کی زنجیروں میں بندھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

میں نے مولانا آزاد کو بولتے سنا تھا' ان کی چھپی ہوئی تقریروں کا ایک لفظ پڑھا تھا' مولانا احمد سعید اور عطاء اللہ شاہ بخاری کی طویل اور دلآویز تقریریں متعدد مرتبہ سنی تھیں' ان میں سے ہر شخص اپنے اپنے رنگ میں عمدہ مقرر اور بلند پایہ خطیب ہے' لیکن اس روز بات ہی کچھ اور تھی' اسماعیل شہید اور جمال الدین افغانی کی معجز نما تقریروں اور مجاہدانہ خطبات کے تذکرے کتابوں میں پڑھے تھے' معلوم ہوتا تھا انہی تاریخی خطبات کو پڑھنے وہ خود زمین پر اتر آئے ہیں' آپ نے نہایت جامع اور تفصیلی طور سے حیدر آباد کا سیاسی پس منظر وہاں کی حکومت کی مفادِ عامہ کے لئے کارگزاریاں اور ہندو لیڈروں کی ریشہ دوانیوں پر روشنی ڈالی اور نہایت غیر مبہم الفاظ میں یہ بھی بتا دیا کہ خود انہوں نے وہاں کے مسلمانوں کو اس طرح منظّم کر دیا ہے کہ انگریز اور ہندو ملکر بھی ان کو شکست نہیں دے سکتے۔

تقریر ختم ہوئی تو میرا عجیب حال تھا' اب وہ بے اعتنائی باقی نہ تھی ان سے ملنے اور تعارف حاصل کرنے کی تمناؤں میں کروٹ لینے لگی۔ سب لوگ باری باری ان سے مصافحہ کرنے لگے' ایک مصنف کا سب سے بڑا ذریعہ تعارف اس کی کتاب ہوتی ہے' وہ بہ زعم خود اس کو ایک بڑا حربہ سمجھتا ہے کہ جس سے متعارف ہونا ہوا پنی تصنیف کا ایک نسخہ اس کو اپنی تازہ تصنیف ''مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ'' جس کا دوسرا ایڈیشن صرف دو تین ماہ قبل نکلا تھا ان کی خدمت میں پیش

کرتے ہوئے اشتیاق ملاقات کا اظہار کیا' آپ نے میرے ہاتھ سے کتاب لے کر سرورق پر نظر ڈالی اور پھر میری طرف مسکراہٹ آمیز لہجے میں دیکھ کر فرمایا:

'' یہ کتاب نہ صرف میرے پاس ہے بلکہ اتحادالمسلمین کی ہر شاخ میں لازمی طور سے ایک نسخہ رکھنے کا حکم دے چکا ہوں' لیکن مصنف کے ہاتھ سے کتاب حاصل کرنے کا لطف کچھ اور ہی ہے' بہت شکریہ''۔

اس مختصر تقریب کے بعد ہر جگہ ان کے دلنشیں انداز تقریر کا ذکر تھا' ہر شخص جوان سے ملتا اس نعمت کے ہاتھ آ جانے پر خدا کا شکر ادا کرتا۔''

(حوالہ: وہ نواب نہیں مجاہد تھا' از: مولوی عبدالوحید خاں اخبار مشرق کراچی ۲۵ رجون ۱۹۷۹ء)

میاں ضیاء الدین بیرسٹر بھی سرحد مسلم لیگ کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے صوبائی وفد کے ساتھ شریک اجلاس تھے اور پہلی مرتبہ قائد ملت سے ملنے اور ان کی تقریر سننے کا انہیں موقعہ ملا' وہ اس تاریخی جلسے کی روئیداد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

'' حصول پاکستان کی جدوجہد کرنے والے قائدین کی فہرست میں نواب بہادر یار جنگ کا نام ایک نمایاں مقام رکھتا ہے' مجھے پہلی مرتبہ نواب بہادر یار جنگ سے مسلم لیگ کے اجلاس پٹنہ میں ملاقات کا موقعہ ملا۔ اجلاس ۱۹۳۸ء میں منعقد ہوا تھا۔ سرحد مسلم لیگ کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے صوبائی وفد کے ساتھ پٹنہ گیا تھا' اجلاس میں نواب صاحب نے بڑی موثر تقریر کی۔ ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی مسائل کا بڑے ہی دلنشیں انداز میں تجزیہ پیش کیا اور خاص طور پر جنوبی ہند اور ریاست حیدرآباد کے مسلمانوں کے مسائل سے بڑی سیر حاصل بحث کی۔''

(حوالہ بے مثال مقرر' از: میاں ضیاء الدین بیرسٹر ص: ۱۹۷' بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں۔ کراچی)

میاں بشیر احمد مدیر ہمایوں بھی شریک اجلاس تھے' انہوں نے بھی پہلی بار نواب صاحب کو دیکھا اور سنا' وہ اپنے تاثرات میں تحریر فرماتے ہیں:

عصرانے کے بعد نواب بہادر یار جنگ نے تقریر فرمائی' میں اس زمانے میں سیاسیات اور مسلم سیاسیات سے کچھ اس درجہ بے بہرہ تھا کہ نہ میں نے کبھی نواب مرحوم کا نام سنا تھا نہ صورت دیکھی تھی۔ میں نے ان کی تقریر سنی' جیسے جیسے الفاظ زبان سے نکلتے جاتے تھے ویسے ویسے

میری دلچسپی بڑھتی جاتی تھی۔ رفتہ رفتہ میں اپنے آپ کو ان کی سحر خطابت سے محسور پانے لگا، میں مدہوش ہو گیا، یہ عظیم المرتبت ہستی آخر کون تھی، مجھ جیسے میدان سیاست کے اجنبی کے لئے کیا یہ امر باعث عزت و توقیر نہ ہوگا' اگر میرا ان سے تعارف کرایا جائے اور ملاقات کی سعادت حاصل کروں۔ میری بے چینی بڑھتی گئی، میری حیرت اور مسرت کی انتہاء نہ رہی، جب نواب صاحب بے ساختہ آگے بڑھے اور مجھے یہ کہتے ہوئے گلے لگا لیا کہ وہ ہمایوں کے ذریعہ مجھ سے ایک عرصہ دراز سے واقف تھے، تقریر کے بعد میں نے ہزاروں اشخاص کو دیکھا جن کی زبان پر اسی تقریر کا چرچہ ہے اور دل جذبات عقیدت سے معمور تھے۔

اس کے بعد لوگ بے چینی سے مسلم لیگ کی میقات کے منتظر رہتے تھے تا کہ نواب بہادر یار جنگ کی تقریر سن سکیں، اس وقت تک بظاہر ان کا لیگ سے کوئی تعلق نہ تھا، لیکن سچ پوچھئے تو وہی لیگ کے روح رواں تھے۔..................

◆◆◆

ریاستی مسلم لیگ

۱۹۳۹ء

قائد ملت نے ریاستی مسلمانوں کے حال زار سے آگاہی کے بعد یہ ضروری سمجھا کہ ریاستی مسلمانوں کے درد کا درماں ہو۔ سب سے پہلے قائد اعظم سے اس مسئلہ پر گفتگو فرمائی اور ان کی تائید وحمایت کے یقین کے بعد اس خصوص میں ریاستی مسلمانوں کے اکابرین، وہاں کی مسلم جماعتوں کے رہنماؤں سے اس خصوص میں ضروری مواد جمع کیا۔ مسلم پریس کو سب سے پہلے متحرک کیا، نواب صاحب اس وقت تک اپنی اعلیٰ خطیبانہ صلاحیتوں اور مسلم لیگ اور مسلمانان دکن کے قائد کی حیثیت سے اقطاع ہند میں کسی تعارف کے محتاج نہیں تھے، مسلم لیگ اور میلاد النبی ﷺ کے جلسوں کے سلسلے میں آپ نے مختلف ریاستوں میں مسلمانوں کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی حالت کا بچشم خود مشاہدہ فرمایا تھا، اس خصوص میں مسلم اخبارات کے ایڈیٹر صاحبان سے سب سے پہلے آپ نے معاونت چاہی، روزنامہ آزاد کے مدیر کے نام اس مسئلہ میں نواب صاحب تحریر فرماتے ہیں:..................

حیدرآباد　　　　　　　　　　　　مورخہ: ۹؍ستمبر ۳۹ء

میرے عزیز برادر دینی!

اس خط کی ترسیل سے میرا مقصد یہ ہے کہ ہندوستانی ریاستوں کے مسلمان رعایا کی بیداری و تنظیم کے لئے انڈین اسٹیٹس مسلم کانفرنس کے قیام کی جانب آپ کی توجہ مبذول کروں، انڈین اسٹیٹس پریس کانفرنس کی موجودگی میں ایسے مرکزی نظام کی ضرورت اس لئے محسوس کی جارہی ہے کہ اولاً مسلمانوں کو کانگریسی پرجا منڈل اور پرجا پریشد کے چنگل سے بچایا جائے۔ ثانیاً مسلمانوں کی موجودہ حیثیت و موقف کی حفاظت کی جائے، ثالثاً مسلمانوں کے لئے معاشری،

اقتصادی، مذہبی اور سیاسی حقوق حاصل کئے جائیں۔ علاوہ بریں انڈین اسٹیٹس مسلم کانفرنس چوں کہ مسلم لیگ کی ایک ملحقہ جماعت ہوگی اس لئے اس کے قیام سے ہمیں اپنے مستقل قومی وجود کو برقرار رکھنے میں مدد ملے گی۔

وقت آ گیا ہے کہ ہم کمر ہمت باندھ کر ان ہندوستانی ریاستوں کے مسلمانوں کو مصائب سے بچائیں جہاں ان پر سیاسی غلامی مسلط ہو چکی ہے، ان کو اقتصادی اعتبار سے پامال کیا جا رہا ہے اور ان کا تمدن خطرہ میں ہے، اس تجویز کو کامیاب بنانے کے لئے ایک آل انڈیا کانفرنس منعقد کی جائے گی اور اس سے پیشتر پریس اور پلیٹ فارم کے ذریعہ پرزور پروپگنڈے کی ضرورت ہے، مسلمانوں میں تنظیم کے ابتدائی کام کو فوراً وسیع پیمانہ پر شروع کر دینا چاہئے، تھوڑے عرصہ کے بعد مسلم لیگ کے وفد کی طرح ہندوستانی ریاستوں میں مسلمانوں کی حالت کا معائنہ کرنے کے لئے انڈین اسٹیٹس مسلم کانفرنس کا ایک وفد مقرر کیا جائے گا۔

میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ پیش نظر مقصد کو کامیاب بنانے کے لئے اپنا اثر و رسوخ صرف کیجئے۔ براہ کرم ایسے افراد اور جماعتوں سے مطلع فرمایئے جنہیں اس مسئلہ سے دلچسپی ہو اور اپنے حلقہ میں رفقاء و احباب میں گرم جوشی کا بلاک قائم کیجئے۔

آپ کا بھائی

بہادر یار جنگ

(موسومہ سردار علی صابری مدیر روزنامہ آزاد ۱۴ ستمبر ۱۹۳۹ء)

ساتھ ہی نواب صاحب نے مختلف ریاستی مسلم اکابرین سے حسب ذیل سوالات کے ذریعے مطلوبہ مواد طلب فرمایا:

(۱) اگر ریاست میں کوئی اسمبلی ہے تو اس میں مسلمانوں کی کتنی نشستیں محفوظ ہیں یا عملاً کتنے مسلمان ارکان ہیں۔

(۲) سرکاری ملازمتوں میں علحدہ علحدہ بتائیں کہ وزارتوں، سکریٹریٹ اور ہر ایک سررشتے میں ہندو مسلم ملازمین کا کیا تناسب ہے۔

(۳) مسلمانوں کی مذہبی آزادی متاثر تو نہیں ہو رہی ہے اور ان پر خاص قسم کے کوئی قیود تو عائد

نہیں ہیں۔

(۴) ہندوؤں کے ساتھ خاص قسم کے مراعات کیا ہیں۔ مثلاً ان کے مذہبی رسوم کے لئے بجٹ میں خاص گنجائش' ان کے مذہبی رسوم کی ادائی میں خاص سہولتیں' ان کے منادر اور معابد کو خاص قسم کی معاشیں جو مسلمانوں کے ساتھ مرعی نہ ہوں۔

(۵) اس سلسلہ میں ریاست کی کل آبادی' اس میں مسلمانوں کا تناسب' مسلمانوں کی عام مالی حالت' ان کا عام پیشہ اور ان میں کسی قسم کی قومی بیداری اور احساس کی نسبت عام معلومات بھی اگر حاصل ہو جائیں تو باعث تشکر ہوگا۔

اس کے بعد ریاستی مسلم لیگ کے قیام کا رسمی اعلان کر دیا گیا' سارے ہندوستان کی دیسی ریاستوں میں اس اعلان نے ریاستی مسلم رعایا کی کمر بہت باندھی اور ریاستی مسلم لیگ کا پہلا شاندار اجلاس' مسلم لیگ لاہور کے پنڈال میں ۲۳/ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں سردار محمد اورنگ زیب خاں قائد حزب اختلاف مجلس قانونی سرحدی کی صدارت میں ہوا۔ حیدر آباد' میسور' کوچین' ٹراونکور' ریاست ہائے کاٹھیاوار' بڑودہ' بھوپال' اندور' گوالیار' دیواس' انور' پٹیالہ' کشمیر' قلات اور سرحدی ریاستوں کے مندوبین شریک اجلاس ہوئے۔ اس اجلاس میں لیگ کا دستور مرتب و منظور ہوا' اور نواب بہادر یار جنگ کو بالاتفاق صدر منتخب کیا گیا۔ اس موقعہ پر نواب صاحب نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''گول میز کانفرنس سے قبل کانگریس اور لیگ کی سرگرمیاں صرف برطانوی ہند تک محدود تھیں' لیکن اس کے بعد کانگریس نے اپنی پالیسی بدل دی اور اپنی سرگرمیوں کو ریاستوں میں بھی پھیلا دیا' اس کوشش میں کانگریسی لیڈروں میں اس کے علاوہ کوئی اور محرک کارفرما نہیں تھا کہ ریاستی سیاسیات میں اثر حاصل کیا جائے تاکہ وفاقی اسمبلی میں اس کے موقف کی صیانت ہو جائے جس میں قانون بابت ۱۹۳۵ء کے تحت ریاستی نمائندوں کی شرکت کی بھی تجویز تھی۔

کل ہند اسٹیٹس مسلم لیگ نے ایک ہنگامی دستور مرتب کیا ہے جس کے بموجب ریاستوں کو تین حلقوں میں تقسیم کیا گیا ہے' اولاً ہمالیاتی حلقہ جس میں شمالی مغربی سرحد صوبہ پنجاب' صوبہ متحدہ اور بنگال کی ریاستیں شامل ہیں' ثانیاً بندھیاچل کا حلقہ جس میں وسطیٰ ہند اور کاٹھیاواڑ

کی ریاستیں شامل ہیں اور تیسرے حلقے میں حیدرآباد، میسور اور صوبہ جات بمبئی و مدراس کی ریاستیں شامل ہیں، کل ہند اسٹیٹس مسلم لیگ کو اس کے ساتھ الحاق کی اجازت دی جائے اور ریاستوں کے متعلق پالیسی اور دستور مرتب کیا جائے۔

(حوالہ: بہادر یار جنگ کی سیاسی تقاریر، ص: ۴۴۵۔۴۴۶، مرتبہ نذیر الدین احمد)

ابتداء میں بھوپال میں اور بعد ازاں ناگپور میں آل انڈیا اسٹیٹ مسلم لیگ کا باقاعدہ دفتر قائم کر دیا گیا۔ مولوی محمود الحسن جنرل سکریٹری مقرر کئے گئے۔ اسٹیٹ مسلم لیگ کے ناگپور میں دفتر کے قیام کے باعث مولوی محمود الحسن نے ناگپور میں سکونت اختیار فرمائی۔

قائد ملت کی ایماء پر مسلم لیگ کے اجلاس کے ساتھ اسٹیٹ مسلم لیگ کے شاندار اجلاس بھی دو دن دو نشستوں پر مشتمل منعقد ہوئے، مندوبین کی رہائش کا علحدہ انتظام ہوتا ہے۔

پہلا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا، دوسرا اجلاس مدراس میں اور تیسرا اجلاس الہ آباد میں انتظامات اجلاس کے سلسلے میں نواب صاحب مجلس استقبالیہ کے معتمد کو قبل از قبل مطلع فرماتے۔ چنانچہ اجلاس الہٰ آباد کے سلسلے میں نواب صاحب نے جو خط تحریر فرمایا۔ اس کے مطالعہ سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے۔

نواب سر محمد یوسف

الہٰ آباد

نواب صاحب مکرم و محترم!

ابھی تک کوئی اطلاع نہیں ملی کہ الہٰ آباد کے اجلاس مسلم لیگ کی مجلس استقبالیہ کس کی صدارت میں منعقد ہو رہی ہے، میں اگر ہوتا تو صرف آپ کے لئے رائے دیتا۔ اس لئے اس وقت آپ ہی کو صدر مجلس استقبالیہ تصور کر کے یہ عریضہ گذران رہا ہوں۔ آپ کو معلوم ہوا ہے کہ آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ ابھی اپنے دورِ طفولیت سے گذر رہی ہے اور قطعاً اس قابل نہیں کہ بغیر کسی سہارے کے اپنے پاؤں پر آپ کھڑی رہ سکے اور اس کے لئے آل انڈیا مسلم لیگ سے بہتر سہارا کون ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک اس کے دو سالانہ اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ کے پنڈال میں لاہور اور مدراس میں ہو چکے ہیں۔ اور اب اس کے تیسرے سالانہ اجلاس کی کامیابی کا

دار و مدار آپ کی توجہ پر منحصر ہے۔ لاہور اور مدراس کی مجالس استقبالیہ کا میں ممنون ہوں کہ انہوں نے ہم کو ہر قسم کی سہولتیں بہم پہونچائیں۔ پنڈال کے استعمال کی اجازت دی۔ اپنے پروگرام میں ہماری دو نشستوں کے لئے کافی وقت رکھا' لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی اجازت دی' اگر ہم کو کوئی رات کا وقت دیا گیا تو پنڈال میں روشنی کا انتظام کیا۔ ہمارے ڈیلیگیٹس کو ٹھہرانے کے لئے جداگانہ انتظامات کئے۔ مجھے یقین ہے کہ الٰہ آباد کی مجلس استقبالیہ اپنے ریاستی بھائیوں کی امداد میں کسی سے پیچھے نہ رہے گی۔ میں آپ سے حسب ذیل امور کی طرف توجہ فرمائی کا متمنی ہوں۔

(۱) ہمیں اپنے سالانہ اجلاس کی دو نشستوں کے لئے اپنا عظیم الشان پنڈال اور اس کے متعلقہ انتظامات کے استعمال کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیے۔

(۲) اپنے پروگرام میں کسی دو دن ہماری دو نشستوں کے لئے تین تین گھنٹوں کا مناسب وقت معین فرمائیے۔

(۳) ہمارے مندوبین کے ٹھہرنے کے لئے جن کی تعداد زیادہ سے زیادہ سو ہوگی اپنے مندوبین کے کیمپ میں ایک جداگانہ مقام میں فرما دیجئے۔ اور اگر آپ اپنے مندوبین کے قیام کے لئے مکانات کا انتظام فرما رہے ہوں تو جلسہ گاہ سے قریب ایک مکان کا انتظام ہمارے لئے بھی کر دیجئے' اگر کرایہ ادا کرنا پڑے تو ہم ادا کر دیں گے۔

میں نے ان تمام انتظامات میں آپ کی امداد حاصل کرنے اور آپ سے مل کر بالمشافہ تمام امور کو طئے کرنے کے لئے مولوی محمود الحسن صاحب صدیقی ایکٹنگ سکریٹری آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ کو آپ کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں۔ جن سے آپ ناگپور میں مل چکے ہیں' مجھے یقین ہے کہ آپ کی کامل ہمدردیاں' ہم کو حاصل رہیں گی۔ میری دلی دعا ہے کہ الٰہ آباد کا اجلاس آپ کی مساعی سے کامیابی ہو اور آل انڈیا مسلم لیگ کی تاریخ میں اپنی خوبیوں کے اعتبار سے ہمیشہ یادگار رہے گا' انشاء اللہ ۳/ اپریل کو الٰہ آباد پہونچوں گا۔

(حوالہ: مکاتیب بہادر یار جنگ' مرتبہ بہادر یار جنگ اکیڈیمی کراچی' مکتوب نمبر ۲۶۱' ص: ۲۸۷۔۲۸۸)

اس طرح مسلم لیگ کے ہر سالانہ اجلاس کے موقعہ پر آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ کے اجلاس بڑے اہتمام سے منعقد ہوتے۔

آل انڈیا اسٹیٹ مسلم لیگ کے کام کو پروان چڑھانے کے لئے ۱۹۴۳ء میں قائد ملت نے ایک دورہ کمیٹی مقرر فرمائی، جس کمیٹی کی قیادت قائد ملت نے فرمائی۔ سب سے پہلے راجپوتانہ کی تمام ریاستوں کا دورہ فرمایا جہاں مسلمانوں نے غیر معمولی جوش سے اپنے قائد کا خیر مقدم کیا، ریاست ہائے راجپوتانہ میں اودے پور، جے پور، جودھپور، بوندی کوٹہ بیکانیر ٹونک، دھول پور، بھرت پور، وسطی ہندوستان میں گوالیار، اندور، بھوپال، ریوادیتا دھار دیواس جاوڑہ، تلام چار کھاری اور گجرات وکاٹھیاواڑ کی ریاستوں میں کچ، جونا گڑھ، پالن پور، کونڈل، دھاوال، پور بندر، مانادیدور، بالا سیرور، کیمبے، دھن پور، نانگر، بھونگر اور جام نگر۔

ریاست ہائے پریسیڈنسی بمبئی میں بڑودہ، کوکھا پور، سانگلی، راج پیلہ جنجرہ، ساجن، جام کمنڈی، اکل کوٹ، سادنورا، مدراس پریسیڈنسی میں، حیدر آباد، میسور، پدوکوٹہ، بیگن پلی اور کوچین۔

کشمیر و پنجاب کی ریاستوں میں پٹیالہ، بھاولپور، نابہا، کپورتھلہ، کالیہ، منڈی، مالیر کوٹلہ، فرید کوٹ، لوہارو۔

پنڈی سندھ اور بلوچستان میں خیر پور، قلات۔

صوبہ جات متحدہ بہار بنگال اور آسام کی ریاستوں میں رام پور کنگ پور، کیونجی ہار، ڈھنکنال کا دورہ فرمایا۔

اختتام دورہ پر بشمول صدر نو ارکان کی کمیٹی نے رپورٹ مرتب کی، ریاستی مسلمانوں کی سماجی، معاشی اور تعلیمی امور کا جائزہ لیا گیا۔ مسلمانوں کے حقوق کی نگہداشت، ریاستوں میں اصلاحات اور دیگر امور کے حل پر غور وفکر کے بعد ایک لائحہ عمل مرتب کیا گیا۔

قائد ملت نے ان دوروں میں کل ہند ریاستی لیگ کے مقاصد ریاستی مسلمانوں کے حقوق اور اس کی صیانت کی صورتحال پر اپنے مخصوص دلنشیں انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا، لسان الامت کی اثر انگیز خطابت نے ہر ریاستی مسلمان کو اس درجہ متاثر کیا کہ وہ انتہائی گرمجوشی سے ریاستی مسلم لیگ کے اجلاسوں میں بڑھ چڑھ کر عملی حصہ لینے لگے۔..................

نواب صاحب نے اسٹیٹ مسلم لیگ کو آگے بڑھانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی، ارباب متعلقہ سے مسلمانوں کے حقوق سیاسی مذہبی واقتصادی میں نمائندگی فرمائی، مقامی مشاہیر کے باہمی

اختلافات کو دور کر کے ان کی صلاحیتوں کو تنظیمی قوت میں بدل دیا' اس ریاستی لیگ کے ذریعے سارے ہندوستان کی مسلم آبادی کو ایک مرکز پر جمع کر دیا۔

''بہادر یار جنگ نے آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ قائم کی اور آخر دم تک اس کے صدر رہے' اس لیگ کی تنظیم نہایت مشکل اور اس کا عملی کام اس سے بھی زیادہ مشکل تھا' لیکن بہادر یار جنگ کی عالی دماغی' محنت اور خلوص نے اس کو ایک ایسی طاقت بنا دیا کہ جن غیر مسلم ریاستوں میں مسلمانوں کے حقوق پامال کئے جا رہے تھے وہاں کے ارباب اقتدار اس لیگ اور اس کے صدر کے نام سے کانپتے تھے۔ بہادر یار جنگ نے اس سلسلے میں ہر قسم کی محنت اور تکلیف کو برداشت کیا۔'' (مرگ مفاجات' از: مولانا غلام بھیگ نیرنگ)

قائد ملت کو اسٹیٹ مسلم لیگ قائم کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی اس کا پس منظر ''پورا سیاسی پس منظر'' کا حامل ہے' ایک طرف جب کانگریسی لیڈروں نے اسٹیٹس پیپلس کانفرنس کا کانگریس سے الحاق کا تصفیہ کیا اور ریاستوں کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیا تو دوسری طرف مسلم لیگ ریاستوں سے متعلق اپنی غیر جانبدارانہ پالیسی پر قائم تھی اور نواب صاحب نے اس موقعہ پر محسوس فرمایا کہ:

''بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ بعض موقعوں پر ریاستی مسلمانوں کو مایوس کیا۔ ان تمام حالات نے دیسی ریاستوں کے مسلم باشندوں پر اس ضرورت کو پوری طرح واضح کر دیا ہے کہ وہ اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے ایک کل ہند نظام ترتیب دیں اور نہ اکثریت ہونے کے باوجود بیرونی طاقتوں سے ربط و تعلق اور اقلیت کا اقلیت ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے بے تعلق ہونا ان کے مستقبل کو انتہا درجہ تاریک اور خطرات سے پر بنا دے گا' میں نے محسوس کیا کہ یوں تو حیدر آباد کے مسلمانوں کو جو مغلیہ شہنشاہیت کی عظمت رفتہ کے صحیح وارث ہیں' سارے ہندوستان کے مسلمانوں کی شاہ راہ ترقی میں رہبری کرنی چاہیئے لیکن کم از کم وہ اپنے اس فریضہ کی ابتداء ایسی ریاستوں کے مسلمانوں کی قیادت سے کریں۔ اس سے ایک طرف وہ مختلف ریاستوں کے مسلمانوں کے درمیان ایک ایسا رشتہ اخوت پیدا کر سکیں گے جو ہر ایک کی مضبوطی کا باعث ہو اور اس کو آنے والے طوفان جمہوریت میں اپنے وجود کے تحفظ کے قابل بنائے تو دوسری طرف

بالواسطہ وہ برطانوی ہند کے مسلمانوں کے ساتھ بھی تعاون اور اشتراک عمل کر سکیں گے۔ جے پور‘ جودھپور اور بعض دوسرے ریاستوں کے خونچکاں حالات اور گوالیاں و کشمیر وغیرہ کی مسلم کش دستوری تبدیلیاں اس ضرورت کو اور بھی زیادہ محسوس کراتی ہیں‘ چنانچہ میں نے اللہ کا نام لے کر ایک آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ کی تحریک ریاستی مسلمانوں کے سامنے رکھی اور ان سے خواہش کی کہ ایک مرکز پر مجتمع ہو جائیں اور اپنی انفرادیت کے تحفظ میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں‘ اس ضرورت کو ہندوستان کے اور بھی بہت سے مفکرین محسوس کر رہے تھے‘ چنانچہ میری دعوت پر ہر طرف سے صدائے لبیک بلند ہوئی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تحریک مستقبل میں نہایت کامیاب اور ریاستی مسلمانوں کے تحفظ اور نجات کا ذریعہ بنے گی۔‘‘ (حوالہ: خطبات قائد ملت‘ ص: ۱۱۴‘ ۱۱۶‘ ۱۱۷)

اور سچ تو یہ ہے کہ نواب بہادر یار جنگ کی سیاسی بصیرت کا ایک نقش یہ بھی تھا کہ انہوں نے بروقت محسوس کیا کہ مسلم لیگ کی‘ ریاستی مسلمانوں کے تعلق سے غیر جانبدارانہ پالیسی‘ ان ریاستوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں‘ انہیں نقصان پہنچائے بغیر نہ رہے گی‘ ایک طرف تو کانگریس اپنی خود ساختہ جماعت اسٹیٹس پیپلز کانفرنس کی وساطت سے ریاستوں کا کانگریس کے ساتھ الحاق چاہتی تھی اور اس مطالبہ پر اپنی روش سخت سے سخت تر کرتی جاتی تھی اور دوسری طرف مسلم لیگ اپنے دستور کے حدود سے باہر ریاستی مسلمانوں کے معاملات کو اپنے دائرہ کار سے خارج سمجھتی تھی‘ نتیجہ یہ تھا کہ ریاستی مسلمان کسمپرسی کی حالت میں تھے اور ان کے حقوق کی حفاظت کے لئے ایک کل ہند تنظیم کی ضرورت تھی۔ قائداعظم سے جب اس مسئلہ پر اتفاق رائے ہو گیا تو نواب صاحب نے کل ہند ریاستی مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی اور صدر کی حیثیت سے مصروف عمل ہو گئے۔‘‘

(حوالہ: ص: ۱۹۵‘ مضمون مولوی صمدانی نقوی صاحب بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں)

ان کی غیر معمولی شخصیت اگر اس کام کا بیڑا نہ اٹھاتی تو یہ تحریک سازشوں کا شکار ہو کر دم توڑ دیتی‘ ریاستی مسلم لیگ کے سلسلے میں لیاقت علی خاں اور دیگر لیگی رہنماؤں کا عدم تعاون اور اندرونی طور پر اس کی ہر محاذ پر مخالفت بھی ہر دم رخنہ گر رہی۔ حالانکہ ریاستی مسلم لیگ‘ ایک طرف ریاستی مسلمانوں کے حوصلوں کو بلند کرنے اور انہیں انصاف دلانے میں معاون بنی تو دوسری طرف لیگ

کے مطالبہ پاکستان میں ریاستی مسلمانوں کی وجہ سے قابل قدر تعاون' لیگ کے شریک حال رہا۔

انہوں نے ریاست ہند کے مسلمانوں کی زبوں حالت پر غائر نظر ڈال کر طئے کیا کہ ان تمام ریاست ہائے ہند کی مسلم آبادی کو کسی ایک نظام میں منسلک کیا جائے تا کہ وہ منظّم ہو کر اپنے حقوق کا تحفظ اور مستقبل کے آنے والے خطرات کا علاج کر سکیں' اس مقصد کے لئے آل انڈیا ریاستی مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی۔

ابتداءً اس جماعت کی ہنسی اڑائی جاتی تھی لیکن نواب بہادر یار جنگ کی غیر معمولی اور مخلصانہ خدمات نے اس جماعت کو تھوڑی ہی مدت میں معیار پر پہنچا دیا کہ جس مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوتا' وہیں آل انڈیا اسٹیٹ مسلم لیگ کے شاندار اجلاس ہوتے جہاں ریاست ہائے ہند کے نمائندگان کے علاوہ مشاہیر ہند اور زعمائے ملت شرکت کرتے۔''

(حوالہ: قائد ملت از: مولانا عبدالحامد بدایونی' ہفتہ وار ''آہنگ'' حیدرآباد' ۱۲ / مئی ۱۹۵۷ء)

لاہور کے پہلے اجلاس کے بعد یہ معمول بن چکا تھا کہ مسلم لیگ کے سالانہ جلسوں کے ساتھ ریاستی مسلم لیگ کا شاندار اجلاس بھی منعقد ہوتا۔ اس دوران ریاستی مسلم لیگ کی شاخیں' ریاستوں میں قائم کی گئیں اور باضابطہ کام شروع کیا گیا۔ اس دوران آل انڈیا اسٹیٹ مسلم لیگ کے تعلق سے نت نئی باتیں منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی' جن میں سب سے اہم یہ جھوٹی خبر تھی کہ ریاستی مسلم لیگ سے متعلق قائد ملت اور قائد اعظم میں اختلافات پیدا ہو گئے ہیں حالانکہ ہر صاحب نظر اس امر کا معترف تھا کہ محض قائد ملت کی بصیرت وقابلیت کے باعث ریاستی مسلم لیگ کی معاون جماعت ثابت ہوئی۔ نواب صاحب نے اس سازش کو بھانپ لیا اور اس پروپگنڈے کے جواب میں ارشاد فرمایا:

میں تو ان لوگوں میں سے ہوں جو پاکستان پر کامل یقین رکھتے ہیں' اور اس کو ہندوستان کے سیاسی مسائل اور خصوصاً مسلمانوں کے مستقبل کا واحد حل تصور کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ قائد اعظم سے ریاستی مسائل کے سلسلے میں میرا اختلاف ہے۔ حالانکہ اس کے برخلاف میں نے آج تک ان کی مرضی کے بغیر قدم نہیں اٹھایا' میری سیاسی زندگی کی ہر منزل میں وہی میرے رہنما ہیں۔ (حوالہ: نوائے وقت پاکستان ۲۵ / جون ۱۹۸۲ء)

۱۹۴۳ء میں سر اسٹافورڈ کرپس، باشندگان ریاست کے نمائندوں سے ملنے والے تھے، اس خصوص میں اسٹیٹس پیپل کانفرنس جس کے صدر پنڈت جواہر لال نہرو تھے، پیش پیش تھے، ایسی صورت میں ریاستی مسلمانوں کی نمائندگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب تک ریاستی مسلم لیگ اس خصوص میں نمائندگی نہ کرتی، وقت کی اس اہم ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے نواب صاحب نے سر اسٹافورڈ کرپس سے ریاستی مسلمانوں کی نمائندگی کے بارے میں باخبر کیا اور اس خصوص میں قائداعظم سے رہنمائی و مدد بھی طلب کی۔ وہ ۱۹/ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو قائداعظم کے نام اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

مسٹر جناح! جیسا کہ میں نے کل آپ سے کہا تھا، اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ سر اسٹافورڈ کرپس باشندگان ریاست کے نمائندے سے بھی ملنے والے ہیں۔ میں نے آپ کی ہدایت کے موافق ان کو ایک تار بھی بھیجا ہے اور خط بھی لکھا ہے، جس کی نقل منسلک ہے، آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ کے پوزیشن کو قائم رکھنا اب آپ کی توجہ پر منحصر ہے اور میں متمنی ہوں کہ آپ اس میں دلچسپی لیں۔ میں جانتا ہوں کہ ریاستی رعایا کا ریپرزنٹیشن (Representation) موجودہ مسائل میں کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ پھر بھی مسلمانوں کی نمائندگی کا نہ ہونا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ میں آپ کی ہدایات کا منتظر ہوں۔ (حوالہ: خط نمبر ۲۷۶، ۴۷، الف، ص: ۴۹۲ مکاتیب بہادر یار جنگ)

اور سر اسٹافورڈ کرپس کے نام حسب ذیل خط لکھا گیا، جس میں اسٹیٹس مسلم لیگ کی نمائندگی کے بارے میں وضاحت کی گئی تھی۔

سر اسٹافورڈ کرپس!

اخبارات میں، میں نے دیکھا کہ آپ اسٹیٹ کے عوامی نمائندوں سے ملیں گے، آپ کے فوری حوالہ کے لئے ایک اخبار سے تراشہ بھی منسلک کررہا ہوں، شاید آپ اس حقیقت سے واقف ہوں کہ اسٹیٹ کے مسلمانوں کی نمائندگی کرنے والی صرف ایک ہی جماعت ہے جو آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ کہلاتی ہے اور جس کی صدارت مجھے سونپی گئی ہے۔

اسٹیٹس پیپل کانفرنس جو پنڈت جواہر لال نہرو کی صدارت میں کام کررہی ہے یا کوئی اور جماعت، اسٹیٹ میں رہنے والے مسلمانوں کے مسائل کو انصاف کے ساتھ پیش نہیں کرسکتی۔

مجھے یقین ہے کہ آپ اسٹیٹس کے مسلمانوں کو نظر انداز نہ کریں گے اور مجھ سے ملنے اور ان مسلمانوں کا نقطۂ نظر معلوم کرنے کے خیال کو پسند فرمائیں گے۔

(حوالہ: ص ۴۹۳، خط نمبر ۲۷۶ ب مکاتیب بہادر یار جنگ)

''بطل حریت قائد ملت نواب بہادر یار جنگ مرحوم و مغفور نہ صرف مسلمانان ریاست حیدرآباد کے مایۂ ناز رہنما تھے بلکہ تمام ہندوستانی ریاستوں میں بسنے والی ملتِ اسلامیہ کے محبوب قائد بھی تھے۔ یہ آفتاب ہدایت اگرچہ حیدرآباد دکن کی سرزمین سے طلوع ہوا مگر اس کی ضوفشانی اور نورانی کرنوں نے ہندوستانی ریاستوں کی ظلماتی سرزمین کو منور اور روشن کرنا شروع کردیا تھا، انہیں ریاستی مسلمانوں کی اصلاح و ترقی کا ہر لحاظ خیال رہتا تھا، ان کا سب سے بڑا مشن یہ تھا کہ ریاستی دنیا کے اندر ایک ایسی بہار پیدا کی جائے کہ جس سے امن و سلامتی سے پژمردہ شگوفے اور ایمان و ایقان کے مرجھاتے ہوئے پودے تازہ ہوکر ہرے بھرے ہو جائیں۔

مرحوم ایک ایسی زبردست قوتِ ارادی کے مالک تھے کہ دنیا کے حوادث ان کے غیر متزلزل عزم پر مطلق اثر انداز نہیں ہوسکتے تھے ان کے سینہ میں بلندیوں کے لئے ایک لازوال تڑپ، ایک لافانی جذبہ، ایک پیہم اضطراب اور مسلسل ذوق تگا پوے دمادم موجود تھا۔ سب سے پہلے آپ ہی نے ریاستی مسلمانوں کے آہ و فغاں کے نالے، درد و الم کی چیخیں اور اضطراب و التہاب کی صدائیں سنیں۔

''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ''

(حوالہ: ''حیات آفریں'' شائع شدہ اعلان جالندھر، قائد ملت نمبر شمارہ ۲۱)

ایسے موقعوں پر جب یادوں کے چراغ جلتے ہیں تو دل بے اختیار پکار اٹھتا ہے۔

وہ اٹھ گیا جو پیکر درد تھا
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

◆◆◆

قائدملت مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے اسٹیج پر

قائدملت کی وابستگی برصغیر کی ہراس تحریک اورادارے سے رہی جن اداروں یاتحریکات کا تعلق ملت اسلامیہ کے مفادات کی حفاظت و صیانت' ذہن وفکر کی اصلاح یا ان کے فلاحی کاموں اور تعلیمی نظام سے متعلق رہے۔

تحریک علی گڈھ مسلم یونیورسٹی تو مسلمانانِ ہند کی عظیم تعلیمی تربیت گاہ رہی ہے جہاں کے فارغ التحصیل نوجوانوں نے ہر شعبہ حیات میں کامیابی وکامرانی کے جھنڈے گاڑ دیئے۔تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے میں بلاشبہ اس یونیورسٹی کے طلبہ کی جدوجہد تحریک پاکستان کا ایک سنہرا باب ہے۔

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ سے اپنے تعلق خاطر کا اظہار کرتے ہوئے قائدملت نے ارشاد فرمایا تھا ''مجھے دونسبتیں مسلم یونیورسٹی سے اتنا ہی قریب کر دیتی ہیں جتنا کوئی وہاں کا تعلیم یافتہ ہوسکتا ہے ایک نسبت تو اسلامی ہے جس کی وجہ سے ہر مسلم کو اس یونیورسٹی سے محبت ہونی چاہئیے۔

دوسری نسبت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت بندگان عالی اس کے چانسلر ہیں اوراس طرح مسلم یونیورسٹی حیدرآباد کی ہے اور ہر حیدرآبادی اس سے روحانی تعلق رکھتا ہے۔''

(حوالہ: تقریر قائدملت بعنوان ''مسلم یونیورسٹی علیگڈھ'' مشمولہ بہادر یار جنگ کی غیر سیاسی تقاریر' مرتبہ نذیرالدین احمد)

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں قائدملت کی پہلی تقریر حیدرآباد میں مسلمانوں کی سیاسی حیثیت اور دعویٰ ہائے اقتدار کے زیرعنوان تھی۔اس تقریر کے متعلق علامہ سلیمان ندوی اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''علیگڈھ یونیورسٹی یونین سے داد پانا آسان نہیں' یونین میں ان کی پہلی تقریر تھی' موضوع حیدرآباد میں مسلمانوں کی سیاسی حیثیت اور دعویٰ ہائے اقتدار تھا۔ جب تک وہ تقریر کرتے رہے' تاثیر کا دریا بہتا رہا اور ہر شخص کو تسکین ہوگئی کہ حیدرآبادی مسلمانوں کا دعویٰ بالکل صحیح ہے۔ایک

اچھے مقرر لیڈر کو یہ کہتے سنا کہ انہوں نے اپنے کیس کو بہت خوبی سے پیش کیا۔ طالب علموں نے ان پر تحسین و آفریں کے پھول برسائے' یہ علیگڈھ میں ان کی پہلی جیت تھی۔''

(حوالہ: ایک بہادر مسلمان کی موت' از: علامہ سلیمان ندویؒ)

علی گڈھ کا اسٹیج اہل علم و فضل کیلئے بھی امتحان گاہ سے کم نہیں رہا۔

یہاں پگڑی اچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں

کے مصداق حال تھا لیکن پہلی تقریر کیا ہوئی کہ طلبہ و اساتذہ ان کی تقریروں اور شخصیت کے گرویدہ بن گئے۔ حامد علی ہال کی وسعتیں جب شائقین کے ہجوم کے باعث اپنی تنگ دامنی پر شکوہ سنج ہوئیں تو اسٹریچی ہال کی وسعتوں نے اپنا دامن پھیلا دیا مگر اسٹریچی ہال کی نظریں بھی سامعین کے ہجوم سے آنکھیں ملانے کے قابل نہ تھی۔ اسٹریچی ہال کے دامن میں جتنے سما جاتے' سما جاتے باقی کھڑے کھڑے ہال میں اور ہال کے بارہ اس شعلہ نوا خطیب کی سحر انگیز تقریر سے مستفید ہوتے۔

یوں تو قائد ملت نے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے اسٹیج پر کئی تقریریں فرمائیں' لیکن جن تقریروں کی روئیدادیں مضامین میں محفوظ ہوگئیں۔ اسی سرمایہ سے اس موضوع پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔ ۳۰/اگست ۱۹۳۹ء کی ایک یادگار تقریر کا ذکر ''آواز دوست'' کے صفحات پر ملتا ہے۔

''۳۰/اگست ۱۹۳۹ء کو بہادر یار جنگ کی پہلی تقریر اسکول کے طالب علم کی حیثیت سے سیرت کے جلسہ میں سنی۔ میرے لئے وہ بالکل اجنبی تھے۔ میں نے اس سے پہلے کبھی ان کا نام بھی نہیں سنا تھا' سیرت کا ہفتہ منایا جارہا تھا اور مہمان دور دور سے اس میں شرکت کے لئے بلائے گئے تھے۔ نامور عالم' مشہور سیرت نگار' معروف مفسر اور دینی اداروں کے معلم سبھی اپنی مخصوص سادگی اور وضع قطع کے ساتھ وہاں موجود تھے' حفیظ جالندھری بھی آئے تھے اور عمر کے اس دور سے گذر رہے تھے جب شاہنامہ اسلام سناتے ہوئے نہ وہ تھکتے تھے اور نہ ان کے سننے والے' ایسے عالمانہ شاعرانہ اور غریبانہ ماحول میں دولتِ آصفیہ کے ایک یار جنگ کو تقریر کی دعوت دینا میری سمجھ سے باہر تھا بہت سوچا تو یہ خیال گذرا کہ شاید منتظمین کو اس نواب سے چندہ ملنے کی توقع ہے جو ترکی ٹوپی کسی ہوئی شیروانی اور تنگ پائجامہ پہنے تنگنائے دکن سے چل کر مسلم یونیورسٹی میں آنکلا ہے' وخطاب یافتہ جاگیردار تقریر کے لئے کھڑا ہوا تو پہلے اپنے دونوں انگوٹھے اچکن کے سامنے

والی جیبوں میں اٹکائے تقریری کی تو اہل درد کا دل اس جاگیردار نے لوٹ لیا کیا وہ جلسہ کیا وہ دن یہ تقریر تو سیرت کے پورے ہفتہ کی تقریبات کا حاصل بن گئی اس کے بعد اگلے چند سال لوگ اس ہفتہ اور اس مقرر کی آمد کا انتظار کرتے رہتے اس روز تقریر ختم ہوئی تو میں نے اپنی اچکن کی جیب سے آٹوگراف البم نکال کر بہادر یار جنگ کے سامنے رکھ دی۔ بہادر یار جنگ نے البم کو ترچھا کیا اور صفحے کے وسط کے بجائے اس کے نصف حصے کے درمیان بڑی تیزی سے محمد بہادر خاں لکھا۔ اس کے نیچے چھوٹی سے لکیر لگالی پھر ۳۰/ اگست ۱۹۳۹ء لکھا اس کے نیچے ایک بڑی سی لکیر لگا کر البم مجھے واپس کر دی اس وقت ان کی عمر صرف ۳۴ برس کی تھی اور برصغیر کی تاریخ میں اپنا مستقل مقام حاصل کرنے کے لئے ان کے پاس صرف پانچ برس باقی رہ گئے تھے۔ اب وہ تحریک پاکستان تحریک آل انڈیا مسلم لیگ آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ کے ذریعہ اسلام کا پیغام عام کرنے لگے' شاید انہیں اس کا احساس تھا کہ کام بہت پڑا ہے اور مہلت بہت کم ہے اس لئے وہ ہر کام بہت تیزی اور تندہی سے کیا کرتے تھے' تیزی سے لکھا ہوا خط خوشخطی کے زمرے میں نہیں آتا لیکن خلوص اور تندہی سے کئے ہوئے کام کارنامے بن جاتے ہیں۔''

(حوالہ: آواز دوست محترم مختار مسعود صاحب)

علیگڈھ کے اسٹیج پر نواب صاحب کی تقاریر کا آنکھوں دیکھا حال مولوی الحاج محمد زبیر کی زبانی سنئے۔

میں نے قائد ملت بہادر یار جنگ مرحوم کا نام پہلے پہل خاکسار تحریک کے ضمن میں سنا تھا اس تحریک کے انتہائی سخت اور کڑے اصولوں کی جس خلوص و تندہی کے ساتھ انہوں نے پابندی اور تعمیل کی اس کا شہرہ سن کر میں ان کی بڑائی کا قائل ہو گیا اور میرے دل میں ان کو دیکھنے کی آرزو کروٹیں لینے لگی۔ میری یہ آرزو اس وقت بر آئی جب وہ پاکستان تحریک کے سلسلے میں علیگڈھ تشریف لائے اور اسٹوڈنٹس یونین کلب کے عظیم الشان ہال میں ان کا نہایت پر جوش خیر مقدم کیا گیا۔ مجھے وہ سما خوب یاد ہے جب قائد ملت تقریر کرنے کے لئے اسٹیج پر تشریف لائے تو یکایک یونین ہال کی چھت کے دریچہ سے ان پر پھول برسنے لگے اس گل باری سے ان کا متبسم اور پر وقار چہرہ بے حد مسرور اور شگفتہ نظر آ رہا تھا۔ انہوں نے پر جوش تالیوں کی گونج میں اپنی تقریر کا آغاز کیا

اور طلاقت لسانی اور حسنِ خطابت کا سکہ حاضرین کے دلوں پر بٹھا دیا' اس کے بعد وہ برابر علیگڈھ تشریف لاتے رہے اور مجھے ان کی خدمت میں باریاب ہونے اور ان کی بلند پایہ تقاریر سننے کے مواقع ملتے رہے۔ ان جلسوں میں میری بیوی بھی برابر شریک ہوا کرتی تھیں۔ جلسہ گاہ میں یونیورسٹی کے اسٹاف اور طلباء کے علاوہ خواتین بھی کافی تعداد میں ہوتی تھیں۔ ان جلسوں کی ایک قابل قدر خصوصیت یہ تھی کہ خواتین کے لئے نشستیں مردوں سے علحدہ ہال کی گیلری میں فراہم کی جاتی تھیں۔

میں نے نواب صاحب کی تقریر میں ایک خوبی یہ بھی دیکھی کہ وہ تقریر کے دوران بڑے فاضلانہ انداز سے بڑی اچھوتی اور نئی بات پیدا کر کے اپنے بیان کو دلکش اور پر مغز بنا دیتے تھے۔ مثلاً ایک بار مسلم لیگ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ اس کا اولین اجلاس اللہ تعالیٰ کے زیر صدارت آسمان پر ہوا تھا پھر انھوں نے اپنے اس نکتہ کی توضیح وتشریح نہایت پر تاثیر اور عالمانہ انداز سے فرمائی جس کے نقوش مدتوں میرے ذہن کی سطح پر مرتسم رہے۔

یہاں یہ کہہ دینا غیر متعلق نہ ہوگا کہ طلباء کے یونین کلب کا یہ ہال نواب حامد علی خاں والی رامپور کے قیمتی عطیہ سے تعمیر ہوا ہے اور اسی بنا پر ''رامپور حامد ہال'' کہلاتا ہے۔ یہاں ہر ملک وقوم کے اکابر ومشاہیر کے طلباء کی طرف سے خیر مقدم کئے جاتے ہیں جن کی شان وشوکت لائق دید ہوتی ہے لیکن جب نواب بہادر یار جنگ کے جلسوں میں شرکاء کی تعداد ہال کی وسعت سے آگے نکل گئی تو ان کی تقریریں یونیورسٹی کے اسٹریچی ہال میں ہونے لگیں۔

اس ہال کے متعلق یہ یاد رہے کہ اس کے در وبام میں ایثار وقربانی' فراخدلی اور بے تعصبی کے بڑے دلکش نقوش تقریباً سو برس سے جھلک رہے ہیں ان کا ذکر میں اپنی تحریروں اور تقریریوں میں کرتا رہتا ہوں تاکہ سامعین اور قارئین کے دلوں میں یہ عالی صفات اجاگر ہوتی رہیں۔

اس عظیم الشان ہال کی اندرونی وسعت پانچ ہزار مربع فٹ کہی جاتی ہے اس کا نام سرسیدؒ نے اپنے زمانے کے یوپی کے گورنر ''سرجان اسٹریچی'' کے نام پر اسٹریچی ہال رکھا تھا اور آج تک وہ اسی نام سے موسوم ہے اس کی دیواروں پر ان اصحاب کے نام کندہ ہیں جنھوں نے اس کی تعمیر میں چندے دیئے تھے' ان میں مسلم معطیان کے ساتھ ہندو اور انگریزوں کے نام بھی ثبت ہیں مگر

ان میں جالندھر ہائی اسکول کے ایک غریب مدرس کا نام سنہرے حروف میں لکھنے کے قابل ہے ان کے ایثار کا ذکر یوں کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی لڑکی کی شادی کے لئے پانچ سو روپیہ جمع کیا تھا لیکن نکاح کے وقت اسے یہ خیال آیا کہ شادی کی فضول رسموں میں خرچ کرنے کے بجائے قومی کام میں خرچ کر دینا بہتر ہوگا چنانچہ انہوں نے اپنی لڑکی کا نکاح صرف چھواروں پر کر دیا۔ اور پانچ سو روپئے اسٹر یچی ہال پر تعمیر کرنے کے لئے سرسید کے پاس بھیجدیئے۔

یہ ذکر تو درمیان میں آ گیا جس کا پڑھنا میرے خیال میں دلچسپی سے خالی نہ ہوگا اصل میں کہنا یہ ہے کہ اس عالی شان حال میں یونیورسٹی کانوکیشن اور دیگر بڑے بڑے جلسے ہوتے ہیں۔ یہاں میں نے ہزار الٹڈ ہائنس میر عثمان علی خاں (نظام حیدر آباد دکن) ہر ہائنس سلطان جہاں بیگم نواب حمید اللہ خاں (فرماں روایان بھوپال) نواب صاحب بھاولپور' مہاراجہ الور' وائسران ہند لارڈ لنلتھ گو' لارڈ ریڈنگ' لارڈ ولنگٹن اور دیگر ممتاز اکابر کے بڑے تزک واحتشام سے خیر مقدم ہوتے دیکھے ہیں۔ لیکن جب بہادر یار جنگ یہاں تقریر فرماتے تو یہاں کا سماں بڑا روح افزا ہو جاتا' ان جلسوں کی مقبولیت اور نواب صاحب کی ذات گرامی سے لوگوں کی ارادت کا یہ عالم دیکھا کہ یونیورسٹی کے پروفیسر' طالب علم' غرض ہر استعداد اور ہر مکتبۂ فکر کے حاملین اتنی کثیر تعداد میں شریک ہوتے کہ اس وسیع ہال میں تل رکھنے کو جگہ نہ رہتی۔ جب نواب صاحب اراکین یونیورسٹی کے جلو میں یہاں داخل ہوتے تو حاضرین ایستادہ ہو کر پر جوش چرتر کے ساتھ اپنے دیدہ و دل فرشِ راہ کر دیتے تھے۔

ایسے ہی والہانہ جوش و خروش کے ساتھ ان کی آمد کے وقت اسٹیشن پر ان کا استقبال کیا جاتا۔ طلباء اور دیگر حضرات کی اس قدر کثرت ہوتی کہ ریل کا وقتِ مقررہ پر روانہ ہونا مشکل ہو جاتا۔ ایک بار میں لوگوں کے جم غفیر میں اس بڑی طرح پھنسا کہ سانس لینا محال ہو گیا اس کے بعد پھر کبھی ان کے استقبال کے لئے اسٹیشن جانے کی ہمت نہ ہوئی۔

یہ ۲۵ ربرس پرانی باتیں ہیں جو یاد آ جاتی ہیں وہ یہاں پیش کر دیتا ہوں۔ اس وقت میری نظروں میں وہ چہل پہل اور رونقیں گھوم رہی ہیں جو نواب صاحب کے قیام کے دوران یونیورسٹی سے شہر تک پھیل جایا کرتی تھیں۔ شہر کے لوگ بھی ان کی تقریریں سننے کے اتنے متمنی رہتے کہ

رات میں بھی کئی میل کا فاصلہ طئے کر کے یونیورسٹی پہونچ جاتے تھے۔

علیگڈھ میں جہاں ان کا قیام ہوتا وہاں بھی ہمہ وقت چہل پہل رہتی ان سے ملنے اور ان کی صحبتوں سے فیض اٹھانے کے لئے لوگ برابر آتے رہتے تھے' لائق ذکر بات یہ ہے کہ ان مشاغل کے ہجوم میں بھی ان کے چہرہ پر تھکن یا گھٹن کے آثار نہ ہوتے' ہر حال میں ہشاش بشاش نظر آتے تھے' ان کی مصروفیت کا حال کیا بیان کروں' یونیورسٹی کی شعبہ جاتی سوسائیٹیوں اور طلباء کے مختلف انجمنوں کی طرف سے روزانہ عصرانے اور ڈنر دیئے جاتے' ان تقریبات میں نواب صاحب کی شان میں نظمیں پڑھی جاتیں۔ میزبان اپنی تقریروں میں طرح طرح سے ان کی خدمات کی تعریف وتحسین کرتے' پھر جوابی تقریر ہوتی جو کھانے کے مزوں کو دوبالا کر دیتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک جلیل القدر مقرر تھے' میں نے یونیورسٹی سے اپنی ۴۲ سالہ وابستگی کے دوران جن بڑے بڑے علماء وفضلاء اور اکابر مشاہیر کی تقریریں سنیں' ان... میں نواب صاحب کی تقریر کو ایک ممتاز مقام حاصل تھا' اس کی لطافت معنویت شیرینی وشگفتگی ہی کچھ اور تھی۔"

(حوالہ: مضمون از: الحاج محمد زبیر صاحب' استاد لائبریری سائینس مسلم یونیورسٹی علیگڈھ وسابق لائبریرین نیشنل کالج کراچی ص: ۷۵ تا ۷۷' مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں۔ ناشر بہادر یار جنگ اکیڈیمی۔ کراچی)

۱۹۴۱ء میں علیگڈھ کے اسٹیج پر مولانا عبدالماجد دریابادی اور بہادر یار جنگ کی تقریر کی روئیداد مولانا عبدالماجد دریابادی "صدق" کے صفحات پر نقل فرماتے ہیں۔

۲۶/ اکتوبر ۱۹۴۱ء مقام علیگڈھ یونیورسٹی کی مجلس تاریخ وتمدن اسلامی کی دعوت پر میرا اور نواب صاحب کا دونوں کا بیان ہونے والا تھا' نواب سحر بیان کی خطابت بچے بچے سے تحسین حاصل کئے ہوئے اہل جلسہ نے غلطی کر کے مجھ جیسے کج مج زبان کا وقت اسی بلبل ہزارداستان کے ساتھ رکھدیا' وسیع اور لق ودق اسٹریچی ہال اوپر سے نیچے تک بھرا ہوا سامنے جو لاؤڈ اسپیکر لگا ہوا تھا اس نے جواب دے دیا۔ اب بھلا میری آواز کہاں پہنچتی' ایک صاحب نے کھڑے ہو کر کہہ دیا' ہمارا وقت خواہ مخواہ ضائع ہو رہا ہے۔ کچھ سنائی نہیں دیتا اور ہم نواب صاحب کے مشتاق ہو کر آئے ہیں۔ میں تو پہلے ہی سے ہٹنے پر آمادہ تھا۔ ذرا صدر صاحب سے معذرت کر کے ڈائس سے اترنے لگا۔ معاً نواب صاحب کھڑے ہوئے اور گرج کر بولے' کوئی سنے یا نہ سنے کوئی بیٹھے یا چلا جائے

ہیں خود مولانا کے بیان کو آخر تک سنوں گا' میں تو انہیں کا لکچر سننے آیا ہوں اور جب تک وہ اپنا لکچر ختم نہ کریں گے میں ہرگز ایک لفظ بولنا نہ شروع کروں گا' مجموعہ میں سناٹا چھا گیا۔ ہے کہیں اس دور میں شرافت کی ایسی مثال؟۔

وہ رات جنوری کی رات تھی اور اپنے پورے شباب پر تھی۔ مولانا کا مقالہ طویل سے طویل تر ہوتا گیا۔ ادھر طلبہ نے بے چینی کا اظہار مختلف طریقوں سے کرنا شروع کر دیا۔ صدر اجلاس ڈاکٹر امیر حسن صدیقی نے طلبہ کو جھاڑ پلائی اور پھر مولانا سے درخواست کی کہ وہ اپنا مقالہ پورا کریں' لیکن مولانا تشریف نہیں لائے۔ صاحب صدر نے قائد ملت نواب بہادر یار جنگ سے تقریر کرنے کی درخواست کی۔ جلسہ کا ماحول بڑا خراب ہو گیا تھا' یہ ایک مقرر کے لئے بڑا ہی کٹھن وقت تھا لیکن بہادر یار جنگ کے لئے کچھ مشکل نہ تھا' چنانچہ آپ ڈائس پر تشریف لائے اور بڑے ہی اطمینان سے یوں مخاطب ہوئے۔

''حضرات! اس سردی کے موسم میں آپ کی دعوت پر پانچ سو میل کی مسافت طئے کر کے یہاں تک پہنچا ہوں۔ مولانا عبدالماجد نہیں ہوں کہ بیٹھ جاؤں گا۔ اچھی طرح سن لیجئے کہ جب تک ایک ایک لفظ نہ کہہ لوں گا اسٹریچی ہال سے جاؤں گا نہ آپ کو جانے دوں گا۔''

اس کے بعد نواب بہادر یار جنگ بولے اور بڑے ہی دھڑلے کے ساتھ تقریر کی۔ تقریر کیا تھی ایک سحر تھا کہ کسی کو ہاتھ ہلانے کا بھی ہوش نہ تھا۔ ایک جوار بھاٹا تھا جس میں پتھر لڑھکنے کے بجائے موتی رُل رہے تھے۔ ہر شخص ہمہ تن گوش بنا ہوا تھا۔

نواب بہادر یار جنگ مرحوم کی شخصیت بڑی ہی جاذب نظر تھی' دراز قد' چوڑا چکلہ سینہ۔ سرخ و سپید رنگ۔ مزاج میں شگفتگی' طبعیت میں سادگی' زبان میں فصاحت' گفتار میں مٹھاس' متقی اور پرہیز گار' قائداعظم کے دست راست' مختصر یہ کہ قرون اولیٰ کے مسلمان جیتی جاگتی تصویر تھے۔ سچ پوچھئے تو جو گناہ دکن کی سرزمین نے میر صادق کو جنم دے کر اپنے سر لیا تھا اس کی تلافی اس نے نواب بہادر یار جنگ جیسے مجاہد کی شکل میں کر دی تھی۔

(حوالہ: تحریک علیگڈھ اور حیدرآباد دکن' دارالادب پاکستان کراچی' ص: ۳۵' ۳۶۔ از مولوی حسام الدین خاں غوری مرحوم)

قائد ملت کو مسلم یونیورسٹی علیگڈھ سے غیر معمولی دلچسپی رہی' کیوں کہ وہ علیگڈھ یونیورسٹی

کے طلبہ کے مقاصد کو جلیل اور عزائم کو بلند سے بلند دیکھنا چاہتے تھے اور انہیں اس یونیورسٹی کی ترقی میں کما حقہ اپنا حق اور حصہ ادا کرنے کی فکر دامن گیر رہتی۔

جس وقت ۱۹۲۹ء میں علیگڈھ اولڈ بوائز اسوسی ایشن کے ڈنر میں ملٹری کالج کے قیام کی تجویز پیش ہوئی تو قائد ملت نے اس تحریک کی بھرپور تائید کرتے ہوئے اور اپنے مکمل تعاون کا یقین دلاتے ہوئے فرمایا تھا:

''ملٹری کالج کے قیام کی ضرورت کی طرف جو اشارہ کیا گیا ہے میں اس سے بالکل متفق ہوں۔ یہ امر مسلم ہے کہ ہر مسلمان فطرتاً سپائی ہوتا ہے' کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ میں ایک عجیب اثر ہے جو اس کے پڑھتے ہی انسان کی نگاہ تمام طاقتوں سے ہٹ کر ایک مرکز الوہیت پر جم جاتی ہے' اس میں ایک ایسی جرأت اخلاقی پیدا ہو جاتی ہے جس کو کوئی دوسری تعلیم پیدا نہیں کر سکتی۔ مسلمان میں روح عسکریت آج بھی موجود ہے لیکن مواقع کا فقدان اور تربیت کی کمی اس کو زائل کر جا رہی ہے۔ سخت ضرورت ہے کہ ایک ایسا کارخانہ ملٹری کالج کے نام سے قائم کیا جائے جس میں ان ہیروں کی تراش ہو اور جلا دے کر ان کو دنیا کی ٹکسال کے قابل بنایا جا سکے تا کہ ان کی جوت سے دنیا والوں کی آنکھیں ایک مرتبہ پھر چندھیا جائیں۔ میں حیدرآباد کے مسلمانوں کی طرف سے یہ یقین دلاتا ہوں کہ اگر ایسی تحریک شروع کی گئی تو حیدرآباد انشاءاللہ حسب روایات اس کی امداد اور سرپرستی میں سب سے آگے رہے گا۔

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کا مستقبل ان کی خواہش کے آئینے میں کتنا عظیم تھا:

''میں تو مسلم یونیورسٹی کو دنیا کی اور تمام درسگاہوں سے ممتاز اور اس درسگاہ کا پرتو دیکھنا چاہتا ہوں جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے مدینہ کی پھونس کی بنی ہوئی مسجد میں قائم ہوئی تھی اور جس کے تعلیم پانے والوں نے بیس برس کے اندر دنیا میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا تھا اور عرب کے بادیہ گردوں کو دنیا کا معلم اخلاق و سیاستداں بنا دیا تھا اور اپنی طاقت و جبروت سے گنگا و جمنا کی لہروں کو بحر الکاہل کی موجوں سے ملا دیا تھا۔'' (حوالہ: تقریر قائد ملت بعنوان مسلم یونیورسٹی علیگڈھ' مشمولہ بہادر یار جنگ کی غیر سیاسی تقاریر۔ مرتبہ نذیرالدین احمد۔ ناشر بہادر یار جنگ اکیڈیمی حیدرآباد)

مسلم لیگ کا اجلاس لاہور

۲۳/مارچ ۱۹۴۰ء

''۱۹/مارچ ۱۹۴۰ء کا دن خاکسار تحریک کے لئے انتہائی المناک تھا۔ لاہور کی زمین میں خاکساروں کو سرسکندر حیات خاں کی حکومت نے گولیوں کا نشانہ بنایا۔

خاکسار سرسکندر کی حکومت سے دل برداشتہ تھے' اس دن خاکساروں نے حکومتِ وقت سے ٹکر لینے کی ٹھانی تھی' گولیوں کی بارش سے متعدد خاکسار جاں بحق ہو گئے' لیکن انہوں نے بھی اپنے بیلچوں ہی سے سرکاری فوج کی خوب خبر لی' پولیس والوں کے سر قلم کر دیئے۔ ایس' پی جائے وقوع پر زخموں سے چور ہو گیا اور جانبر نہ ہو سکا' لاہور میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ ایک ہیجاں برپا ہو گیا' سیاسی ابتری پھیل گئی اور سرسکندر کی وزارت انتشار اور لاقانونیت کا شکار ہو گئی۔

۲۳/مارچ ۱۹۴۰ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا بہت ہی اہم اجلاس لاہور میں منعقد ہونے والا تھا' چوں کہ امن وامان خطرے سے ہمکنار تھا' سرسکندر کی وزارت نے مسٹر جناح سے استدعا کی کہ آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس جو ۲۳/مارچ ۱۹۴۰ء کو منعقد ہونے والا ہے اسے ملتوی کر دیا جائے۔ (حوالہ: نواب بہادر یار جنگ' ایک نفسیاتی جائزہ' از: محمد انیس الرحمٰن ایڈوکیٹ)

لاہور میں مسلم لیگ کے اجلاس کے انعقاد کی اس سے قبل بھی کوششیں بارآور نہ ہو سکیں۔ اس خصوص میں ''سب سے پہلے زیادہ پرزور کوشش علامہ اقبال نے کی تھی' انہوں نے ۱۹۳۷ء میں اجلاس لکھنؤ سے پہلے اور پھر اس کے بعد قائداعظم کو بار بار توجہ دلائی تھی کہ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لاہور میں منعقد کیا جائے [1]۔ بتاریخ ۳/مارچ ۳۸ء قائداعظم نے جب ان سے دریافت فرمایا کہ آیا لیگ کا جلسہ لاہور میں کرنا چاہئے تو علامہ نے اس تجویز کا بڑی گرم جوشی سے خیر مقدم

---

[1] اقبال نامہ حصہ دوم مرتبہ شیخ عطاء اللہ شائع کردہ محمد اشرف لاہور ۱۹۵۱ء صفحہ ۲۲' ۲۴

کیا تھا، لیکن پنجاب کا برسر اقتدار ٹولہ یعنی یونینیسٹ پارٹی اور سر سکندر حیات خاں وزیر اعلیٰ پنجاب نہیں چاہتے تھے کہ لیگ کا سالانہ جلسہ لاہور میں ہو، چنانچہ ایک سازش کے ذریعے اس اجلاس کو ملتوی کر دیا گیا[1]۔

اب پھر قائد اعظم اور مسلم لیگ کونسل نے یہ اعلان کیا تھا کہ مارچ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لاہور میں ہوگا، چنانچہ اس اجلاس کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہو گئیں اور مندوبین کے نام دعوت نامے بھی جاری ہو گئے، عین اس زمانے میں جبکہ اجلاس کے انعقاد میں صرف چند دن باقی رہ گئے تھے۔ اگرچہ لاہور کی پوری فضاء شعلہ فشاں بن گئی۔ ان حالات میں سب سے زیادہ تشویش اور پریشانی مسلم لیگ کے کارکنوں کو لاحق ہوئی کہ اب کیا ہوگا؟۔

اجلاس میں گنتی کے چند دن باقی رہ گئے تھے، ان نازک صورتحال میں قائد اعظم کی نظریں اس نازک مسئلہ کے حل کے لئے قائد ملت کی جانب اٹھیں، قائد اعظم نے بذریعہ تار، قائد ملت کو فوری طلب فرمایا، اب بہادر یار جنگ کی زبانی مکمل کہانی سنئے۔

''ایک روز میں سو کر اٹھا تو ڈاکیہ نے ایک ہی وقت میں دو تار لا کر دیئے، دیکھا تو ایک تار قائد اعظم کا تھا اور دوسرا علامہ مشرقی کا! دونوں میں طلبی کا حکم تھا، دونوں تار دہلی سے آئے تھے، میں سمجھ گیا کہ معاملہ کیا ہے فوراً بستر باندھا اور قائد اعظم کی خدمت میں دہلی حاضر ہو گیا، مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے، خیر و عافیت پوچھی، پھر انہوں نے کچھ نہ کہا، بس میرے ہاتھ میں کاغذ کا ایک پرزہ تھما دیا، دیکھا تو یہ ایک پیغام تھا، سر سکندر کا قائد اعظم کے نام کا اجلاس لاہور ملتوی کر دیا جائے۔ میں نے جب اس کو پڑھ لیا تو قائد نے فرمایا کہ لاہور کا یہ اجلاس اہم ہے، اس کا اعلان ہو چکا ہے۔ (.....Delegates) کے نام دعوت نامے جاری کئے جا چکے ہیں، مگر صورتحال بہت نازک ہے، لیگ کے ایک گروپ کا خیال ہے کہ ان حالات میں اجلاس ملتوی کر دیا جائے اور دوسرے کی رائے ہے کہ اجلاس ضرور ہو، میں تمہاری رائے سننا چاہتا ہوں کیوں کہ تمہارا تعلق دونوں تنظیموں (یعنی مسلم لیگ اور خاکسار) سے ہے، میں نے دو منٹ خاموشی اختیار کی اور اس کے بعد عرض کیا، قائد اعظم! مسلم لیگ کا اجلاس اس سال مقررہ وقت پر لاہور ہی میں ہوگا، میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ

---

[1] اقبال کے آخری دو سال، مصنفہ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی، شائع کردہ اقبال اکیڈیمی کراچی، مطبوعہ ۱۹۶۱ء صفحہ ۶۱۳-۶۱۶

کے دل میں بھی یہی خواہش ہے' انشاء اللہ آپ کی یہ خواہش پوری ہوگی' آپ لاہور تشریف لے چلیں' میں ہمرکاب ہوں' میری آپ سے صرف اتنی درخواست ہے کہ آپ جلوس کی شکل میں لاہور اسٹیشن سے شہر روانہ نہ ہوں' باقی تمام معاملات کی ذمہ داری مجھ پر ہے' میری باتیں سن کر قائد اعظم کا چہرہ کھل اٹھا' انہوں نے میری اس درخواست کو شرف پذیرائی بخشا' مسلم لیگ کے تمام سربرآوردہ قائدین اور کارکنوں کے نام تار روانہ کئے گئے کہ اجلاس لاہور ہی میں ہوگا اور وقت مقررہ پر ہوگا' دوسرے ہی دن قائداعظم نے رخت سفر باندھا' میں ان کے ساتھ تھا' راستہ میں جگہ جگہ اسٹیشنوں پر قائداعظم کا بے مثال استقبال ہوا' لاہور پہنچنے کے بعد قائداعظم اسٹیشن کے پچھلے دروازے سے اپنی قیامگاہ کو روانہ ہوگئے اور میں ان کے ہی کمپارٹمنٹ سے لاہور اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر اتر پڑا۔ لوگوں کے اژدہام نے مجھے گھیر لیا' سب کی نگاہیں قائداعظم کو تلاش کر رہی تھیں' وہ انہیں جلوس کی شکل میں لے جانا چاہتے تھے' قائداعظم زندہ باد' مسلم لیگ زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگ رہے تھے میں نے لوگوں کو سمجھا بجھا کر لوٹا دیا۔

قیام دہلی کے دوران خاکساروں کے سالار سے مل چکا تھا اور انہیں یہ ہدایت کی تھی کہ محاذ لاہور کے انچارج سالار کے نام یہ حکم بھیجا جائے کہ وہ معہ اپنے رفقاء کے مجھ سے لاہور ہی میں ملیں' لاہور پہنچنے کے بعد میں نے ان کا انتظار نہ کیا بلکہ اسی دن خود ہی ان سے ملا' صورتحال پر گفتگو کی' پھر میں نے خاکساروں کے مختلف حلقوں میں گشت لگائی' ان کو سکندر کی حکومت کے خلاف آتش غضب میں ڈوبا ہوا پایا' لوٹ کر قائد کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے یہ درخواست کی کہ وہ بنفس نفیس ہسپتال چلیں اور ان خاکساروں کی عیادت کریں جو اس ہنگامہ میں زخمی ہو گئے تھے' قائداعظم نے میری اس درخواست کو بھی درخور اعتنا سمجھا۔ اور دوسرے دن اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ ہسپتال تشریف لے گئے' زخمیوں کے مزاج پرسی کی' انہیں دلاسا دیا اور پھر یہ اعلان فرمایا کہ مسلم لیگ کی تمام ہمدردیاں خاکساروں کے ساتھ ہیں' ان سے خاکساروں کے غصہ کی آگ کچھ ٹھنڈی پڑی' پھر بھی اشتعال باقی تھا' انہوں نے لاہور کی گلی کوچوں میں اپنے مورچے بنا رکھے تھے اور سکندر کی حکومت سے ٹکر لینا چاہتے تھے' اب میں نے لاہور کے کوچہ و بازار کی گشت شروع کی' ایک ایک کونہ چھان مارا' خاکساروں کے تمام مورچوں پر گیا' ان کے سالاروں سے گفتگو کی'

ان کے دستوں کے سامنے تقریریں کیں، وقت کی نزاکت کا احساس دلایا اور پرامن رہنے کی تلقین کی، الحمدللہ کہ میری ان کوششوں کا ان پر خاطر خواہ اثر ہوا کیوں کہ وہ مجھے اپنا ہی آدمی سمجھتے تھے، میری ''خاکساری'' اس وقت کام آئی اور میری گذارشوں کی انہوں نے حکم سمجھ کر تعمیل کی، اس طرح اشتعال ختم ہوا، فضاء بدل گئی اور ماحول سازگار ہوگیا۔

خاکسار محاذ کو اس طرح ٹھیک ٹھاک کرنے کے بعد میں سر سکندر کے کیمپ گیا، وہاں کے ماحول میں سخت کشیدگی اور کبیدگی محسوس ہوئی، میں نے مناسب سمجھا کہ راست سر سکندر سے مل لیا جائے، رات کا وقت تھا لیکن وہ بلا تامل ملاقات پر آمادہ ہو گئے، پھر بڑی محبت سے ملے، باتیں بہت کچھ ہوئیں، کچھ گلے، کچھ شکوے، مگر زیادہ تر وہ اپنے موقف کی وضاحت کرتے رہے، اٹھتے وقت میں ان سے کہا کہ کل کے اجلاس میں آپ کی عدم شرکت سے کچھ اچھا تاثر پیدا نہ ہوگا۔ آپ شریک ہوں گے اور ضرور شریک ہوں گے، وہ کبیدہ خاطر تو تھے ہی، یہ سن کر کچھ سٹپٹائے کچھ تامل کیا میں تاڑ گیا کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں اور ان کے دل میں کیا کیا اندیشے اور کون کون سے وسوسے ہیں، اس لئے ان کا جواب سننے سے پہلے ہی میں نے ان سے کہہ دیا، سر سکندر! مجھے جواب میں کچھ سننا نہیں ہے، میں جانتا ہوں کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں، بس یہ سن لیجئے کہ آپ کل کے اجلاس میں شریک ہوں گے کوئی آپ کا بال بیکا نہ کر سکے گا۔ آپ کو صرف گزند اسی وقت پہنچے گا جب بہادر خاں کے سینہ سے گولی پار ہو جائے گی، سلام علیکم! میں نے مصافحہ کیا اور وہاں سے سیدھا قائد اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ ساری روئیداد کہہ سنائی، انہوں نے اٹھ کر میری پیٹھ ٹھونکی [1]۔

سیاسی پس منظر :

پٹنہ میں کل ہند مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ڈسمبر ۳۸ء میں ہوا تھا، اس کے تقریباً پندرہ مہینے بعد یعنی مارچ ۴۰ء میں مسلم لیگ کا تاریخ ساز اجلاس لاہور میں منعقد ہوا، اس سوا سال کی مدت میں سیاسی حالات کافی تیزی سے بدلتے رہے، سب سے بڑا اور اہم واقعہ تو یہ ہوا کہ ستمبر ۱۹۳۹ء میں دوسری عالمی جنگ چھڑ گئی، جس میں برطانوی حکومت براہ راست ملوث تھی، قانون دستور

---

[1] یہ روئیداد راقم الحروف نے بہادر یار جنگ کی زبانی اجلاس لاہور سے حیدرآباد واپس ہونے کے بعد سنی تھی، مفہوم من و عن ان کا ہے، الفاظ میرے ہیں۔ محمد احمد خاں۔

حکومت ہند ۱۹۳۵ء کے ایک جز یعنی صوبائی خودمختاری کا نفاذ اس جنگ کے چھڑ جانے سے قبل ہی ہو چکا تھا اور اب اس صوبائی خودمختاری کے تحت ہندوستان کے سات صوبوں میں کانگریسی وزارتیں کام کر رہی تھیں' مسلمانوں کو ان وزارتوں کی ''کارگزاریوں'' کے تلخ تجربات ہو رہے تھے' کانگریس نے جو سبز باغ دکھائے تھے' ان کی دھوپ چھاؤں سے ہندو صوبوں کی مسلم اقلیت گزر رہی تھی' مسلم اکثریت کے صوبوں میں بھی اس نے سازشوں کے جو جال پھیلائے تھے' ان کا ایک ایک تار واضح طور پر نظر آنے لگا تھا' یوں ۱۹۳۵ء کے دستور میں مسلمانوں کو جو تحفظات عطا کئے گئے تھے' وہ محض سراب ہی ثابت ہو رہے تھے یہ تو اس دستور کے صرف ایک جز صوبائی خودمختار کے حسین خدوخال کا حال تھا' اس کے دوسرے جزء ''وفاق'' کے نقش ونگار کی رعنائی ابھی دیدنی تھی ......! اجلاس پٹنہ کے بعد ہی سے مسلم قیادت کا ذہن بدلنے لگا تھا' جس کا اظہار اس قرارداد سے ہوتا ہے جو متبادل دستوری اسکیم کی تدوین کے سلسلہ میں' اسی اجلاس میں منظوری کی گئی تھی' صوبائی خودمختاری کے تحت کانگریسی وزارتوں کے کردار اور کل ہند کانگریس کے کرتوت سے مسلمانوں کے دل ودماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس طرح مسلم عوام اور قائدین تحفظات کے خوش نما جال سے نکلنے کے لئے پر تول رہے تھے! یہ حالات تھے جب کہ مارچ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کی ہائی کمان نے سالانہ اجلاس لاہور میں طلب کر لیا' سیاست کے پیچ وخم کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے والے یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ جناح کا ذہن اب کسی اور سمت میں کام کرنے لگا ہے۔ وہی سمت جس کی طرف شاعر مشرق نے اشارہ کیا تھا اور جس کے متعلق انہوں نے قائد کاروان ملت سے بار بار سرگوشیاں کی تھیں۔ دوربینوں نے بھانپ لیا تھا کہ قائد اب کسی لمحہ بھی ایک انقلابی اعلان کر ڈالے گا اور اس اعلان کے لئے سب سے زیادہ موزوں ومناسب مقام لاہور ہی ہوسکتا ہے' جو کبھی مغلیہ سلطنت کا دہلی کے بعد دوسرا سردار السلطنت رہ چکا تھا اور جو ابھی تک مسلم ثقافت و تہذیب کا نمائندہ شہر' پرجوش وفعال مسلمانوں کے صوبے کا صدر مقام اور مسلمانان برصغیر کی سیاست کا مرکز اعصاب (NERVE CENTRE) اس طرح ''مسلم لیگ کا اجلاس لاہور تاریخ ووقت مقررہ یعنی ۲۲/ مارچ ۱۹۴۰ء جمعہ ڈھائی بجے دن شروع ہوا۔ منٹو پارک حاضری سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا' لوگوں نے حیرت واستعجاب کی نظروں سے دیکھا کہ جلسہ گاہ کے ڈائس پر

سر سکندر حیات خاں موجود ہیں اور ان کے برابر بہادر یار جنگ بیٹھے ہوئے ہیں۔

لاہور کے اجلاس عام میں قرارداد پاکستان پیش فضل الحق نے کی' تائید چودھری خلیق الزماں نے کی' تائید مزید دیگر صوبوں کے قائدین نے کی' تقریریں مدلل بھی ہوئیں اور پر جوش بھی' طویل بھی ہوئیں اور مختصر بھی' آخر میں باری اس کی آئی جو اس ہنگامہ خیز اور معرکتہ الآراء اجلاس کی روح تھا' قائد ملت بہادر یار جنگ نے قرارداد پاکستان پر اس اجلاس میں جو تقریر کی اس کا نقش آج بھی سننے والوں کے دلوں پر تازہ اور ان کی وہ آواز آج بھی ان لوگوں کے کانوں میں گونج رہی ہے۔'' (حوالہ: مسلم لیگ کا اجلاس لاہور اور بہادر یار جنگ کا تاریخ ساز کردار' از: جناب محمد احمد خاں صاحب' مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں)

لاہور کا اجلاس شاندار کامیاب ثابت ہوا' قائداعظم نے مسلمانوں کے نصب العین کا اعلان کیا اور نواب صاحب قائداعظم کے ترجمان بنے' اس کے بعد تحریک پاکستان کی حمایت میں بہادر یار جنگ کی آواز ملک کے طول و عرض میں گونجی' مشرق نے بھی سنی اور مغرب نے بھی' شمال نے بھی اور جنوب نے بھی' ہمالیہ کی بلندیوں نے بھی اور جنوبی ہند کی پستیوں نے بھی' دریائے سندھ کی لہروں نے بھی اور جمنا کی موجوں نے بھی۔'' مسلمان [1] تیشۂ لا الٰہ الا اللہ کو لیکر فاران کو وادی سے اٹھا' ایک طرف امارت کی عمارتوں کو ڈھال دیا' دوسری طرف غربت کے غاروں کو بھر دیا اور تمام اقصائے عالم کی سطح کو مسطح کر دیا۔ وہ بڑھا تو پہاڑیوں کی بلندیوں' فضاء کی پنہائیوں اور میدانوں کی وسعتوں کو خاطر ہی میں نہ لایا' ایک طرف بحرالکاہل اور دوسری طرف بحراوقیانوس کے پانی سے وضع کیا' بحر منجمد شمالی کے برفانی علاقوں میں فاتحانہ نیزے گاڑ دیئے اور آفریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں پرچم ہلالی کو لہرا دیا۔

مرد میدان بڑھے' کبھی پہاڑوں پر چڑھے' کبھی میدانوں میں اترے یہاں تک کہ پہاڑ غار بن گئے اور میدان گڑھے ہو کر رہ گئے' ان میں ایک گڑھا ہندوستان تھا' جس کے کم از کم ایک حصہ کا ہموار کرنا اب ہمارا کام ہے۔'' (حوالہ: ملت کا ایک درخشاں ستارہ' از: محترم سید شریف الدین پیرزادہ' مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں' کراچی)

---

[1] بہادر یار جنگ کی تقریر مشمولہ۔

میری اور مسلمانان پنجاب کی خوش قسمتی ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے ۲۷ ویں سالانہ اجلاس کے موقع پر وہ لاہور میں مارچ ۱۹۴۰ء میں تشریف لائے۔ میں کبھی نہ بھولوں گا وہ شام جب مسلم لیگ کے اجلاس کا خاتمہ نواب صاحب بہادر کی تقریر پر ہوا' مجلس استقبالیہ کے سکریٹری ہونے کی حیثیت سے میں ان کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا' کان ان کی دلکش آواز پر لگے ہوئے تھے' آنکھیں ان کے پرجلال چہرے کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھیں' دل میں ان کے کلام کا ایک ایک لفظ اتر رہا تھا' مجھے کچھ ایسا معلوم ہوا کہ گویا آغاز اسلام کے زمانہ کی کوئی محبوب ہستی ہمارے سامنے آ گئی ہے' جس میں قوت کے ساتھ محبت اپنا کام کر رہی ہے اور صرف مجھ ہی پر اتنا اثر نہیں ہوا بلکہ اس ہزار ہا اشخاص کے مجموعے میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو اس حیرت انگیز مقرر کی تقریر کو دل کے کانوں سے بغور نہ سن رہا ہو' پنڈال میں کامل خاموشی طاری تھی' سارے اسلامی ہندوستان کے نمائندے ایک پرخلوص' پرجوش' بلند خیال' بلند قامت مسلمان کے سامنے زانوے ادب تہہ کئے ہوئے بیٹھے تھے' اسلام کی ایک تصویر آنکھوں میں پھر گئی۔

(حوالہ: آفتاب دکن' از: حمید اللہ خاں شیدا' حیدر آباد)

صاحب طرز انشاء پرداز میاں بشیر احمد ہمایوں کے یہ مختصر اور سرسری تاثرات ایک پیام کے زیر عنوان تھے۔ جب لاہور کے اجلاس پر میاں بشیر احمد نے اس محفل اخوت و محبت کے ساقی اور مطرب خوش نوا پر قلم اٹھایا تو حشر تک کے لئے وہ رات باقی رہ گئی' وہ رات جو زبان خاموش سے آج بھی یہی کہتی ہے۔

رات باقی تھی جب وہ بچھڑے تھے
کٹ گئی عمر رات باقی ہے

''کبھی بھول سکتا ہوں میں وہ رات؟ جب نصف صدی کی آرام پسند تاریک زندگی بسر کر لینے کے بعد اس تاریکی میں مجھے ایک روشنی دکھائی دی' پل کی پل' بجلی کی سی چمک' خاموش خوب آور اندھیرے میں ایک بیدار رکن روح پرور چاندنا! اس رات میں نے جس محبوب کو دل دیا وہ کوئی پری جمال نہ تھا کوئی گل عذار نہ تھا' ایک جھریاں پڑے چہرے میں مجھے ذرا سی تازگی کی جھلک دکھائی دی جس نے میرا دل موہ لیا' کئی صدیاں اس پر گذر چکی تھیں' تیرہ صدیاں لیکن اس

رات مجھے عنفوان شباب کی ایک جھلک سی دکھائی دی اس میں، اور میں نے خدا جانے تھوڑی یا زیادہ دیر کے لئے اپنا دل دے دیا............اس میں میں نے محبوبیت کی ذراسی شان دیکھی اس رات۔ اس رات کا کچھ نشہ اب تک باقی ہے۔

اس محفل اخوت و محبت کا ایک ساقی تھا ایک مطرب! دو دن ہوئے روز روشن میں ساقی نے ''مئے باقی'' پلائی متواتر تین گھنٹے یہ دور چلا اور آج رات مطرب خوش نوا نے ایک گیت گایا ''تازہ بہ تازہ، نو بہ نو'' ایک گھنٹہ پچپن منٹ! ساقی و مطرب کی یہ ہم نوائی نئی بوتل میں پرانی شراب طہورہ کی جلوہ نمائی تھی، ایک مضمحل قوم کا کہن سال لیکن تازہ دم قائد، اس کی دلنواز پکار پر ایک مرد بہادر کی لبیک جسے ایک لاکھ انسانوں نے سنا، اور اس طرح دل کے کانوں سے سنا کہ آنکھیں کہتی تھیں۔''دیکھو دیکھو، کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں۔'' تیار بیٹھے ہیں! چلنے کو تیار لیکن کہاں؟ اس نئی جانی پہچانی سرزمین کو جس کا قائد نے نام لیا، ملکوں کی محفل میں ایک نو وارد و نوزائیدہ پاک بستی! اور اب اس مرد بہادر نے چند اشاروں میں چلنے والوں کو سمجھا دیا کہ رستے پر ان کے قدم کیسے پڑے کہ وہ موعودہ سرزمین محض کہنے کو نہیں بلکہ ہر لحاظ سے واقعی پاک و صاف بن کر نظر آئے۔

ایک لاکھ آدمیوں کے مجموعے میں ایک وجیہہ بلند قامت تنومند جوان کھڑا ہے، کھدر کا سادہ لباس مختصر سیاہ بال پکار رہا ہے، دائیں بائیں پکار رہا ہے! اس کے لفظوں کی پرزور دلکشی، اس کے چہرے کی ہلکی مسکراہٹ، اس کی آنکھوں کی بولتی شیرینی آج رات اس محفل پر چھا رہی ہے، تیرتی پھرتی ہے، جا بجا دلوں میں اتر رہی ہے، اس کی زبان ایک ایسے دل کی ترجمان ہے جو قربانی دینے والی محبت کا بے باک علمبردار ہے، دولت میں پل کر دولت سے بے نیاز، خدمت کا پروانہ ایک سچا بہادر یار ملت، آج کی رات ایک لاکھ آنکھوں کا مطمحِ نظر!

اپنی قوم سے محبت ہے اور کسی اور سے نفرت نہیں بلکہ اس قوم کی محبت نوع انساں کی خدمت پر مجبور کرتی ہے کہتی ہے کہ اسلام وہ نہیں کہ محض مسلمان کے مفاد کے لئے وقف ہو، خدا مسلم و غیر مسلم سب کا خدا ہے! یہ کہا بہادر نے اور سوتے جاگتے مسلمانوں کو یہ کہہ کر جگایا اور سمجھایا کہ تم سچے انسان نہ بنو گے جب تک پہلے سچے مسلمان نہ ہولو، ان لوگوں کا ایک ذرا سا نمونہ جنہوں

نے آج سے تیرہ صدیاں پہلے ایک غلام دنیا کو اسلام کی سچی روحانی اشتراکیت کا پیغام دیا تھا' اسلام جس نے غریب امیر کے فرق کو خوش اسلوبی سے کم کیا' اسلام جس نے بڑے چھوٹے کے امتیاز کو نیکی کی کسوٹی پر پرکھا' جس نے روح میں ایمان کی لو لگادی' رواداری کو ایمان کا جزو بنادیا' اسلام جس نے امیوں کے ہاتھ میں علم کی مشعل دے دی اور کہہ دیا کہ جاؤ اور محبت سے مسخر کرلو دنیا بھر کے دلوں کو!

''مردِ میدان بڑھے کبھی پہاڑوں پر چڑھے' کبھی میدانوں میں اترے' یہاں تک کہ پہاڑ غار بن گئے اور میدان گڑھے ہو کر رہ گئے' ان میں ایک گڑھا ہندوستان تھا جس کے کم از کم ایک حصے کا ہموار کرنا اب ہمارا کام ہے۔''

مجھے کچھ یاد نہیں بہادر نے کیا کہا' میرے ٹوٹے پھوٹے جملے کیا بتا سکتے ہیں' اس کے لفظ سوئے ہوئے دلوں کے لئے انگارے تھے' کیا میرا آرام پسند دل ہی آخر وہاں سے بچ نکلا' محض یہ کہانی سنانے کے لئے؟ مانا کہ میں پھر مصروف ہو جاؤں گا' اپنے بے مصرف کاموں میں' پھر بیٹھ جاؤں گا اپنی میز پر قلم سنبھالے ہوئے لیکن یقیناً یاد کر اٹھوں گا' کبھی کبھی اس لمبی لیکن مختصر شیریں رات کو جب ایک نیک دل کی پکار سن کر میرا بھی جی چاہا کہ اٹھوں اور کہوں کہ لے میں پھر ایمان لاتا ہوں تیرے ہاتھ پر' ایسا ہوتا ہے لاکھوں کو ایک نئی زندگی بخشنے والا دلیر انسان!

(حوالہ: تازہ بہ تازہ نو بہ نو از میاں بشیر احمد مرحوم و مغفور بیرسٹرایٹ لاء' ایڈیٹر ہمایوں' سابق رکن مجلس عاملہ لیگ' سفیر ترکی)

تحریک پاکستان کے ممتاز رہنما مولانا عبدالحامد بدایونی (مرحوم) سے جب حافظ محمد اسلام نے یہ سوال کیا کہ ۱۹۴۰ء کے موقعہ پر پیش آنے والا کوئی واقعہ سنائیے جس نے آپ کو متاثر کیا ہو اور اب تک آپ کو یاد ہو جواباً مولانا نے ارشاد فرمایا:

''اجلاس لاہور کی دو باتیں ایسی ہیں جس نے مجھے بڑا متاثر کیا' اول مسلم اقلیتی صوبوں کے رہنماؤں کا جذبہ ایثار و قربانی' دوم نواب بہادر یار جنگ مرحوم کی وہ یادگار تقریر جس نے خواص و عوام میں جدوجہد کے لئے ایسا جذبہ ابھارا کہ چند مہینوں میں ہندوستان کا گوشہ گوشہ قیام پاکستان کے مطالبہ سے گونج اٹھا۔'' (حوالہ: روزنامہ جنگ' استقلال پاکستان ایڈیشن ۱۹۶۸ء)

''اس موقعہ پر (اجلاس مسلم لیگ لاہور) نواب بہادر یار جنگ نے جو تقریر کی وہ فن

خطابت کا ایک اچھوتا اور نادر نمونہ تھی' ان کی تقریر زخمی دلوں کے لئے مرہم اور نسخہ شفا کا کام کرگئی۔ جذبات کے دہکتے ہوئے انگارے باد سحر کے ایک ہی جھونکے سے لہلہاتے گلزاروں میں تبدیل ہو گئے' کشیدگی اور نفرتوں کے بادل چھٹ گئے' فضا میں محبت اور شائستگی عود کر آئی۔''

(حوالہ: نواب بہادر یار جنگ' از: قاضی عبدالرؤف' نوائے وقت کراچی' ۲۵/ جون ۱۹۲۸ء)

قائداعظم نے اس موقعہ پر ''بہادر یار جنگ کا تعارف کروایا کہ اعلیٰ حضرت حضور نظام کی رعایا کی حیثیت سے اگرچہ نواب صاحب کا کوئی دستوری تعلق مسلم لیگ سے نہیں ہے' لیکن بڑے بڑے نازک مواقع پر نواب صاحب میرے لئے معین اور رہبر ثابت ہو چکے ہیں' نواب صاحب نے مسلمانان حیدر آباد کی تنظیم میں اپنی جس قابلیت کا ثبوت دیا ہے وہ سب کے لئے باعث فخر و مسرت ہے۔ میں ان سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو مخاطب کریں۔''

(حوالہ: روزنامہ رہبر دکن حیدر آباد دکن ۳۰/ مارچ ۱۹۴۰ء)

اس اعلان کے ساتھ ہی ایک دم جیسے مجموعے کو سانپ سونگھ گیا' قد آور بہادر یار جنگ ڈائس پر آئے' اپنے نطق معجز اثر سے پردہ سکوت کو چاک کیا' بولنا شروع کیا اور بولتے چلے گئے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ہمیشہ کا بولتا' گونجتا' گرجتا لاہور ایک دم گونگا ہو گیا ہے۔ مسلسل سات گھنٹے تک بولنے کے بعد جب بہادر یار جنگ مائیکرافون سے ہٹ گئے' اور منتظمین جلسہ نے قائداعظم سے درخواست کی کہ اب ہم آپ کی مخاطبت کے لئے بے چین ہیں تو قائداعظم اٹھ کھڑے ہوئے' میگرافون کے سامنے آئے اور صرف یہ جملہ کہہ کر بیٹھ گئے۔''

''بہادر یار جنگ کے بعد کسی کا بولنا غلطی ہے''

(حوالہ: پاکستان زندہ باد' از: ابراہیم جلیس)

◆◆◆

مسلم لیگ کا اجلاس مدراس

اپریل ۱۹۴۱ء

شہر مدراس میں منعقدہ اجلاس مسلم لیگ کے موقعہ پر ٹامل زبان بولنے والے مسلمانوں کی اردو سے ناواقفیت پر نواب صاحب بہت دلگیر ہوئے' کیوں کہ...... جنوبی ہند اور شمالی ہند کے مسلمانوں میں ربط اخوت کو مضبوط بنانے کے لئے رابطہ لسانی کا مسئلہ بھی بہت اہم تھا' اس خصوص میں قائد ملت نے اجلاس مدراس کے سلسلے میں اس اہم مسئلہ پر اپنے ایک خط میں اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ سن کر بے حد مسرت ہوئی کہ آپ مدراس سے ایک سہ روزہ اخبار ''اخبار دکن'' کے نام سے نکال رہے ہیں۔ مجھے دکن سے محبت ہے اور دکن سے محبت رہے گی۔ میری دلی تمنا ہے کہ آپ جنوبی ہند میں احیاء زبان اردو کے مقصد میں پوری پوری طرح کامیاب ہوں۔ ترقی اردو کی کوشش شمال میں اتنی ضروری نہیں ہے' انتہائی جنوب میں ضروری ہے' جنوبی ہند کے مسلمان شمالی ہند کے مسلمانوں سے اپنے رابطہ واخوت کو اس وقت تک مضبوط نہیں بنا سکتے جب تک یہ رابطہ لسانی نہ ہو' مسلم لیگ کے گذشتہ اجلاس میں ٹامل جاننے والے مسلمانوں کی اردو سے ناواقفیت پر رونے کو جی چاہتا ہے۔''

(حوالہ: خط بنام اختر قریشی ایڈیٹر اخبار دکن مورخہ ۱۳/۱ اکتوبر ۱۹۴۱ء ص ۱۸۹' مشمولہ مکاتیب بہادر یار جنگ کراچی)

قطع نظر ان دو جزوی باتوں کے اہم اور قابل تذکرہ یہ بات بھی ہے کہ اجلاس مسلم لیگ مدراس کے تاریخی اجلاس میں ''قرارداد پاکستان کو لیگ کے اغراض ومقاصد میں داخل کر لیا گیا۔ یہ تحریک دوسرا اہم سیاسی قدم تھا' پیر علی محمد راشدی صاحب اور دوسرے شرکاء شاہد ہیں کہ لیگی زعماء میں اس مسئلہ پر سخت انتشار وخلفشار برپا تھا اسی حالت میں اگر یہ تحریک اجلاس میں آتی تو کبھی بھی

پاس نہ ہوسکتی۔ وہ تو یہ ہوا کہ ساری رات نواب بہادر یار جنگ نہ خود سوئے نہ ان لوگوں کو سونے دیا۔ فرداً فرداً گفتگو کر کے ذہنی تلاطم میں ایسا سکون پیدا کر دیا کہ صبح جب یہ تحریک اجلاس میں پیش ہوئی تو بہ غلبہ آراء آسانی سے پاس ہوگئی' بہادر یار جنگ کی ان ہی مدبرانہ مساعی کو دیکھ کر مسلمانوں نے اسی اجلاس میں ان کو قائد ملت کا خطاب عطا کیا۔''

(حوالہ: مضمون شائع شدہ در اخبار نوائے وقت' ۲۵/جون ۱۹۶۸ء)

◆◆◆

اجلاس مسلم لیگ الہ آباد

اپریل ۱۹۴۲ء

الہ آباد کے اجلاس کی روئیداد بھی شرکاء اجلاس ہی کے مضامین میں ظاہر کردہ تاثرات سے تکمیل پاتی ہے۔

الہ آباد کا اجلاس لیگ :

''اپریل ۱۹۴۲ء الہ آباد میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا' سر اسٹیفرڈ کرپس اپنی مشہور اسکیم لے کر ہندوستان آئے تھے اور اس پر غور کرنے اور پاکستان کے مطالبے کا پرزور اعادہ کرنے کی غرض سے یہ اجلاس طلب کیا تھا' قائداعظم نے اس موقعہ پر بڑا پرجوش اور مدلل خطبۂ صدارت فی البدیہہ پڑھا اور حسب معمول اس کا ترجمہ بھی نواب صاحب نے کیا' آخری اجلاس میں چندے کی اپیل کی گئی' ایک شخص نے تلوار پیش کی' آپ نے اپنی تقریر کے دوران میں اس کا نیلام شروع کر دیا۔ پندرہ منٹ میں اکتالیس ہزار کا اعلان ہوگیا' قائداعظم نے مداخلت کرتے ہوئے چندے کی اس بوچھار کو روک دیا کہ بغیر رسید اس طرح روپے کی بارش میرے مسلک کے خلاف

ہے'اس وقت ان کی تقریر کا اتنا اثر تھا کہ لوگ اس پر آمادہ تھے کہ جو بھی ان کے پاس ہے سب نچھاور کر جائیں۔ الہ آباد کی تقریر کراچی کے اجلاس کے علاوہ سب سے بہتر خیال کی جاتی ہے''

(حوالہ: حیدرآباد کا ٹیپو' از: عبدالوحید خاں صاحب' ص: ۲۲۳' بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں'

ناشر: بہادر یار جنگ اکیڈیمی' کراچی)

''۱۹۴۲ء میں الہ آباد میں آل انڈیا مسلم لیگ کے کھلے اجلاس میں' میں نے بہار یار جنگ کی تقریر سنی۔ میں نے نواب صاحب کو سنا تو مسحور ہو کر رہ گیا نواب صاحب عوام کے لئے قائداعظم کے انگریزی صدارتی خطبے کا ترجمہ کرتے ہوئے اور اپنے انداز میں برعظیم کے سیاسی حالات اور سر اسٹیفورڈ کرپس کی تجاویز پر تبصرہ کر رہے تھے۔

دوسرے دن الہ آباد کے ایک مسلم لیگی لیڈر کے گھر رات کھانے کی دعوت تھی' قائداعظم اور بہادر یار جنگ اور دوسرے رہنما دعوت میں شریک تھے' وہاں میں نے نواب صاحب کو دیکھا اور مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھائے' ان کی طرف لپکا' انہوں نے میرا ہاتھ تھام لیا اس مصافحے میں وہ لذت محسوس کر رہا تھا جو میرا پوتا مجھ سے ہاتھ ملا کر محسوس کر سکتا ہے نواب صاحب ظاہری اور معنوی دونوں اعتبار سے ایک دیو تھے' میں نے انہیں گذشتہ رات کی شاندار تقریر پر مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ نواب صاحب! اگر اللہ میاں مجھ سے کہیں کہ اپنی ایک خواہش کا اظہار کر' ہم اسے پوری کریں گے تو میں نہایت عجز کے ساتھ کہوں گا' خداوندا' مجھے وہی زور بیان عطا فرما جو تو نے بہادر یار جنگ کو عطا کیا ہے۔ (حوالہ: بہادر یار جنگ' از: مسعود جاوید' روزنامہ ڈان' ۲۵/جون ۱۹۶۸ء)

اجلاس الہ آباد کی اور تفصیلی روئیداد ہمیں سید ابوالخیر کشفی کے ایک مضمون سے ملتی ہے۔

بہار یار جنگ جو شمالی ہند میں بھی قائد ملت کہے جاتے تھے' قائداعظم کی زندگی میں ان کے علاوہ صرف دو آدمی قومی خطابات سے نوازے گئے تھے اور یہ خطابات ہماری زبانوں پر تھے' رئیس الاحرار مولانا حسرت موہانی اور ''قائد ملت'' بہادر یار جنگ کی عظمت اور شہرت شمالی اور جنوبی ہند کے مسلمانوں کے درمیان ایک ذہنی پل کا درجہ رکھتی ہے۔

میں اپنے چچا اور کانپور کے دوسرے مندوبین کے ساتھ الہ آباد پہنچا' ...... جہاں اقبالؔ نے کوئی گیارہ بارہ سال پہلے پاکستان کے خواب کو الفاظ کا جامہ عطا کیا تھا' الہ آباد کے اجلاس میں

قائداعظم نے اردو میں تقریر کی اور قائداعظم کے بعد نواب بہادر یار جنگ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے' صحتمند چہرہ آنکھوں کی چمک جس میں عبدالرزاق لاری کے جذبات کا شعلہ روشن تھا' بلند پیشانی جو ملی مستقبل کا درخشاں مطلع معلوم ہوتی تھی۔''

بہادر یار جنگ نے لب کھولے' الفاظ کی سیپیاں نطق کے دریا کی سطح پر اچھل کر آ گئیں' وہ سیپیاں جن میں معانی اور فکر بلند کے موتی تھے۔ بہادر یار جنگ نے تقریر شروع کی' ان کے الفاظ میری لوح ذہن پر آج بھی پتھر کی لکیر کا درجہ رکھتے ہیں۔

''تمام حمد سزاءوار ہے اس خدائے بلند و برتر کے لئے جو تختِ عظمت و جلال پر متمکن ہے اور تمام تعریف محمد عربی ﷺ کے لئے جس ذات گرامی نے عرب کے بدوؤں اور خانہ بدوشوں کو تہذیب انسانی کے کارواں کا سالار بنا دیا' عظمت و ناموسِ انسانی کے دامن سے کھیلنے والے آبروئے آدم کی شمع کا فانوس بن گئے۔

ابھی ابھی قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی فصیح و بلیغ اردو میں آپ سے خطاب فرمایا' اب دکن کا یہ صحرائی حیران ہے کہ کیسے تابِ زباں کشائی کرے۔''

میں اسٹیج پر تھا' رضا کاروں کے گروہ میں قائداعظم اپنا نام سن کر چونکے اور مسکراتے ہوئے اپنے قریب بیٹھے ہوئے کسی رہنما سے پوچھا:

''WHAT DOES HE SAY?''

مسلم لیگ کی اسی کانفرنس کے اجلاس میں تقریروں کے خاتمے پر ایک تلوار نیلام کے لئے پیش کی گئی' نیلامی بولی' بہادر یار جنگ اٹھے مسکراتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھا۔ دکن کے مسلمانوں کو آواز دی۔

''میں دکن کے مندوبین کو آواز دیتا ہوں کہ وہ شمشیر جگر دار کی طرف ہاتھ بڑھائیں اور پھر پہلی بولی بہادر یار جنگ کی تھی' ان کے بعد دکن کے بعض مندوبین نے بولیاں لگائیں اور بہادر یار جنگ نے کانپور کے مسلمانوں کے جذبات کو جگایا۔''

''کہاں ہیں کانپور کے وہ غیور اور اہل دِل' جن کی وجہ سے قائداعظم نے کانپور کو مسلم لیگ کا بینک کہا تھا۔''

اور پھر یہ کیفیت تھی کہ کئی کئی ''بولیوں'' کی آوازیں ایک ساتھ سنائی دیتی تھیں، نیلامی کے اس سلسلہ سے اکتا کر بعض لوگ پنڈال سے جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بہادر یار جنگ کی آواز بلند ہوئی:۔

''رات کے آرام کے پجاریو! تم پر ملت کی بیداری کے یہ لمحے بھی گراں ہیں۔ یہ دولت بیدار جسے محمد علی جناح کہا جاتا ہے، تمہارے سامنے ہے اور تم بستروں کی پناہ ڈھونڈنے جا رہے ہو۔ دوستو! کیا تمہیں دیدۂ بیدار قوم کی طرف اپنی پیٹھ کرتے ہوئے شرم نہیں آتی؟ تنظیم پاکستان کی عمارت کا بنیادی پتھر ہے، تنظیم کا تقاضا ہے کہ اجلاس کے نظم کو قائم رکھا جائے۔''

اور باہر جاتے ہوئے قدم رک گئے۔ اٹھنے والے شرمندہ تھے۔ یہ تھی قائد ملت کی آواز سے میری شناسائی، کہتے ہیں کہ آواز کبھی نہیں مرتی، آواز سدا سدا زندہ رہتی ہے۔ وہ فضاء کا حصہ بن جاتی ہے اور بہادر یار جنگ جیسے آدمی کی آواز تو نئی نسل کی رگوں میں خون بن کر گردش کرتی ہے، سینہ کی آواز بن کر زندگی کے راستے کو جگمگاتی ہے۔

(حوالہ: الٰہ آباد سیشن، از: سید ابوبکر کشفی، مشمولہ: بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں)

◆◆◆

مسلم لیگ کا اجلاس دہلی

اپریل ۱۹۴۳ء

''دہلی میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہونے والا ہے' رام لیلا میدان مسلمانان ہند کی جیتی جاگتی آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز بن گیا ہے' کارکنوں کی شب و روز کی محنت نے اس جگہ جہاں خاک اڑتی تھی' ایک چھوٹا سا شہر بسایا' لوگوں کی ریل پیل اور گھما گھمی ہے۔ لوگ چاندنی چوک اور کناٹ پلیس کو بھول گئے ہیں۔ اس عوامی دلچسپی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ حیدر آباد کے نواب بہادر اس جلسہ کو مخاطب کرنے والے ہیں۔ دلی اردو زبان اور ادب کا گہوارہ' لال قلعہ کی فضاؤں میں سانس لینے والے' بہادر یار جنگ سے محبت نہ کرتے تو اور کسے چاہتے' سخن سنج اور سخن آفریں اتفاق سے ایک جگہ جمع ہو گئے تھے' غالبؔ اور ذوقؔ کی روحوں نے بھی ایک اہتزاز محسوس کیا' لوگ جوق در جوق جمع ہوئے اور ایسا ہجوم ہوا کہ دلی کی تاریخ میں ایسا اجتماع دیکھنے میں نہ آیا............

رات کے بارہ بجے لیگ کا آخری اجلاس ختم ہوا۔''

..................ایک انداز خطابت یہ بھی تھا۔ شیخ علی احمد

(حوالہ: ہفتہ وار اعلان جالندھر قائد ملت نمبر جلد ۷ شمارہ ۲۱)

دوسری دیدہ و شنید شخصیت رقمطراز ہے کہ:

۴۳ء کے دہلی سیشن کی آخری نشست تھی ڈھائی بج رہے تھے۔

قائداعظم فلسطین سے متعلق قرارداد پر اظہار خیال فرمانے کے بعد اجلاس برخواست کرنا ہی چاہتے تھے کہ مجمع سے ایک شور اٹھا۔

بہادر یار جنگ .... بہادر یار جنگ .... ہم بہادر یار جنگ کو سنیں گے۔..............

قائدملت سے تقریری کرنے کی استدعا کی گئی۔

(حوالہ: مردمؤمن' از: احسان الحق انور' اعلان جالندھر' جلدے' شمارہ ۲۱)

''قائداعظم نے اعلان فرمایا۔ اب نواب بہادر آپ کو مخاطب کریں گے۔ اس اعلان کے ساتھ ہی قائداعظم نے پیچھے مڑکر دیکھا' ایک رضا کار آپ کے قریب آیا (اشارہ پاکر) آہستہ سے آگے بڑھ کر اس نے میز پر سے گھڑی اور گھنٹی اٹھالی۔ یہ گویا اعلان تھا اس بات کا کہ وقت کی کوئی قید نہیں جب تک جی چاہے داد فصاحت دیجئے۔

ہمیشہ حیدرآباد کی شیروانی میں ملبوس رہنے والے نے آج چست پاجامہ اور انگرکھا پہن رکھا تھا ایسا محسوس ہوتا تھا نواب خود بھی دلی دبستان ادب میں زبان کی لطافتوں سے سرشار ہونے کے لئے تیار ہو کر آئے تھے۔

(حوالہ: ایک انداز خطابت یہ بھی تھا' شیخ علی احمد حزین' ہفتہ وار اعلان جالندھر' جلدے' شمارہ ۲۱)

کیسا سہانا سماں تھا' رات کی تاریکی قائدملت کے مسحور کن اندازِ خطابت سے لحاف اندوز ہونے کے لئے گہری ہوگئی اور ستارے دم بخود' ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکوں نے نیند کے ہتھیائے ہوئے لوگوں کو گدا گدا کر بیدار کیا اور سب کان شوق سے متوجہ ہوگئے اور تمام نگاہیں فرط اشتیاق سے اسٹیج پر جم گیئں۔ قائدملت کے اندازِ خطابت پر خطابت خود فدا تھی۔

چند الفاظ .... جس میں قائدملت نے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ اور مطالبہ پاکستان کی توضیح کی تھی۔ کبھی میرے موج دل سے محو نہیں ہو سکتے' خود کو قوم سے تشبہ دے کر قائداعظم کو رہنما کی حیثیت سے ایک مکالمہ کی صورت میں فرمانے لگے۔

''میں آوارہ اور سرگرداں پھر رہا تھا' میرے قائد نے مجھے بتلایا اور سمجھایا کہ تم ایک قوم ہو' میں نے بصد شوق تسلیم کرلیا اور کہا لیکن میرے قائد میرے لئے گھر بھی تو ہونا چاہیئے' فرمانے لگے' ہندوستان کے نقشے کی طرف دیکھ' میں جنوب کی جانب تکنے لگا' میرے قائد نے کہا' نادان مسلمان کی نگاہ بلند ہونی چاہیئے' میں نے شمال کی جانب آنکھیں اٹھائیں تو پنجاب اور سرحد پر جم کر رہ گیئں۔ پھر میرے قائد نے کہا مسلمان کی نظر میں وسعت ہونی چاہیئے' میں نے ادھر دیکھا میں نے ادھر دیکھا' اس پر انھوں نے پاکستان کے شمالی مغربی اور شمالی مشرقی منطقوں کی اس خوبصورتی

سے تصویر کھینچی کہ خود قائداعظم نے فرط انبساط سے تالیاں بجائیں اور فرمایا:

QUITE RIGHT

وقت گذر رہا تھا اور تقریر جاری تھی، لوگ اطمینان سے بیٹھے سن رہے تھے، رات قریب الختم تھی نور کا تڑکا ہو چکا تھا، قائدملت نے مسلمانوں کو اسلام کے رفعتِ مقام کا اندازہ لگانے اور مسلمانوں کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا۔ سنو میرا اقبال کیا کہتا ہے۔

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

میں نے نظریں آسمان کی طرف اٹھائیں، ستارے پنڈال کی چھت میں سے جھانک رہے تھے اور ان کی تنک تابی اس نظریہ کی تصدیق کر رہی تھیں۔

(حوالہ: مرد مومن، از: مومن احسان الحق، ہفتہ وار اعلان جالندھر قائدملت نمبر جلد ۷ شمارہ ۲۱)

''ساری تعریف اس خدائے قدیر و قیوم کو سزاء وار ہے جس کا تخت عظمت و جلال ہمیشہ سے آراستہ ہے اور ہمیشہ آراستہ رہے گا جس کی بارگاہ ذوالجلال میں انہی افراد و قوموں نے جگہ پائی ہے جن کا عمل صالح رہا اور دھتکار دیئے گئے جو کچھ نہ کر کے سب کچھ حاصل کرنا چاہتے تھے۔''

نواب صاحب کی تقریر کی ابتداء ان جملوں سے ہوئی۔ دہلی والوں کے ذوق سماعت نے انگڑائیاں لینا شروع کیا، لوگ ہمہ تن گوش ہو گئے مجمع کو سانپ سونگھ گیا، قائداعظم کی محویت بڑھنے لگی، وقت کا احساس اس وقت ہوا جب دور کسی موذن نے آواز دی، اللہ اکبر، اللہ اکبر، نواب نے تقریر روک دی جب لا الہ الا اللہ کی آخری بانگ پر اذاں ختم ہوئی تو پھر گویا ہوئے۔

مؤذن مرحبا بروقت بولا
تیری آواز مکے اور مدینے

(قائداعظم نے اس جلسہ کے اخراجات کی پابجائی کے لئے ایک لاکھ روپے کی اپیل کی تھی لیکن صرف چند ہزار اس فنڈ میں جمع ہوئے تھے، کارکنان جلسہ پریشان تھے کہ اخراجات کی پابجائی کس طرح ہوگی۔ جلسہ شروع ہونے سے قبل نواب صاحب قائداعظم کے ساتھ شریک طعام تھے اسی دوران قائداعظم نے مالی مشکلات کا ذکر فرمایا، نواب صاحب قائداعظم کو اس مسئلہ

پر متفکر دیکھ کر خاصے بے چین ہو گئے۔ اور اس خصوص میں فوری قائداعظم کو یقین دلایا کہ انشاءاللہ اس نشست کے ختم ہونے پر ان کی فکر کا بار دور ہو جائے گا) تب اسی تقریر کے دور دوم میں صبح صادق کی روشنی میں اس مسئلہ پر گویا ہوئے' تقریر کا کچھ اور ہی رنگ تھا' خلوص الفاظ میں سمٹ آیا فقرے درد سے معمور تھے اور آواز کے زیر و بم میں سوز نہاں اُمڈ آیا۔ سننے والوں کے جذبات میں ایک تلاطم تھا' ان کے قلب کا نور سارے اجتماع پر تیرتا پھرتا تھا کہ میگرافون سے آواز بلند ہوئی:

''جو مال کا ایثار نہیں کر سکتے وہ جان کیا دے سکیں گے'' اب جو مسلمانوں کی عملی کمزوری کا جائزہ شروع ہوا تو سب ہی محسوس کر رہے تھے جیسے ان کے اپنے اعمال کا محاسبہ ان ہی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رکھے گا' تقریر کے دوران تند و تیز گویا نشتر کی دھار تھے جو دل پر گھاؤ دے رہے تھے اس ماحول میں کون تھا جو نفس و ضمیر کی اس کشمکش میں پورا نہ اترتا۔ جسم پر جو کچھ مال و متاع تھا اسے اتارنے لگے' عورتوں نے کانوں سے بالیاں اور ہاتھوں سے چوڑیاں اتار کر رکھ دیں۔

اس موقعہ پر قائداعظم بے حد پریشان ہوئے اور اعلان فرمایا کہ میں صرف نقد لوں گا۔ نقد رقم جو اس جلسے میں جمع ہوئی وہ سوا لاکھ سے کچھ اوپر تھی۔

ایک مہینے سے لیگی زعماء ایک لاکھ کی اپیل لے کر گھر گھر دوڑے مگر بات نہ بنی' جب قدرت کو بات بنانی پڑی تو بہادر یار جنگ کے اعجاز خطابت سے لمحوں میں یہ کام بن گیا۔

(حوالہ: ایک اندام خطابت یہ بھی تھا' شیخ علی احمد' ہفتہ وار اعلان جالندھر قائد ملت نمبر جلد ۷ شمارہ ۲۱)

''قرارداد پاکستان کے بعد سے دہلی میں مسلم لیگ کے زیر اہتمام جلسے کثرت سے ہونے لگے' قائداعظم کی مستقل رہائش بمبئی میں تھی لیکن وہ دہلی اکثریت تشریف لایا کرتے تھے۔ اسمبلی کے زمانہ میں جب دہلی آتے تو ان کا قیام طویل ہوتا' دہلی کے مسلمانوں کی اکثریت قائد اعظم کی منتظر رہتی تھی' جب وہ تشریف لاتے تو شہر میں ایک تازہ چہل پہل نظر آتی اور اس کی رونقیں دوبالا ہو جاتیں' مسلم لیگ کے جلسے شروع ہو جاتے' عام طور پر یہ جلسے جامع مسجد اور ایڈورڈ پارک کے درمیان واقع وسیع میدان میں منعقد ہوئے۔ قائداعظم بعض جلسوں میں تشریف لاتے' ان کی تقریر کبھی اردو میں ہوتی اور کبھی انگریزی میں' بعض اوقات اردو میں تقریر کا آغاز کرتے لیکن بعد میں سرکاری رپورٹروں کی جانب اشارہ کر کے فرماتے کہ ''یہ لوگ کہیں مجھ سے غلط باتیں

منسوب نہ کردیں اس لئے میں باقی تقریر انگریزی میں کرتا ہوں' قائداعظم کو انگریزی زبان پر اس قدر عبور تھا کہ انگریز بھی ان کے مداح تھے' ان کی انگریزی تقریروں کو پورے ہندوستان میں ایک خاص شہرت حاصل تھی' ہندوستان کی اسمبلی میں انہوں نے وہ معرکۃ الآراء تقریریں کیں کہ مخالفین کے چھکے چھوٹ گئے' مسلم لیگ کے جلسوں میں دوسرے لیڈر بھی تقریریں کیا کرتے تھے' علمائے دین میں مولانا عبدالحامد بدایونی اکثر جلسوں میں شریک ہوتے اور تقریر کرتے' نواب بہادر یار جنگ کی تقاریر میں ایک جادو کا سا اثر تھا' اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ طاقت عطا فرمائی تھی کہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کے سوا کسی کو کم نصیب ہوئی ہوگی' آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس جو اپریل ۱۹۴۳ء میں اجمیری گیٹ کے باہر ایک میدان میں ہوا۔ نہایت دلآویز تھا' نواب بہادر یار جنگ نے اتنی مؤثر تقریر کی کہ لوگ دم بخود ہو گئے۔''

(حوالہ: مجموعۂ کلام سوزِ نفس از ایوب ابدالی صاحب ص ۳۶،۳۵)

(آپ ابدالی مرکزی وزارت مالیاتی پاکستان میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ آپ کا فارسی دیوان نوائے فردا کے نام سے شائع ہوا ہے۔)

◆◆◆

قائدملت اور حکومت کشمیر

۱۹۴۳ء

کشمیری مسلمانوں کی ایک آل جموں و کشمیر کانفرنس کے انعقاد کے انتظامات ...... (کانگریس ۱۳، ۱۴، ۱۵/اگست ۱۹۴۳ء) نہایت اعلیٰ پیمانہ پر کئے گئے تھے چوں کہ اس انداز کی کانفرنس کشمیر کی تاریخ میں پہلی کانفرنس تھی، جس کانفرنس میں کشمیری مسلمانوں کے مسائل اور ایک مدت سے ان کے آپسی نظریاتی اختلافات کی یکسوئی کی صورت گری کے لئے یہ کانفرنس فال نیک ثابت ہونے کا یقین کامل تھا۔ تین ماہ قبل قائداعظم محمد علی جناح (صدر مسلم لیگ) اور قائدملت نواب بہادر یار جنگ صدر آل انڈیا اسٹیٹ مسلم لیگ سے اجلاس میں شرکت کی درخواست شرف قبولیت پا چکی تھی۔ پوسٹر چسپاں کر دیئے گئے تھے۔ انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔ اس تمام کارروائی کے دوران حکومتِ کشمیر نے نہ کوئی امتناعی حکم جاری کیا اور نہ ہی کسی قسم کی رکاوٹ پیدا کی۔ اجلاس سے صرف دو دن قبل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ حکومتِ کشمیر نے پابندی کا اعلان جاری کر دیا اور ایسی صورت میں اجلاس کا انعقاد ہی خارج از بحث تھا۔

قائدملت حسبِ پروگرام ۱۲/اگست ۱۹۴۳ء کو راولپنڈی سے کشمیر کے لئے روانہ ہوئے۔ حسب پروگرام بیگم صاحبہ قائدملت نواب صاحب کے کشمیر تشریف لانے سے قبل حیدرآباد سے کشمیر آ چکی تھیں اور ان کا قیام ہاؤس بوٹ بمقام ڈل گیٹ میں تھا۔

دومیل کی چوکی پر سب سے پہلے نواب صاحب کا پستول لائسنس ساتھ نہ ہونے کے باعث حکومت کشمیر کی پولیس نے ضبط کرلیا۔ نواب صاحب کے سامان سفر کے ساتھ نواب صاحب کا لائسنس بھی تھا جو سامان ٹرک کے ساتھ پیچھے آ رہا تھا۔ نواب صاحب کو چوں کہ سری نگر جلد پہنچنا تھا، اس لئے آپ وہاں سے میر واعظ منزل تشریف لے گئے جہاں مسلم کانفرنس کی مجلس

عاملہ کا اجلاس چل رہا تھا۔

’’جلسہ رات کو شروع ہونے والا تھا۔نواب بہادر یار جنگ قریب دن کے ۱۲ بجے سرینگر پہنچے۔ مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ اس وقت میر واعظ منزل میں جلسہ کے متعلق حکومت کی جانب سے عائد کردہ شرائط پر غور کر رہی تھی کہ نواب صاحب بھی وہاں تشریف لے آئے۔ میری ان کے ساتھ یہ پہلی ملاقات تھی۔‘‘

(البتہ ’’مسلم کانفرنس کی نشاۃ ثانیہ کے بعد متواتر گرمیوں میں سری نگر آتے رہے اور اپنے قیام کے دوران انہوں نے مسلم کانفرنس کی تنظیم اور استحکام کے سلسلے میں بے حد دلچسپی لی اور دوڑ دھوپ کی، جماعتی مذاکرات کے سلسلہ میں ان سے ملاقاتیں ہوتی تھیں۔)

میر واعظ منزل پر پہنچ کر نواب صاحب نے ابھی دم بھی نہ لیا تھا اور صرف چند باتیں حضرت قائد اعظم کی مدح میں بیان فرما رہے تھے کہ حکومت کی جانب سے سرینگر سے ان کے اخراج کا حکم پہنچ گیا۔اس خبر سے ہم سب گم سم ہو گئے۔ ہمارے سامنے دو ہی راستے تھے کہ نواب صاحب خلاف ورزی احکام کریں یا بہ مجبوری کشمیر سے واپس تشریف لے جائیں۔مجلس عاملہ کے اکثر ممبروں کی خواہش تھی کہ نواب صاحب اس حکم کی خلاف ورزی کر کے قید ہو جائیں۔لیکن نواب صاحب کو یہ پوزیشن معقول وجوہ کی بناء پر منظور نہ تھی مجھے بھی ان سے اتفاق تھا کیوں کہ نواب صاحب کی گرفتاری سے مسلم لیگ کی پوزیشن مخدوش ہونے کا احتمال تھا اور جیسا کہ بعد میں ثابت ہوا۔ مجھے یقین تھا کہ حضرت قائد اعظم ہمارے اس فیصلہ پر کبھی صاد نہ کریں گے بلکہ ناراض ہو جائیں گے۔اندریں حالات ہم نے بمصداق ’’یار زندہ صحبت باقی‘‘ نواب صاحب کو رخصت کیا۔میر واعظ منزل سے باہر جامع مسجد تک زائرین کا بے پناہ جم غفیر تھا جس نے نواب بہادر یار جنگ زندہ باد کے نعروں سے فضائے آسمانی میں ارتعاش پیدا کر دیا۔نواب صاحب سیدھے اپنی قیام پر تشریف لے گئے تا کہ وہاں سے بیگم صاحبہ کو لے کر عازم راولپنڈی ہو جائیں۔

(حوالہ: پیکر خلق وانکسار چودھری غلام عباس، ص: ۲۴۶، بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں۔ ناشر بہادر یار جنگ اکیڈمی۔کراچی)

پہلے ہی حکومت کشمیر نے نواب صاحب کو کشمیر بدر کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

حکومت کشمیر نے کمینگی کی انتہا کر دی، رات میں ۲ بجے نواب صاحب کو بوٹ کلب سے

سینٹر پولیس سپرنٹنڈنٹ کے دفتر پر لایا گیا اور اپنی روایتی ذلت وتعصب کا مظاہرہ کیا۔ رات کے ۲ بجے گھنگھور گھٹاؤں والی اندھیری رات میں جب کہ مینھ برس رہا ہے‘ راستے تاریکی میں ڈوبے ہوئے ہیں‘ نواب صاحب کو تنہا بغیر بستر و چادر کے کوہالہ کی سرحدوں پر تنہا چھوڑ دیا گیا۔ پہلے تو حیدرآباد دکن کے عوام کو صرف یہ معلوم ہوا تھا کہ حکومت کشمیر نے نواب صاحب کے کشمیر میں داخلے پر پابندی عائد کردی ہے تو مجلس نے اس خصوص میں ایک وفد روانہ کیا تھا تاکہ نواب صاحب کو مری ہل پہنچ کر دکن کے مسلمانوں کے اور مقامی مسلم رہنماؤں کے احساسات سے واقف کروایا جاسکے کہ موجودہ بین الاقوامی صورتِ حال کے پیش نظر ہم نواب صاحب سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ موجودہ حالات میں وہ کشمیر تشریف نہ لیجائیں اس خصوص میں ’’قائد ملت ‘‘ حکومتِ کشمیر کے رویہ پر حیرت اور ناراضگی کا اظہار‘ کے زیر عنوان اخبارات مقامی میں جلی حروف میں یہ خبر شائع ہوئی:

’’حیدرآباد ۸۔ مہر۔ یہ خبر کہ مولوی بہادر خاں صاحب صدر کل ہند ریاستی مسلم لیگ کو ریاست کشمیر میں داخل ہونے کی ممانت کی نوٹس دی گئی ہے۔ یہاں بہت حیرت اور ناراضی کے ساتھ سنی گئی بالخصوص امر واقعہ کے مدنظر کہ اسٹیٹس پیپلس کانفرنس کے برخلاف والیان ریاست کے ساتھ کل ہند ریاستی مسلم لیگ اور اس کے صدر کا طرز عمل ہمیشہ ہمدردانہ اور دوستانہ رہا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی تازہ ترین مثال مولوی بہادر خاں صاحب کا وسط ہند اور راجپوتانہ کی ریاستوں کا دورہ ہے۔ مسلم لیڈروں کا خیال ہے کہ مولوی صاحب موصوف کا دورہ کشمیر وہاں کے مسلمانوں کے کئی پیچیدہ مسائل حل کرنے میں بہت مدد ہوتا اور ممکن تھا کہ اس دورہ کی وجہ سے کوئی سمجھوتہ ہوجاتا۔ انہی کے بیان کے مطابق اس موقعہ پر یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہیں کہ حکومت حیدرآباد نے حال حال میں ڈاکٹر مونجے‘ مسٹر گھنشیام داس گپتا‘ شری شنکراچاریہ اور دوسرے سربرآوردہ ہندو لیڈروں کو ہندو عوام سے ربط قائم کرنے کی اجازت دی۔ اس امتناع پر اگرچہ ناراضی زیادہ ہے۔ لیکن موجودہ بین الاقوامی صورتحال کے پیش نظر مقامی مسلم لیڈروں نے مولوی صاحب سے درخواست کی ہے کہ وہ کشمیر نہ جائیں۔

مولوی سید فضل حسین صاحب ایڈوکیٹ رکن عاملہ کل ہند ریاستی مسلم لیگ آج ’’مری

ہلز‘‘ روانہ ہوئے جہاں سمجھا جاتا ہے کہ مولوی بہادر خاں صاحب ٹھہرے ہوئے ہیں ۔معلوم ہوا ہے کہ ان کی روانگی کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانان حیدرآباد کے احساسات مولوی صاحب موصوف تک پہنچادیں۔ضرورت ہوتو کوئی مشورہ دیں اور وہاں کی صورتحال کا مطالعہ کریں۔‘‘(اور ینٹ پریس) رہبر دکن ۹ رمہر ۱۳۵۲ف مطابق ۱۶ راگست ۱۹۴۳ء دوشنبہ۔‘‘

سب سے پہلے کشمیری عوام کو حکومت کشمیر کی اس کمینگی کا علم ہوا کہ رات کی تاریکی اور موسلا دھار بارش میں نواب صاحب کو کوہالہ پل کے پار تنہا چھوڑ دیا گیا‘ کھلے اجلاس میں حکومت کے اس ناروا اور غیر شریفانہ برتاؤ پر بطور احتجاج اجلاس برخواست کر دیا گیا۔شدت جذبات نے کشمیری عوام کو بے قابو کر دیا۔

حکومت کشمیر کے اس غیر انسانی طرز عمل نے سارے ہندوستان میں اور خصوصاً دکن کے مسلمانوں میں غیض وغضب کی آگ بھڑکا دی‘ ۱۵راگست سے ۲۲را گسٹ تک نواب صاحب کہاں تھے کسی کو کوئی پتہ نہ تھا‘ اضلاع و تعلقہ جات سے ہزاروں تار مجلس کے معتمد مولوی یامین زبیری کو ملے۔خود مجلسی قائدین متفکر تھے۔صورت حال سے واقفیت کے لئے مجلس نے مولوی سید فضل حسین‘ مولوی رشید ترابی صاحب کو روانہ کیا اس کے تیسرے ہی دن قائد ملت کی خیریت کی اطلاع ملی۔

وہ دن مسلمانانِ دکن کے لئے عید کا دن تھا جس دن نواب صاحب کی خیریت کی انہیں اطلاع ملی۔نماز شکرانہ ادا کی گئی‘روزے رکھے گئے غرباء کو کھانا کھلایا گیا‘غرباء میں غلہ تقسیم کیا گیا‘ خوشی میں آتش بازی کی گئی...............حکومت کشمیر کے تعلق سے عوامی جذبات نفرت کی آخری منزل تک پہنچ چکے تھے‘اس خصوص میں کئی شعراء نے اپنے احساسات قلبی کا اس موقعہ پر اظہار فرمایا ۔ایک مقامی شاعر کے تین شعر اان ہی احساسات کے ترجمان ہیں۔

کہتے ہیں کشمیر کو جو گلشن ہندوستاں
کیاں کریں ایسا چمن صیاد بستے ہوں جہاں
طائر آزاد کا اس جا گذر ہوتا نہیں
نغمہ حق کا وہاں دل پر اثر ہوتا نہیں

آئین انصاف کچھ ایسے نرالے ہیں وہاں
مانگتا سرحد پہ جس کی ہے مسافر الاماں

قائد ملت ۲ رستمبر ۱۹۴۳ء کو حیدر آباد تشریف لائے۔ وہ صبح کبھی بھلائی نہیں جاسکتی جس صبح کو شام غربت کے مسافر کو اہل وطن، وطن میں دیکھ کر کتنے شاد ہوئے۔ نا مپلی اسٹیشن پر، اسٹیشن کے باہر اور سڑک پر بچے، بوڑھے اور جوان، ملت کے نگہبان کے استقبال کے لئے اپنی آنکھوں کو فرش راہ کئے ہوئے گاڑی کے آمد کی انتظار میں کھڑے ہوئے تھے۔ بعض اہل وطن نا گپور تک گئے، نا گپور سے قاضی پیٹ اور جو جو اسٹیشن نا مپلی سے پہلے آتے گئے ہر جگہ دکنی مسلمان اپنے قائد کیلئے۔

راہ میں ان کے بچھا رکھی ہیں پلکیں میں نے

کے مصداق، ان کے منتظر رہے۔ منزل بہ منزل نگاہوں کی پیاس بجھی، آلیر، بھونگیر (وغیرہ میں) بھی استقبال کی تیاریاں بڑے تزک واحتشام سے ہوئیں، ریل گاڑی کو پوری طرح سجایا گیا۔ انجن پر چاند تارہ لگایا گیا کہ یہ خنجر ہلال کا جو قومی نشان ہے۔ پرچم آصفی لہرایا گیا۔ رنگ برنگ کی جھنڈیوں سے گاڑی کو عروس نو بنا دیا گیا۔

خیریت آباد سے عوام نا مپلی اسٹیشن تک نعرہ تکبیر اللہ اکبر، قائد ملت زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے دکن کی زمین گونج اٹھی

جب نگاہ اٹھ گیئں اللہ رے معراج شوق
دیکھتا کیا ہوں وہ جان انتظار آ ہی گیا

نعروں کی گونج میں انیس الغرباء کے معصوم بچوں نے بہ جماعت اسلامی دی، پھولوں کے ہار اس کثرت سے پہنائے گئے کہ ماضی میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ پھولوں سے آراستہ موٹر میں قائد ملت کو بٹھا دیا گیا، اس موقعہ پر نواب صاحب کا تبسم، اپنی قوم سے ان کی بے پناہ محبت و عقیدت کا حسین اقرار تھا، کوئی نہ تھا جو فرش راہ نہ ہو رہا ہو۔ آگے بڑھنے کے لئے راستہ نہیں، بڑی مشکل سے نواب صاحب کی گاڑی رایل ہوٹل سے آگے بڑھ سکی، پھر گاڑیوں، موٹر سیکلوں اور سیکلوں پر یہ تیز رفتار قافلہ بیت الامت پہنچا نا مپلی سے بیت الامت تک عوام کے نعرۂ تکبیر اللہ اکبر اور شیر اسلام زندہ باد سے فضائیں گونجتی رہیں۔

اپنی آمد کے دوسرے ہی دن قائد ملت نے پریس کے نمائندوں کو کشمیر سے نواب صاحب کے اخراج اور اس کے پس منظر کے بارے میں حالات و واقعات سے واقف کروایا۔

پریس کانفرنس میں قائد ملت کا بیان

کشمیر سے احراج اور اس کا پس منظر:

حیدرآباد ۳ ستمبر' آج صبح گیارہ بجے بیت الامت میں قائد ملت نے کشمیر سے اخراج اور اس کے پس منظر کی وضاحت فرمانے کی خاطر ایک پریس کانفرنس طلب کی تھی جس میں مختلف نقاط نظر کی ہم آہنگی صحافتی تاریخ میں ایک درخشاں باب کا اضافہ کر رہی تھی' عظیم الشان مسلم قوم کے ہر دلعزیز قائد نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ اخبار نویسوں کے اجتماع کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا کہ میں ہندوستان اور حیدرآباد کے پریس اور تمام ہندوستان کی پبلک کا عموماً اور حیدرآباد کی پبلک کا خصوصاً شکر گزار ہوں۔ میرے متعلق انہوں نے جس ہمدردی کا اظہار کیا ہے اس کو میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ ہندوستان کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں کے مسلمانوں نے ان واقعات سے اپنے تعلق خاطر کا اظہار نہ کیا ہو۔ اس کے بعد مری ہلز کی غلط اطلاع دہی پر اظہار افسوس کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ مجھے سخت افسوس ہے کہ مری ہلز کے ڈاکخانہ کی ایک غلط اطلاع نے بجا طور پر میرے ساتھیوں اور پبلک کو پریشان کیا۔ میں ۱۵ راگست سے ۲۲ راگست تک مری ہلز میں مقیم رہا اور اس عرصہ میں ریاست کشمیر صوبہ سرحد پنجاب' دہلی اور دوسرے اقطاع ہند سے جو تار اور خطوط میرے نام آئے وہ سب کے سب انہی تاریخوں میں مجھے پہونچائے گئے لیکن میں نے نہایت حیرت کے ساتھ مجلس کے فائیل میں ایک سے زیادہ اطلاع نامے اسی ٹیلی گراف آفس کے دیکھے ہیں جن پر ۱۶ ر سے ۱۸ راگست تک کی تاریخیں پڑی ہوئی ہیں جن میں یہ کہا گیا کہ میں مری سے پشاور روانہ ہو گیا ہوں۔ میں حیران ہوں کہ مری کے پوسٹ آفس نے اتنی صریح غلط بیانی اور دھوکہ دہی کی کیوں کوشش کی۔ اس سلسلہ میں ''رہبر'' یا ''وقت'' کی یہ قیاس آرائی صحیح نہیں تھی کہ میں نے مری کے ڈاک خانہ کو اپنی روانگی کی اطلاع دیدی۔ لیکن کسی وجہ سے پشاور نہ جا سکا اور نہ میرے احباب کی پریشانی عشق است و ہزار بدگمانی کا مصداق تھی۔ بلکہ جو واقعات پیش

آئے ان کا صحیح اور فطری نتیجہ یہی ہوسکتا تھا۔ میں نے ڈاک خانہ کی اس غلطی پر نوٹس دی ہے۔

حکومت کشمیر کے سارے طرزِ عمل میں انسانیت کا شائبہ بھی نہ تھا:

کشمیر کے موقف پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ کشمیر کے واقعات سے متعلق مجھے کچھ زیادہ نہیں کہنا ہے۔ مقامی اخبارات میں اور یونٹ پریس کی جو تفصیلی خبر شائع ہوئی وہ حرف بہ حرف صحیح ہے، جیسا کہ میں نے لاہور کی پریس کانفرنس میں کہا، مجھے اس کا رنج نہیں ہے کہ حکومت کشمیر نے مجھے اپنی ریاست سے خارج کیا میں اس کی اس حرکت کو غریب مسلمانانِ کشمیر پر ایک احسان تصور کرتا ہوں۔ میں اگر کشمیر میں ایک مہینہ بھی رہتا تو مسلمانانِ کشمیر کی امداد نہیں کرسکتا۔ جتنی مجھے نکال کر حکومت کشمیر نے ان کی مدد کی ہے۔ ناعاقبت اندیش حکومتوں کی ایسی ہی حرکتیں قوموں کی مضبوطی اور تنظیم کا باعث ہوجایا کرتی ہیں۔ مجھے رنج اس کا ہے کہ میں نے حکومت کشمیر کے اس سارے طرزِ عمل میں انسانیت کا شائبہ بھی نہیں پایا، میری توجہ حکومت کشمیر کے پریس نوٹ کی طرف مبذول کرائی گئی ہے اس پریس نوٹ میں جہاں تک میرے خطابات اور جاگیر سے دست برداری کے متعلق دروغ بیانی کی گئی ہے اس کا بہت اچھا جواب مولوی یامین زبیری صاحب کے بیان میں موجود ہے۔ میں حکومت کشمیر کے اس پریس نوٹ کو شروع سے آخر تک جھوٹ اور دروغ بیانی کا مجموعہ پاتا ہوں جو ایک منظّم حکومت کے لئے قابل شرم ہے۔ اس کمیونکے میں حکومت نے کہا:

''نواب صاحب نقل وحرکت کا اطمینان دلانے سے قاصر جو کہ وہ آسانی سے کرسکتے تھے'' .... میں حیران ہوں کہ کس طرح ایک حکومت کو دن کی روشنی میں ہمالیہ کے برابر جھوٹ بولنے کی جرأت ہوسکتی ہے جب کہ گرفتار ہونے سے قبل وزیرِاعظم کشمیر کے نام لکھا ہوا میرا مکتوب ان کی فائیل میں موجود ہے جس میں میں نے اپنے کشمیر آنے کے مقصد آل انڈیا اسٹیٹ مسلم لیگ کی عام پالیسی اور جنگی خدمات کے سلسلے میں اس کے پروگرام کی کافی وضاحت کردی ہے، حکومت کشمیر کا یہ کہنا کہ مسلم کانفرنس پر عائد کردہ پابندیوں کے بعد مجھے کشمیر جانا ہی نہ تھا بڑی عجیب منطق ہے۔ اگر کسی کانفرنس میں بیرون ریاست کے باشندوں کی شرکت ممنوع ہو تو کیا اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس کانفرنس کے دوران میں ان اشخاص کا داخلہ بھی ممنوع تصور کیا جائے۔ حکومت کا

یہ کیونکہ سمجھدار آدمیوں کے نزدیک خود حکومت کا بے نقاب ہو جانا ہے۔ ''رہبر'' نے اپنے ایڈیٹوریل میں خوب کہا کہ دنیا کا کوئی آدمی حکومت کے اس بات کا یقین نہیں کرسکتا کہ ایسی حالت میں جبکہ میرے ملازم ابھی سرینگر پہونچے تھے اور میری رفیق حیات وہاں تنہا تھیں' میں نے حکومت سے یہ کہہ دیا کہ ان کے دوسرے روز علحدہ آنے کا انتظام کردیا ہے۔ برخلاف اس کے عہدہ داران حکومت کشمیر نے میری موجودگی میں بہت دیر تک غور کرنے کے بعد یہ تصفیہ کیا کہ بیگم میرے ساتھ نہیں جائیں گی۔ یہ صحیح ہے کہ میری غیرت نے اس کو برداشت نہیں کیا کہ میں سرینگر سے نکالے جانے کے بعد رامپور (کشمیر کا ایک گاؤں) میں حکومت کشمیر کا مہمان بنوں اور میں نے چاہا کہ مجھے کوہالہ پہنچا دیا جائے۔ لیکن اس کے معنی یہ کب تھے کہ حکومت کشمیر مجھے اپنے ساتھ بستر بھی نہیں لینے دیتی۔ ممکن ہے کہ حکومت نے موٹر میں اپنے ملازمین کے لئے بلانکٹس رکھ دیئے ہوں لیکن وہ میرے کس کام آسکتے تھے بلکہ موٹر کو کوہالہ کے پل سے ایک انچ آگے حرکت نہیں دی گئی اور موٹر کو آگے لیجانے سے روک دیا گیا' مجھے موٹر میں ڈاک بنگلہ تک پہونچانے کی نسبت حکومت کشمیر کا پریس نوٹ شاید اچھا عذر ثابت ہوتا لیکن حکومت اس کا کیا جواب دے سکتی ہے کہ جب میں اور ٹیکسی ڈرائیور اپنی ذمہ داری پر برطانوی علاقہ میں موٹر لیجانے کے لئے تیار تھے اور میں نے ڈرائیور سے کرایہ بھی طئے کرلیا تھا تو اس میں حکومت کو کیا عذر ہوسکتا تھا۔ ایک طرف میرے ساتھ بستر' چھتری' واٹر پروف کا نہ دینا دوسری طرف بارش کے عالم میں ڈرائیور کے آمادگی کے باوجود موٹر کو آگے جانے سے روک دینا اور مجھے مجبور کرنا کہ دو بجے رات کو ایک نئے مقام پر بارش میں بھیگتا ہوا ڈاک بنگلہ جاؤں کیا اس سے بڑھ کر خلاف انسانیت کئی فعل ہوسکتا ہے۔ آخر میں قائد موصوف نے صحافیوں سے خواہش کی کہ میں آپ حضرات سے اس گفتگو کو فائدہ حاصل کرتے ہوئے چاہتا ہوں کہ کشمیر سے میرے اخراج اور اس سلسلے میں میری تکلیف کو باب آج ختم کردیا جائے' میرے نزدیک یہ واقعہ اتنا اہم نہیں ہے جتنا خود کشمیر کے مسلمانوں کی زبوں حالی' ان کی مفلسی' ان کی جہالت اور ان پر عائد شدہ ظالمانہ قوانین اہم ہیں۔ میری تمنا ہے کہ میرے اخراج کا یہ واقعہ تمام مسلمانان ہند کو مسلمانان کشمیر کی امداد کی طرف متوجہ کرے۔ میں اس کے لئے عنقریب ایک پروگرام پیش کروں گا۔ بیان کے اختتام پر سوال و جواب کا سلسلہ جاری

رہا جو حسب ذیل ہے:

ایک سوال پر قائد ملت نے فرمایا کہ مری ہلز سے جتنے خطوط اور تار میں نے بھیجے اور اقطاع ہند سے میرے نام آئے تھے ان کی تقسیم عمل میں نہیں آئی۔ ایک اور سوال کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ کئی خطوط اور کئی تار تھے جو مجھے قطعاً نہیں دیئے' جب آپ سے ریاستی پالیسی کی وضاحت چاہی گئی .... کہ کیا آپ کو وزیر اعظم کشمیر کی جانب سے قبل از وقت امتناعی احکام وصول ہوئے تھے تو آپ نے نفی میں جواب دیا اور شہری آزادی کی توضیح فرماتے ہوئے نواب صاحب نے فرمایا کہ ہر حکومت کا فرض ہے کہ وہ اپنے باشندوں کو جائز آزادی تحریر اور تقریر سے استفادہ اٹھانے کا موقع دے ورنہ اکثر صورتوں میں اشتعال پیدا ہونے کا امکان پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ نے حیدر آباد کو مثالی حیثیت دیتے ہوئے فرمایا کہ ڈاکٹر مونجے اور مہیشور دیال' جواہر لال نہرو جیسے افراد کو بھی یہاں آنے سے روکا نہیں جاتا البتہ ایسے افراد جن کی مفسدانہ پالیسی کا اظہار ہو چکا تھا۔ انہیں یقیناً روکا تھا' لیکن حکومت کشمیر کے اس واقعہ سے اس مسئلہ کا کوئی تعلق پیدا نہیں ہوتا جب کہ میں نے اپنی صلح جو یانہ پالیسی کا اظہار کر دیا تھا' کاش حکومت کشمیر میرے آنے سے پہلے وہ طریقہ اختیار کرتی جیسا کہ حکومت حیدر آباد نے کیا' ایڈیٹر دکن نیوز کے ایک سوال پر آپ نے فرمایا کہ مسلم کانفرنس پر میرے جانے کے بعد پابندیاں عائد کی گئیں اور مسلمانان کشمیر اس واقعہ کی وجہ سے بے حد جوش میں تھے۔ جب آپ سے حکومت سرکار عالی کی آئینی کارروائی کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے لاعلمی ظاہر کی۔ اس کے بعد دوسری ریاستوں کے طرز سلوک کے متعلق آپ سے استفسار کیا گیا تو آپ نے بڑی فراخدلی کے ساتھ فرمایا کہ دوسری ریاستوں نے اس قسم کی تنگدلی کا کہیں بھی مظاہرہ نہیں کیا' خود ریاستوں نے مجھے آفر کیا کہ میں ان کے یہاں رہوں' چنانچہ جودہ پور اور اودے پور میں مجبوراً حکومت کا مہمان ہونا پڑا اگرچہ کہ یہ میری پالیسی کے بالکل خلاف تھا۔ جب سکھوں کے استقبال کے متعلق آپ سے تصدیق چاہی گئی تو آپ نے اثبات میں جواب دیا اور کہا کہ راولپنڈی میں سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم ہیں' چنانچہ انہوں نے مجھے ایک پارٹی بھی دی تھی کشمیر جانے کی وجہ دریافت کئے جانے پر آپ نے فرمایا کہ وہاں کا صحیح مطالعہ اور ممکنہ اخلاقی امداد دینا تھا۔ اپنی

شرکت کے متعلق آپ نے کہا کہ میری شرکت خاموش شرکت ہوتی' آپ نے آخر میں یہ بھی کہا کہ عنقریب وہ خط ریلیز کروں گا جو وزیراعظم کے نام بھیجا گیا تھا۔اس کے بعد کانفرنس اختتام کو پہونچی۔

طئے تو ہوا تھا کہ برصغیر میں کشمیر ڈے منایا جائے اور سارے عوام کشمیر جنت نظیر میں مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے جاتے ہیں اور جو غیر انسانی سلوک نواب بہادر یار جنگ صدر اسٹیٹ مسلم لیگ کے ساتھ روا رکھا گیا اس سے عوام کو واقف کروائیں تاکہ عوام اس حقیقت سے واقف ہو جائیں کہ ۔

دوزخ کشمیر کو دیتے ہیں جنت کا خطاب

....

مگر حصول پاکستان کے مسئلہ میں مسلم لیگ اور قائداعظم کے انہاک اور سیاسی مصلحتوں کے باعث ''کشمیر ڈے'' کا پروگرام عمل پذیر نہ ہوسکا۔لیکن اس خصوص میں قائداعظم نے قائد ملت نواب بہادر یار جنگ کے کشمیر بیدر کئے جانے پر واسیرائے سے باضابطہ مراسلت فرمائی ۔ (قائداعظم) نے اپنے مراسلے میں واسیرائے کو لکھا کہ:

چند ماہ سے کشمیر نظم ونسق بہت خراب ہوگیا ہے۔اس کے متعلق قابل اعتماد ذرائع سے مجھے بہت سے خبریں ملی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ واسیرائے اس سے بخوبی واقف ہوں گے۔اگر واسیرائے اسے ضروری سمجھیں تو اس کا ایک نوٹ مرتب کر کے روانہ کروں گا۔ مجھے پوری توقع ہے کہ واسیرائے بطور خاص دلچسپی لے کر ان خرابیوں کو جلد سے جلد رفع کرنے کی کوشش فرمائیں گے وغیرہ۔''

اس کے جواب میں واسیرائے نے لکھا کہ:

''کشمیر کے حالات سے میں باخبر ہوں اور اس خصوص میں آپ کی توجہ دہانی پر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔''

سیاسی یادداشتیں (قائداعظم محمد علی جناح سے حضرت قائد ملت کی ملاقات) کشمیر اور حیدرآباد پر تبادلہ خیال سے متعلق یادداشت)۔

(۱۰۲، ۱۰۳، مرتبہ نذیر الدین احمد)

صوفی سرمد ہند حضرت امجد حیدرآبادی نے نواب صاحب کی کشمیر بدری کے بعد حیدرآباد تشریف آوری پر ایک قطعہ لکھا اور خط بھی

پروانہ شمع نبویؐ کے آگے
چاند اور سورج کو مانند دیکھا ہم نے
انتیس اور تیس کو تو بدلی میں رہا
پہلی رمضان کو چاند دیکھا ہم نے

نواب صاحب نے جوابی خط لکھا:

۱۰/اردی بہشت ۱۳۵۳ ف م ۱۴/مارچ ۱۹۴۴ء
مولوی سید احمد حسین صاحب امجدؔ
مکان نمبر (۱۷۰۷) عقب خطہ صالحین

جناب مکرم!

مکتوب گرامی ایک طویل سفر سے واپسی کے بعد نظر سے گذرا، پہلے قطعہ سے لفظاً لفظاً متفق ہوں۔ صرف لفظ ''حسنتاً'' کی تشریح کرنی پڑے گی، جو لوگ ترک دنیا کے قائل ہیں وہ بھی ترک دنیا کو ضروری سمجھتے ہیں، ورنہ لفظ ''دنیا'' جس معنی میں اس آیت شریفہ میں مستعمل ہے اس کا ترک بغیر خودکشی عملاً ممکن نہیں۔

آپ کے معمہ پر میں نے دیر تک غور کیا جو آپ سے حل نہ ہوا وہ مجھ سے کیا حل ہوگا۔ بظاہر معنی فی بطن الشاعر معلوم ہوتے ہیں اور اگر پروانہ شمع نبویؐ سے مراد شمع نبویؐ کی ضیاءِ صوم سے متنور ہونے والا پروانہ ہے تو معنی صاف ہو جاتے ہیں۔ جس دن آپ اس کو حل کر لیں مجھے محروم نہ رکھیں۔ فقط

بہادر یار جنگ

حضرت امجد کا خط نواب صاحب کے نام۔

جناب محترم زاداللہ اخوانکم فی الدارین

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

پروانہ شمع نبویؐ کے آگے
چاند سورج کو ماند دیکھا ہم نے

انتیس اور تیس کو تو بدلی میں رہا
پہلی رمضان کو چاند دیکھا ہم نے

اس معمے کی تشریح یہ ہے کہ اس دفعہ ۲۹ اور ۳۰ ر شعبان کو ابر کی وجہ سے ہمارے ہاں چاند نظر نہیں آیا۔ بجائے اس کے پہلی رمضان کو ایک سوختہ جان (جس کو پروانہ شمع نبوی سے تعبیر کیا گیا ہے) منازل کشمیر کے ہبوط سے نکل کر حیدر آباد کے منازل سعود میں نمودار ہوا۔ مشتاق اور دیدار طلب آنکھوں نے اس چاند کو اس طرح دیکھا کہ شاید کبھی کسی چاند کو نہ دیکھا ہوگا۔ خدا چشم بد سے بچائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ ہمارے اس چاند کو سمجھ گئے ہوں گے۔ اگر آپ اس کو دیکھنا بھی چاہیں تو کچھ دیر کے لئے ہم سے ہماری نگاہیں مانگ لیجئے۔

زمغربی نظرے دام کن بدولت نگر
کہ تابدیدہ کامل کمال او بینی

رباعی

ہے اپنے وجود پر تبسم مجھ کو — تقدیر نے مجھ سے کردیا گم مجھ کو
اپنی صورت کسی نے دیکھی ہی نہیں
میں دیکھ رہا ہوں تم کو اور تم مجھ کو

آپ کا امجد

حضرت امجد کے اخلاص نامے کا جواب

۴ر خورداد ۱۳۵۳ف

(مطابق ۸ر اپریل ۱۹۴۴ء)

حضرت امجد زاداللہ مجدکم!

معمہ کا حل باعث افتخار ہوا۔ آپ نے چاند سے تعبیر کر کے داغوں کو نمایاں کر دیا۔ کتنی صحیح تشبیہہ۔ اس سے ایک اور بات کا پتہ چلا کہ روشنی ذاتی نہیں مستعار ہے۔ دیکھنے والے کس قدر دھوکہ میں ہیں۔ دعا کیجئے کہ جلوۂ حقیقت کا آفتاب اپنے اندر اس طرح چھپالے کہ دنیا نور مہتاب کی متوالی نہ رہے اور سب کی نگاہیں اسی ایک سمت اٹھ جائیں جدھر سے چاند پر ضاء افگنی ہو رہی ہے۔ بے شک کبھی جی چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو دیکھوں لیکن کبھی قرضدار نہیں ہوا ہوں اس لئے نگاہ غیر کا مقروض ہونا بھی گوارا نہیں اور پھر اعلیٰ ہمتی کے بھی خلاف ہوگا کہ جس کو سب کی نگاہیں احاطہ کر لیتی ہیں اسی کو میں بھی تکا کروں۔ آفتاب کی ہر جھلک سے جھپکنے والی نگاہ کو کیوں نہ خوگر جلوہ آفتاب ہی بنایا جائے۔ کیا آپ اس میں میری کچھ مدد کر سکتے ہیں۔ اللہ آپ کی فکر کو بلند تر اور آپ کے کلام کو مقبول تر بنائے۔

فقط

بہادر یار جنگ

کشمیری بدری کے بعد نواب صاحب کی اپنے وطن یعنی دکن کو واپسی کا واقعہ، قلوب کی دنیا پر بادشاہت کرنے والے بے تاج کے بادشاہ محمد بہادر خاں کی عظمت وعزت اور عوام کی ان سے والہانہ وابستگی وعقیدت کا ایک یادگار باب ہے۔

شاد ہیں اہل دکن تجھ کو دکن میں دیکھ کر
شام غربت کے مسافر کو وطن میں دیکھ کر

◆◆◆

مسلم لیگ کے اجلاس کراچی کے موقعہ پر یادگار جلوس

۲۴ر ڈسمبر سے ۲۶ر ڈسمبر تک کے اجلاس مسلم لیگ منعقدہ کراچی کے موقعہ پر جو یادگار جلوس نکالا گیا تھا وہ وقت کے نگار خانے کا ایک یادگار نقش ہے۔

وقت کے نگار خانے میں ایک نقش ایسا بھی ہے جو مسلم لیگ کے ۳۱ رویں سشن کی یاد دلاتا ہے جو ڈسمبر ۱۹۴۳ء کو کراچی میں منعقد ہوا تھا' نقوش بہت واضح ہیں' قائد اعظم کا جلوس اسی بندر روڈ پر نکلا تھا' جی' ایم' سید استقبالیہ کمیٹی کے صدر تھے اور یوسف ہارون معتمد نواب صدیق علی خاں اور حاجی عبدالکریم باڈی گارڈ کی حیثیت سے قائد اعظم کے ساتھ تھے' جلوس لی مارکیٹ سے ہوتا ہوا نیپئر روڈ پر آیا اور پھر بندر روڈ سے سیدھے ہارون آباد کی طرف چلا جہاں جلسہ گاہ کے لئے ایک شاندار دروازہ باب السلام کے نام سے ایستداہ کیا گیا تھا' سڑکیں تماشائیوں سے اٹ گئی تھیں' گھروں کی چھتیں' دکانیں' عمارتیں اور راستے' مردوں' عورتوں اور بچوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں' جلوس کیا تھا' ہر پیشہ اور ہر فرقے کی نمائندگی اس میں تھی' گاڑی بان' ماہی گیر' شتر سوار' شتر بان' نجار اور صناع' اپنی اپنی نمایاں خصوصیات کے ساتھ جلوس کے ہمراہ تھے' آغا خانی بینڈ نغمہ سرا تھا' جب یہ عظیم الشان جلوس ہارون آباد پہنچا تو شام کے ساڑھے سات بجے تھے' پرچم کشائی کی رسم ادا کی گئی' اس رسم کے آغاز میں جناب سرور شاہ گیلانی نے قرآن پاک کی تلاوت کی اور قائد اعظم نے پرچم کشائی کے لئے اس کی ڈوریاں کھینچتے ہوئے کہا ''سندھ پاکستان کا باب الداخلہ ہے اور کراچی اس کی کلید' اس کے بعد قائد اعظم جلسہ گاہ میں آئے۔ایک چاندی کی کرسی جو جیکب آباد کے ایک سردار نے اس موقعہ کے لئے بھجوائی تھی' صدر جلسہ کے لئے رکھی گئی' قائد اعظم اس پر تشریف فرما ہوئے اور جلسے کی کارروائی شروع کی گئی' سب سے پہلے انور قریشی نے قرأت کی' اقبال کا ترانہ ''چین وعرب ہمارا'' ترنم کے ساتھ پڑھا گیا' جی' ایم' سید نے خطبۂ

استقبالیہ پڑھا' ہاشم ...... گذور نے جو اس زمانے میں سندھ کے وزیر تھے' قائداعظم کو پھول پہنائے' ایک سو سے زیادہ جریدہ نگار اور صحافی جلسہ کی روداد لینے کے لئے بیٹھے تھے' بے پناہ ہجوم تھا' قائداعظم نے ایک گھنٹہ ۲۴ منٹ تقریری کی اور آخر میں نواب بہادر یار جنگ نے قائداعظم کی تقریری کا مطلب برجستہ اور بامحاورہ اردو زبان میں پیش کیا' چوں کہ اس کارروائی کے دوران' رات کے بارہ بج چکے تھے' نواب زادہ لیاقت علی خاں نے قائداعظم کو ان کی ۶۱ ویں سالگرہ پر کل ہند مسلم لیگ کی طرف سے مبارکباد پیش کی اور نواب نے اپنی تقریر میں دعا کی کہ ''اے اللہ' تو میری عمر کے باقی سال بھی لے لے اور میرے قائد کو عمر طویل عطا کر۔''

(حوالہ: کراچی سیشن صمدانی نقوی' مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں۔ کراچی' ص: ۱۹۲' ۱۹۳)

اجلاس کراچی کے جلوس کا ایک اور آنکھوں دیکھا حال مزید...... تفصیلات پر مبنی ہے۔

''دسمبر ۱۹۴۳ء کے اواخر میں کراچی میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اکتیسواں سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ اگلے روز شام کو لیمار سے مسلم لیگ کا ایک جلوس نکلنا تھا جو پوری شان و شوکت کے ساتھ جلسہ گاہ تک جانا تھا۔ جلوس کے راستے کو رنگ برنگی جھنڈیوں' سوت کے لچھوں اور خوبصورت کپڑوں سے سجایا گیا تھا' راستے میں جابجا آرائشی دروازے بنائے گئے تھے' جو مختلف شخصیتوں کے نام سے منسوب کئے گئے تھے۔ شام کو نماز عصر کے بعد جلوس کا آغاز ہوا' نیشنل گارڈ اور خاکساروں کے دستے مارچ پاسٹ کرتے ہوئے گذرے' لوگوں نے تالیوں اور نعروں کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا' سب سے آخر میں ایک اونٹ گاڑی آئی جسے اکتیس اونٹ کھینچ رہے تھے' اس گاڑی کو بڑی مہارت کے ساتھ پھولوں سے سجایا گیا تھا' گاڑی کے دونوں جانب پھول اس سلیقے سے لگائے گئے تھے کہ پاکستان کا ناخدا پڑھا جاتا تھا' گاڑی پر پھولوں سے لدی ہوئی ایک بڑی سی چھتری کے نیچے قائداعظم ایک کرسی پر تشریف فرما تھے' کراچی کی فضاء قائداعظم زندہ باد اور لے کے رہیں گے پاکستان' کے فلک شگاف نعروں سے گونج رہی تھی' جلوس آہستہ آہستہ چلتا ہوا بلکہ رینگتا ہوا جلسہ گاہ کی طرف بڑھ رہا تھا' پنڈال سے باہر ایک بہت بڑا دروازہ بنایا گیا جس پر باب الاسلام لکھا ہوا تھا۔ قائداعظم وہاں پہنچ کر گاڑی سے اترے اور انہوں نے باب الاسلام پر اپنے ہاتھوں سے مسلم لیگ کا پرچم لہرایا' اس وقت ہجوم کا جوش قابل دید تھا' پرچم کشائی کے بعد قائد

اعظم نے اردو میں مختصر سی تقریر کی' اسٹیج پر مسلم لیگ کے عمائدین' خاں لیاقت علی خاں' سردار عبدالرب نشتر' غلام حسین ہدایت اللہ' آئی آئی چندریگر خواجہ ناظم الدین' نواب افتخار حسین ممدوٹ' چودھری خلیق الزماں اور نواب بہادر یار جنگ تشریف فرما تھے۔

قائداعظم نے انگریزی زبان میں تقریباً گھنٹہ بھر تقریر کی' حاضری میں بہت سے لوگ انگریزی سے نابلد تھے' اس لئے جوں ہی قائداعظم نے تقریر ختم کی' حاضری جلسہ نے اردو ترجمہ' اردو ترجمہ اور نواب بہادر یار جنگ کی صدائیں بلند کیں' قائداعظم نے مسکراتے ہوئے نواب صاحب کی طرف دیکھا اور وہ مسکراتے ہوئے ڈائس پر تشریف لائے۔

میرے خیال میں اس وقت اسٹیج پر جتنے عمائدین موجود تھے ان میں قد و قامت کے اعتبار سے نواب بہادر یار جنگ منفرد تھے' انہوں نے براؤن رنگ کی دھاریدار اچکن اور چوڑی دار پاجامہ پہنا ہوا تھا۔

ان کے چہرے پر چھوٹی چھوٹی نورانی داڑھی بڑی خوبصورت دکھائی دیتی تھی' انہوں نے جب قائداعظم کی انگریزی تقریر کا ترجمہ شروع کیا تو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے سامعین کو سانپ سونگھ گیا ہو' ان کی تقریر میں دکن کے پانچ دریاؤں نربدہ' تاپتی' مہاندی' کرشنا' کاویری کی مجموعی روانی تھی' الفاظ و معانی کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ ایسی فصیح و بلیغ تقریر میں نے نہ اس سے پہلے کہیں سنی تھی اور نہ ہی اس کے بعد کبھی سننے کا اتفاق ہوا۔ مجھے اب تک یاد ہے کہ انہوں نے قائداعظم کی تقریر کے ایک فقرہ کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا تھا ''ان کے گھر کی دیوڑھی کی چوکھٹ کے سامنے کی سڑک کے آخری کنارے پر'' اس پر سامعین نے تحسین کے ڈونگرے برسائے' نواب صاحب کو یوں داد ملتی دیکھ کر قائداعظم اور ان کے رفقاء بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

(حوالہ: میں نے بہادر یار جنگ کو دیکھا' از: پروفیسر محمد اسلم روزنامہ جنگ کراچی)

اب ہم ۲۴ر ڈسمبر ۱۹۴۳ء کے اجلاس مسلم لیگ میں نواب صاحب کی تاریخی تقریر کا آنکھوں دیکھا حال' قائد ملت کے شیدائی ابراہیم جلیس کی زبانی سنتے ہیں۔

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا

بہادر یار جنگ کی ایک غضبناک تقریر

''یہی شہر کراچی ہے اور اب سے کوئی ۱۶ برس پہلے کا زمانہ ہے' کیلنڈر میں تاریخ ۲۴ر دسمبر ۱۹۴۳ء ہے' وقت رات کا ہے اور گھڑی میں نو بج رہے ہیں۔

صدر میں پیراڈائیز سنیما سے قریب ایک کف بہ دست میدان ہے (جہاں آج سکریٹریٹ کی عمارتیں کھڑی ہیں) انسانوں کے ٹھیٹ کے ٹھیٹ اس میدان میں جمع ہیں' آل انڈیا مسلم لیگ کا آخری جلسہ عام ہو رہا ہے۔

انسانوں کے اس وسیع سمندر میں ڈائس ایک جزیرہ کی طرح ابھرا ہوا ہے۔ قائداعظم کرسی صدارت پر متمکن ہیں اور ان کے ارد گرد دوسرے زعمائے ملت خاں لیاقت علی خاں' نواب اسمٰعیل خاں' چودھری خلیق الزماں' جمال میاں فرنگی محلی' حضرت حیات خاں ٹوانہ' وزیراعظم صوبہ پنجاب' سر غلام حسین' ہدایت اللہ' وزیراعظم صوبہ سندھ' سردار اورنگ زیب' وزیراعظم صوبہ سرحد' سعید اللہ' وزیراعظم صوبہ آسام اور خواجہ نظام الدین وزیراعظم صوبہ بنگال متمکن ہیں' ان کے علاوہ لیڈر خواتین بھی ایک طرف تشریف فرما ہیں۔

نواب بہادر یار جنگ قائداعظم کے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شریک جلسہ ہیں۔ نواب بہادر یار جنگ کا موڈ کچھ بگڑا ہوا ہے' جاننے والوں کو پتہ ہے کہ آج شام آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا ایک جلسہ ہوا تھا جس میں مہمان خصوصی نواب بہادر یار جنگ نے ایک قرار داد پیش کی تھی کہ ''پاکستان کا طرز حکومت اسلامی اور قرآنی ہونا چاہئے''۔

لیکن قرارداد مسترد ہو گئی تھی اور اس وقت سے نواب صاحب کا موڈ بگڑا ہوا ہے اور وہ اپنے چند دوست رہنماؤں سے کچھ کھنچے کھنچے ہیں۔

قائداعظم کے حکم سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ قائداعظم نے ہر مقرر کے لئے صرف پندرہ منٹ کا وقت مقرر کر دیا ہے اس لئے بطور خاص ان کے سامنے ایک ٹائم پیس اور ایک گھنٹی رکھی ہوئی ہے۔

سارے مقررین تقریریں کر چکے' رات کے دو بجکر دس منٹ ہو رہے ہیں اَب مجمع شور مچا رہا ہے:

نواب یار جنگ ۔ نواب یار جنگ

قائداعظم' نواب بہادر یار جنگ کو تقریر کا حکم دیتے ہیں' اور جب بہادر یار جنگ ڈائس پر مائیکروفون کے سامنے آتے ہیں تو قائداعظم مسکراتے ہوئے سامنے سے ٹائم پیس اور گھنٹی ہٹا کر ایک کارکن کے حوالے کر دیتے ہیں اور مجمع میں ایک خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

نواب بہادر یار جنگ قائداعظم کو مخاطب کرتے ہوئے یوں آغاز تقریر فرماتے ہیں:

قائداعظم! آپ نے مجھے اس وقت تقریر کرنے کا حکم دیا ہے جب کہ لیلیٰ شب کی زلف اس کی کمر سے بھی نیچے لہرانے لگی ہے۔

اس کے بعد نواب بہادر یار جنگ جب اپنی تقریر کے اس حصّے پر پہنچے جو پنجاب میں خواتین کے حقوق سے متعلق تھا فرمایا:

پنجاب پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی ثابت ہوگا' آپ کو اللہ نے موقع دیا ہے' اسلامی قوانین کو جاری و ساری رکھیں تاکہ پاکستان بننے کے بعد آسانی ہو۔

لیکن مجھے افسوس ہوتا ہے یہ دیکھ کر کہ آپ کی حکومت میں شریعت سے زیادہ رواج کو ترجیح دی جاتی ہے اور وہی پنجاب جو پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی ثابت ہوگا اس میں عورت کے لئے باپ کے ورثے میں کوئی حصّہ نہیں ہے حالانکہ یہ شریعت کے خلاف ہے' نواب بہادر یار جنگ کا اتنا ہی کہنا تھا کہ خواتین لیڈروں نے شیر دکن زندہ باد' شیر دکن زندہ باد کے نعرے لگائے' نواب صاحب نے پلٹ کر ان خواتین کی طرف دیکھا اور پوچھا' کیا قرآن کی روشنی میں حقوق طلب کر رہی ہو؟ عورتوں نے جواب دیا ''قرآن کے احکام پر ہم جان دینے کے لئے تیار ہیں''۔
تب نواب صاحب نے بڑے گمبھیر لہجے میں کہا:

تو سنو قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ عورت کو شمع محفل نہیں چراغ خانہ ہونا چاہئے۔

نواب صاحب کا اتنا ہی کہنا تھا جیسے جلسہ گاہ میں ہنگامہ سا مچ گیا' لیکن نواب صاحب کی جادو بیانی نے فوراً ہی جلسے پر قابو پالیا' ویسے حاضرین نواب صاحب کی خلاف توقع برہمی مزاج کو

محسوس کر چکے تھے اس کے بعد نواب صاحب نے ان مسلم لیگیوں کا ذکر کرنا شروع کیا جو بظاہر تو مسلم لیگ کے ساتھ تھے اور اندرونی طور پر مسلم لیگ سے دور ہوتے جا رہے تھے۔

اسی ذکر کے دوران نواب صاحب نے خاص طور پر خضر حیات خاں ٹوانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

ایسے مسلم لیگی حضرات کو یہ چاہئے کہ وہ یکطرفہ فیصلہ کر لیں ورنہ پھر مؤرخ لکھے گا۔

خضر نے اپنے ہاتھ سے آب حیات کا جام پھینک کر خود اپنے آپ کو شریک قسمت سکندر کر لیا۔

اس موقعہ پر ڈائس سے ایک رہنما اٹھے اور قائداعظم کے قریب گئے اور ان کے کان میں کچھ کہا جس پر قائداعظم نے ایک چٹھی لکھی اور اس رہنما کے ذریعے نواب بہادر یار جنگ تک پہنچا دی۔

نواب بہادر یار جنگ تقریر کرتے کرتے رکے' قائداعظم کی وہ چٹھی پڑھی اور حاضرین جلسہ سے معافی مانگتے ہوئے بولے۔

معاف کرنا حضرات! اب اچانک میری پٹھاں رگ پھڑک اٹھی ہے' اب میں آپ کی بجائے اپنے چند دوستوں سے مخاطب ہوں۔

(چٹھی میں قائداعظم نے یہ لکھا تھا کہ آپ تقریر کا موضوع بدل کر چندے کی اپیل کر کے بیٹھ جائیے)۔

اب مائیکروفون کا منہ ڈائس کی طرف ہے اور نواب بہادر یار جنگ کی پیٹھ حاضری جلسہ کی طرف ہے اور نواب صاحب نے براہ راست قائداعظم کو مخاطب کر کے آغاز تقریر کیا:

میرے پیر و مرشد قائداعظم! آج زندگی میں پہلی بار آپ سے گستاخی کر رہا ہوں' اگر میرے الفاظ آپ کے بعض رفقاء کو ناگوار خاطر گذرتے ہیں تو میری التجا ہے کہ آئندہ مسلم لیگ کا دعوت نامہ مجھے نہ بھیجا جائے' میرے قائداعظم! بصد آداب گذارش کرتا ہوں کہ میں کوئی بھانڈ نہیں جو جلسے میں چندے کی اپیل کروں اور چلا جاؤں' میں جانتا ہوں بقول اقبالؔ۔

اپنے بھی خفا مجھ سے اور بیگانے بھی ناخوش

میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

اور میرا مسلک:

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

قائداعظم! اگر آپ کے پاکستان کی سیاست قرآن کے منبع فیض سے سیراب نہیں ہوتی ہے تو میں اسے سراب سے زیادہ ترجیح نہیں دیتا۔

ممکن ہے زمانہ راستوں میں کچھ تبدیلیاں کر دے لیکن اگر منزل قرآنی منزل نہیں ہے تو ذلت وخواری کے جہنم کے سوائے کچھ نہیں ہے۔

قائداعظم! میں بعض رفقاء کی چشم وآبرو کی جنبش سے یہ اندازہ لگا رہا ہوں، مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ میں آپ سے اور مسلم لیگ سے غداری کر رہا ہوں اور مسلم لیگ کے پلیٹ فارم کو ہموار کر کے حیدرآباد کی وزارت عظمیٰ کا طلبگار رہوں۔

میں اپنے انہیں رفقاء سے مخاطب ہوں کہ میری وفاداری کے دامن سے جھٹکی ہوئی خاک بھی ان کی نمائشی وفاداری کی پیشانی کا جوہر نہیں بن سکتی۔ جہاں تک حیدرآباد کی وزارت عظمیٰ کا تعلق ہے میں اس ذمہ دارانہ پلیٹ فام سے یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں کرسی وزارت پر بیٹھ کر مہمات سلطنت پر غور کرنے کے لئے نہیں بلکہ گردکوچہ وبازار بن کر قلوب کی دنیا میں طوفان برپا کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ میرا مقام صرف دامن کوہ اور وسعتِ صحرا ہے، میں وہ مزدور ہوں جو راستہ تیار کرتا ہے کہ ملتِ اسلامیہ کی گاڑی آسانی سے منزل مقصود تک پہنچ جائے اور میرے لئے یہی فخر کافی ہے کہ میں وابستہ دامنِ محمدیہ سے ہوں۔

قائداعظم! میں آپ کے توسط سے انہیں یہ سنانا چاہتا ہوں کہ سن لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ جس سیاست کی بنیاد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر نہیں بلکہ وہ شیطانی سیاست ہے، جسمانی ناپاکی دور ہو سکتی ہے لیکن ذہن وفکر کی گندگی وہ گندگی ہے جس کو دھونے کے لئے انبیاء جیسی ہستیاں مبعوث کی گئی تھیں۔

قائداعظم! میں پھر آپ کے توسط سے ان رفقاء سے مخاطب ہوں جو شجر ملت بن کر مہکنا

چاہتے ہیں اور پھل بن کر کام و دہن کو شیریں کرنا چاہتے ہیں ...... لیکن آج ہمیں ایسی کھاد کی ضرورت ہے جو جڑوں میں جذب ہوتی ہو‘ درخت کو تناور کرتی ہو‘ خود فنا ہوتی ہو اور دوسروں میں لذت و شیرینی پیدا کرتی ہو۔

ہمیں ایسے لوگوں کی کوئی ضرورت نہیں جو کاخ و ایوان کے نقش و نگار بن کر نگاہ نظارہ باز کی آنکھوں کو خیرہ کرنا چاہتے ہوں‘ بلکہ ہمیں بنیاد کے ان پتھروں کی ضرورت ہے جو زمین میں خود دفن ہو کر عمارت کی مضبوطی کی ضمانت قبول کرتے ہوں۔ عین اسی وقت قریب کی مسجد سے صبح کی اذاں کی آواز بلند ہوتی ہے۔

بہادر یار جنگ کا سارا غصہ جیسے کافور ہو جاتا ہے اور وہ بڑے شوخ لہجے میں موذن کو مخاطب کرتے ہیں۔

ذرا ٹھہر جا موذن میرا دل لرز رہا ہے
کہیں کعبہ گر نہ جائے تیری مستی اذاں سے

(حوالہ: نواب بہادر یار جنگ کی ایک غضبناک تقریر‘ از: ابراہیم جلیس روزنامہ جنگ ۲۶/جون ۱۹۵۹ء)

قائد ملت کی کراچی کی یادگار تقریر کے سلسلے میں کراچی کے ایک قدیم باشندے ابوبکر کے تاثرات‘ عوامی تاثرات کے مکمل ترجمان ہیں کہ جس طرح پڑھے لکھے عوام ان کی تقریروں سے متاثر ہوتے تھے وہیں عوام بھی اسی تاثر کو قبول کرتے تھے۔

”بندر روڈ پر پلازما سینما کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر پنواڑی ابوبکر کا پان کا کیبن ہے۔ اس کے کیبن میں پچھلے بیس برس سے صرف ایک تصویر لگی ہوتی ہے اور یہ تصویر ملتِ اسلامیہ کے عظیم مصلح اور فقید المثال خطیب نواب بہادر یار جنگ کی دستخط شدہ تصویر ہے۔ ابوبکر کراچی کا بہت پرانا باشندہ ہے‘ اس نے کراچی میں تحریک پاکستان کے سلسلے میں ہونے والے تمام جلسوں میں شرکت کی ہے‘ اس کا کہنا ہے کہ اس نے لیاقت علی خاں‘ قائداعظم‘ راجہ غضنفر علی خاں اور مولانا ظفر علی خاں جیسے شعلہ بیاں مقرروں کو سنا ہے اور بہت سے خطیبوں کی گھنٹوں تقریریں سنی ہیں‘ لیکن نواب بہادر یار جنگ کی تقریر سننے کے بعد اس نے پھر کسی کی تقریر سننی پسند نہ کی۔

ابوبکر نے نمائندہ مشرق کو بتایا کہ ۱۹۴۳ء کو جب شاہراہ عراق اور پیراڈائز سینما کی جگہ

ایک بڑا میدان تھا۔ میں نے پہلی بار بہادر یار جنگ کو سنا۔ پہلے قائد اعظم نے انگریزی میں تقریر کی اور پھر نواب بہادر یار جنگ نے تقریر کی‘ ابوبکر نے کہا میں گجراتی ہونے کی وجہ سے اردو کا پورا لطف تو نہ اٹھا سکتا تھا مگر جب انہوں نے بولنا شروع کیا تو جیسے ان کی آواز کا جادو میرے رگ و پے اور دل و دماغ میں سرایت کر گیا‘ مجھے بیٹھنے کی جگہ نہ ملی میں کھڑا کھڑا سنتا رہا یہاں تک کہ کئی گھنٹے گذر گئے اور جلسہ ختم ہو گیا‘ اس کے بعد میرا دل کسی اور کی تقریر کو سننے کے لئے نہ چاہا‘ اس نے بتایا وہ تقریر کے دوران جیبوں میں انگوٹھے ڈال کر گھنٹوں بلا تکلف بولتے رہے‘ جب وہ تقریر میں بگڑتے تو ان کے الفاظ اس طرح دلوں پر اثر کرتے جیسے خون کی حدت تیز ہو رہی ہو اور جسم میں ولولے کی کوئی رو دوڑ رہی ہو۔“

(حوالہ: انٹرویو شائع شدہ روزنامہ مشرق کراچی‘ مورخہ ۲۶ رجون ۱۹۶۸ء)

اسی تقریر کے تعلق سے آواز دوست کے مصنف مختار مسعود کے قلب میں اس یادگار تقریر کے طوفان کی ایک لہر جو آج بھی ان کے دل میں موجزن ہے‘ اس کا عکس جمیل ان کے احساسات قلبی کی صورت میں صفحۂ قرطاس پر لفظوں کی صورت میں متاع بے بہا اور حرف آخر ہے۔

”بہادر یار جنگ کا قد لانبا اور بدن دہرا تھا‘ وہ خدوخال سے معمر‘ فربہی سے متعبر اور ملبوس سے معزز نظر آتے تھے‘ لوگ انہیں مقرر کی حیثیت سے جانتے تھے۔ ایک بار عہدے کی پیشکش ہوئی تو کہا ”مجھے کرسی وزارت پر بیٹھ کر امور مملکت پر غور کرنے کے لئے نہیں بلکہ گرد کوچہ و بازار بن کر قلوب کی دنیا میں طوفان برپا کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔“

”بہادر یار جنگ نے یہ طوفان اپنی تقریروں سے اٹھایا تھا‘ اتنے سال گذرنے کے باوجود اس طوفان کی ایک لہر آج بھی میرے دل میں موجزن ہے۔ میں نے انہیں کئی بار سنا تھا‘ ان کی تقریر کبھی آتش فشاں ہوتی اور کبھی آبشار‘ بعض تقریروں میں یہ دونوں صورتیں جمع ہو جاتیں۔

۲۶ رڈسمبر ۱۹۴۳ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کے موقعہ پر کراچی میں کی گئی تھی‘ یہ بلا شبہ ان کی نہایت کامیاب تقریر ہے‘ خرد اور جنوں کا جو امتزاج اس تقریر میں ملتا ہے اس کی مثال اردو ادب میں جو چند تقریریں محفوظ ہیں ان میں نہیں ملتی۔

عظیم خطیب اور ایک عظیم تر انسان‘ گفتار میں فرد اور کردار میں مرد‘ ہم نے جو کچھ انہیں

سمجھا تھا وہ ان کے مرتبہ سے کم تھا' افسوس کہ ہم ان کے مقام اور ان کی منزل کو نہ پہچان سکے۔''

(حوالہ: آواز دوست' از مختار مسعود)

قائد ملت کی یہ یادگار تقریر مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کی طبع نازک پر گراں گذری مگر شیوہ حق پرستی تو اقبال کی زبان میں یہی کہتی ہے کہ:

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

عوام بھی اس حقیقت سے باخبر تھے کہ قائد ملت کی اس جرأت رندانہ نے کرگسوں میں پلے اور صحبت زاغ میں پرورش پائے ہوئے مسلم لیگی لیڈروں کو ناخوش کیا' اس خصوص میں ایک صاحب کے استفسار پر نواب صاحب نے جواباً لکھا۔

''مکرمی! مجھے آپ کا خط پڑھ کر حیرت ہوئی' کراچی میں میرے اور مسلم لیگ کی ہائی کمان کے درمیان الحمدللہ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا' حسب عادت آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کو ختم کرنے کے بعد پبلک کے مطالبہ کی تکمیل کے طور پر قائد اعظم نے مجھے تقریر کا موقعہ عطا فرمایا اور میں نے وہ تقریر کی جو اورینٹ پریس کی طرف سے تمام وکمال سارے ہندوستان کے اخبارات میں شائع ہو چکی ہے' اگر آپ کے یہاں تبادلہ میں ''رہبر دکن'' آتا ہو تو اس کی اشاعت مورخہ .... میں اس تقریر کو ضرور پڑھئے' بعض احباب اس کو ضرورت سے زیادہ سخت اور پرجوش تصور کرتے ہیں اور ایسا اختلاف میرے بیانات اور تقریروں کی نسبت ہمیشہ ہوا ہے۔ میں خود اس کا معترف ہوں کہ اپنے نظریوں اور عمل کے اعتبار سے اپنی عمر کے تقاضے کی بناء پر مسلم دنیا کے موجودہ زعماء سے میں زیادہ تیز اور پرجوش ہوں اور اس پر مجھے افسوس نہیں ہے چوں کہ ہمیشہ سچی اور کھری بات کہتا ہوں اس لئے بقول اقبال۔

''اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش''

(حوالہ: خط نمبر ۴۸۳ ص ۴۹۹ مکاتیب بہادر یار جنگ جلد اول مورخہ ۱۶ر جنوری ۱۹۴۴ء)

۱۱ر فبروری ۱۹۴۴ء کو قائد اعظم کے نام اپنے مکتوب میں کراچی کی تقریر کے بارے میں قائد اعظم کو اس حقیقت سے آگاہ فرمایا کہ ''مسلم لیگ کی بے عملی اور بے جا مصلحت اندیشی کا جو

غلط تصور آپ کی پالیسی اور حکمت عملی سے ناواقفیت کی بناء پر عوام اور خصوصاً نوجوانوں میں پیدا ہو گیا تھا اس کا اس تقریر نے بڑی حد تک ازالہ کر دیا ہے۔''

مسٹر جناح!

کراچی میں تفصیلی ملاقات کا موقع نہ ملا' اپنی رفیقۂ حیات کی علالت کی وجہ سے مجبور ہوا کہ جس دن آپ کے ساتھ کراچی کلب میں ڈنر...... کھانے کی مسرت حاصل ہوئی تھی اس کے دوسرے ہی دن ہوائی جہاز سے واپس آ جاؤں' کراچی میں مسلم لیگ کے آخری اجلاس میں میں نے جو تقریر آپ کی حکم سے کی تھی اس کی نسبت آپ کی ورکنگ کمیٹی کے کئی ارکان کو خفا پایا۔ مجھے معلوم نہیں ہے کہ خود آپ اس کی نسبت کیا رائے رکھتے ہیں لیکن اس کے جو اثرات میں محسوس کر رہا ہوں وہ یہ ہیں کہ ہندوستان کے ہر گوشہ سے میرے پاس اس وقت تک سینکڑوں خطوط وصول ہوئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم لیگ کی بے عملی اور بے جا مصلحت اندیشی کا جو غلط تصور آپ کی پالیسی اور حکمت عملی سے ناواقفیت کی بناء پر عوام اور خصوصاً نوجوانوں میں پیدا ہو گیا تھا۔ اس کا اس تقریری نے بری حد تک ازالہ کر دیا ہے۔''

مسلم لیگ کے اجلاس کراچی کی تقریر لیگی رہنماؤں کی غیر اسلامی طرز فکر کے خلاف ایک مجاہد کی وہ آواز تھی جو قرآنی انقلابی ذہن و فکر کی آئینہ دار تھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ لیگی رہنما'' ان کی سیاست قرآں سے دور' ان کا عمل اسلام کے سخت مخالف' جس دن جماعت کی روح اسلامی بیدار ہو جائے گی وہ اپنے لئے سچے زعیم خود تلاش کر لے گی۔

(خط نمبر ۴۰ ص ۵۴۱ ۵ مکاتیب بہادر یار جنگ)

کراچی کی آخری تقریر میں قائد ملت نے جس جرأت و بیباکی سے قائداعظم اور مسلم لیگی رہنماؤں کی اسلامی طرز فکر کی روشنی میں رہنمائی فرمائی اس غضبناک تقریر سے یہ تاثر بھی لیا گیا کہ کراچی میں قائد ملت اور مسلم لیگ کے ہائی کمان کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہو گئے ہیں جس پر قائد ملت نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا'' کراچی میں میرے اور لیگ کی ہائی کمان کے درمیان الحمدللہ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ حسب عادت آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کو ختم کرنے کے بعد پبلک کے مطالبہ کی تکمیل کے طور پر قائداعظم نے مجھے تقریر کا

موقعہ عطا فرمایا۔ بعض احباب اس کو ضرورت سے زیادہ سخت اور پر جوش تصور کرتے ہیں اور ایسا اختلاف میرے بیانات اور تقریروں کی نسبت ہمیشہ ہوا ہے، میں خود اس کا معترف ہوں کہ اپنے نظریوں اور عمل کے اعتبار سے اپنی عمر کے تقاضے کی بناء پر مسلم دنیا کے موجودہ زعماء سے میں زیادہ تیز اور پر جوش ہوں اور اس پر مجھے افسوس نہیں ہے، چوں کہ سچی اور کھری بات کہتا ہوں اس لئے بقول اقبال ؎

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش

(حوالہ : خط نمبر ۴۸۳، ص:۴۹۹ مکاتیب بہادر یار جنگ)

◆◆◆

اجلاس مسلم لیگ کراچی

منعقدہ ۲۶ / ڈسمبر ۱۹۴۳ء

مسلم لیگ کے اجلاس میں قائد ملت کی آخری یادگار تقریر۔

برادرانِ ملت!

مسلم لیگ کا اجلاس ہو چکا اور حسب روایت قدیم میں آپ کو مخاطب کرنے کھڑا ہوا ہوں‘ اس اجلاس کو میں مسلم لیگ کی زندگی کا نیا باب تصور کرتا ہوں اور اس کی منظور کردہ چھ میں سے تین قراردادیں میرے نزدیک سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں‘ یعنی کونسل آف ایکشن کی قرارداد‘ پنج سالہ پروگرام بنانے والی کمیٹی کی قرارداد اور نئے الیکشن کے مطالبہ کی قرارداد‘ آخرالذکر کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کروں گا‘ صرف اسی قدر کہنا کافی تصور کرتا ہوں کہ میرے پنجابی احباب سر فضل حسین کی روح پرُفتوح کے لئے چاہے کتنے شکر گذار ہوں پھر بھی اگر نئے الیکشن ہوئے تو بقول غالبؔ ۔

بھرم کھل جائے نہ ظالم تیرے قامت کی درازی کا
اگر اس طرہ پر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

صبح امید :

مجھے دوسری دونوں قراردادوں کے متعلق گفتگو کرنی ہے۔ میں ان قراردادوں کو دورِنو کا آغاز صبح امید کا نشان تصور کرتا ہوں‘ مسلم لیگ کے مستقبل کی درخشانی کی علامت سمجھتا ہوں اور اپنے قائد سے داغؔ کے الفاظ میں یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

تیور ترے اے رشک قمر دیکھ رہے ہیں
ہم شام سے اندازِ سحر دیکھ رہے ہیں

حضرات! مسلم لیگ کا احیاء اور ترقی ایک فطری احیاء اور فطری ترقی ہے جو بتدریج اور بہ استقلال عمل میں آئی اور آئندہ بھی جاری رہے گی۔ اس نے ہماری سیاسی حیات کو اچانک اور یکدم منقلب نہیں کیا بلکہ آہستہ آہستہ ہمیں منزل کی طرف بڑھایا تا کہ ہمارا قدم آگے بڑھے اور ہم پیچھے نہ ہٹنے پائیں۔

دوقومی نظریہ :

قائداعظم نے جس وقت لیگ کے زمام اپنے ہاتھوں میں لی' ہمارے دماغوں پر مختلف باطل تصورات چھائے ہوئے تھے' برادران وطن نے بہ انداز دوستی ہم کو یقین دلایا تھا کہ ہم دس کروڑ کی تعداد میں ہونے کے باوجود ہندوستان میں ایک اقلیت ہیں' یہ احساس کمتری ہمارے ہر چھوٹے بڑے میں سرایت کر گیا تھا' قائداعظم نے ہم کو یہ بتلایا کہ ہم اقلیت نہیں ہیں' دس کروڑ کی تعداد رکھنے والی کوئی جماعت اقلیت نہیں کہلا سکتی۔

> ''تم تو ایک قوم ہو مستقل قوم' جس کا قوام اقوام عالم سے بالکل ...... مختلف اور جدا ہے اور جس کی بنیاد دو ترتیب جغرافیہ' نسل و رنگ کی ادنیٰ تفریقات سے بالاتر ہے۔''

اقبال کا خواب:

جب قوم میں یہ خیال عام ہو گیا کہ ہم ایک اقلیت نہیں' ہم ایک مستقل قوم ہیں تو انہوں نے ہمیں سمجھایا کہ جس ملک میں دو قومیں آباد ہوں اور دونوں کے مذہبی اور ثقافتی تصورات میں بعد المشرقین ہو تو اس ملک میں جمہوریت صحیح طرز حکومت نہیں ہو سکتی۔ جب اس نظریے نے بھی مسلم عوام کے قلوب میں جگہ پیدا کر لی تو قائداعظم نے اقبال کے خواب کو آشنائے تعبیر کیا اور ہندوستان کے شمال مشرقی اور شمال مغربی علاقوں میں آزاد مسلم ریاستوں کا مطالبہ کیا جس کو اب عرف عام میں پاکستان کہتے ہیں۔

نعرۂ جنگ :

آج سے تین سال پہلے خود ہم میں سے بہت سے لوگ یہ کہتے تھے کہ مسلم لیگ کا یہ مطالبہ پورا نہ ہو سکے گا' لیکن ہندوستان میں کرپس کی آمد اور موجودہ پر امید حالت نے پاکستان کے

عنقریب حاصل ہونے کا تیقن پیدا کر دیا ہے' مسلمان زیادہ سے زیادہ اس مطالبہ سے وابستہ نظر آ رہے ہیں۔ اب وقت آ گیا تھا کہ مسلم لیگ اس جنگ کی تیاری کا آخری قدم اٹھائے' دہلی میں ہم نے حکومت برطانیہ کو آخری تنبیہہ دی اور آج آل انڈیا مسلم لیگ نے کونسل آف ایکشن کی تجویز پاس کر کے اس عزم کا اظہار کیا کہ اگر پاکستان افہاماً نہیں مل رہا ہے تو ہم بہ بزور بازو حاصل کریں گے۔

حضرات! وہ قائد یا سپہ سالار جس کے سپاہی مفلوج و ناکارہ ہوں' کسی مہم کو کامیابی کے ساتھ سر نہیں کر سکتا' اس کے لئے ضروری ہے کہ نعرۂ جنگ بلند کرنے سے پہلے اپنی فوجی طاقت کا اندازہ کر لے' یہ کونسل آف ایکشن اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ وہ ہر ایک صوبہ میں نہ صرف اپنی طاقت کا اندازہ کر لے بلکہ نئی طاقت پیدا کرے اور اس کو اس کے لئے تیار کرے جب قائد کی طرف سے کوچ کا حکم ملے۔

میدانِ کارزار:

مسلمانانِ ہند! جلسوں کا منعقد کر لینا' تجاویز پاس کر لینا' تقریریں کرنا' تقریریں سننا' کسی قوم کی زندگی میں انقلاب پیدا نہیں کر سکتا' جہاں تک آپ کے ذہن اور فکر کی تربیت کا تعلق تھا وہ منزل گذر چکی' اب عمل اور صرف عمل کا وقت ہے' اگر آپ اس کی طاقت نہیں رکھتے تو پاکستان کا مطالبہ کر کے اس کو ذلیل نہ کیجئے............

داغؔ گو شاعر بزم تھا مگر بعض دفعہ اس نے بڑے پتے کی باتیں کہی ہیں' کہا تو اس نے رندی اور سرمستی کے انداز میں ہے لیکن شاید ہم ہی سے مخاطب ہو کر کہا ہے کہ ؎

نہ تھی تاب اے دل تو کیوں چاہ کی
بڑا تیر مارا اگر آہ کی

اس لئے تیار ہو جاؤں اور اپنے محتاط اور عاقبت بین قائد کو یقین دلاؤ کہ اس کی پوری قوم ہر مرحلے میں اس کے ساتھ ہے۔

قائد اعظم آپ مایوس نہ ہوں' آپ کے دوست اور پرانے ساتھی حضرت اقبالؔ نے شاید آپ ہی سے مخاطب ہو کر کہا ہے ؎

اے رہبر فرزانہ مایوس نہ ہو ان سے
کم کوش سہی لیکن بے ذوق نہیں راہی

ممکن ہے آپ کو اس طبقہ سے آپ کے کام کے آدمی نہ ملیں جن کو اعلیٰ طبقہ کہتے ہیں لیکن آپ کی قوم جانباز سپاہیوں سے خالی نہیں ہے۔

عہد وفا :

قائداعظم آپ کے ایک ادنیٰ سپاہی کی حیثیت سے اجازت دیجئے کہ سب سے پہلے میں اپنے آپ کو پیش کروں جو فہرست آپ کی کونسل آف ایکشن مرتب کرے اس کے لئے حکم دیجئے کہ آپ کے اس سپاہی کا نام سب سے پہلے درج کرلیا جائے' میں آپ کو اس اجلاس کے سارے شرکاء کو سنسناتی ہوئی ہواؤں کو اس پنڈال پر چمکتے ہوئے سورج' چاند ستاروں کو' سارے کروبیوں کو اور خود خدائے قادر و قیوم کو حاضر ناظر جان کر عہد کرتا ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ مجھے اس راستے کی کسی کٹھن منزل میں کبھی پیچھے نہ پائیں گے۔

آں نہ من باشم کہ روزِ جنگ بینی پشتِ من
آں منم کہ اندر میانِ خاک و خوں بینی سرے

نذرانۂ جاں :

قائداعظم! وہ دن میرے لئے عید کا دن ہوگا جس دن ملت محمدی کے راستے میں اپنے گرہ کی آخری پائی اور اپنے خون کا آخری قطرہ نچھاور کرکے فخر و ناز کروں گا۔ جس دن میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور میرے پاؤں میں بیڑیاں ہوں گی اور جس دن میرا جسم زخموں سے چور ہوگا۔

(مجمع سے فلک شگاف نعرے بلند ہوئے کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں)

اس قدر جلد فیصلہ نہ کیجئے' میں نے اپنے جس عزم کا اظہار آج کیا ہے' وہ میرے بارہ سال کی شبانہ روز غور و فکر کا نتیجہ ہے' میں نے اس کی تیاری کی اور اس پر عمل بھی شروع کردیا ہے۔ جاؤ اپنی بیویوں کے تابناک چہروں کو دیکھو' اپنے بچوں کی مسکراہٹ کو اپنی زندگی کی ہر خوشی کو آنکھوں کے سامنے رکھ کر فیصلہ کرو' اپنی تجارت اور ذرائع معیشت کی ساری تباہیوں کا بغور تصور کرکے ایک مرتبہ تصفیہ کرو۔

مسلمانو! وہ فیصلے جو جوش کے عالم میں دوسروں کی تقلید میں کردیئے جاتے ہیں بسا اوقات آنی اوراسی لئے فانی ہوتے ہیں' آج ہمیں ان کی ضرورت نہیں ہے جوشجر ملت پر پھول بن کر مہکنا چاہتے ہوں اور پھل بن کر کام ودہن کو شیریں کرنا چاہتے ہیں' ہمیں ان کی ضرورت ہے جو کھاد بن کر زمین میں جذب ہوتے ہیں اور جڑوں کو مضبوط کرتے ہیں۔ جو مٹی اور پانی میں مل کر رنگین پھول پیدا کرتے ہیں' جو خود فنا ہوتے ہیں' اور پھول میں لذت وشیرینی پیدا کرتے ہیں' ہم کو ان کی ضرورت نہیں' جو کاخ وایوان کے نقش ونگار بن کر نگاہ نظارہ باز کو خیرہ کرنا چاہتے ہوں' ہم ان بنیاد کے پتھروں کو چاہتے ہیں جو ہمیشہ کے لئے زمین میں دفن ہوکر اور مٹی کے نیچے دب کر استحکام عمارت کی ضمانت دے سکتا ہوں' میں نے کل کہا تھا اور آج پھر بتا دینا چاہتا ہوں کہ ؎

ایسی کوئی دنیا نہیں افلاک کے نیچے : بے معرکہ ہاتھ آئے جہاں تخت جم و کے

پاکستان کا تعمیری لائحہ عمل:

حضرات! اس اجلاس کی دوسری خصوصیت پلاننگ کمیٹی یعنی پنجسالہ پروگرام یا لائحہ عمل مرتب کرنے والی جماعت کا قیام ہے۔فارسی کا قول ہے ؎ مرد آخربیں مبارک بندہ ایست

آج دنیا میں وہ لوگ بھی جو عالمگیر جنگ کی کشمکش میں مبتلا ہیں اور جس کی فتح وشکست کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی جاسکتی اس وقت جب کہ ان کی کشتی حیات گرداب فضاء میں چکر کھا رہی ہے۔ساحل کے نقشے تیار کررہے ہیں' ہر جگہ تعمیر بعد از جنگ کی تیاریاں ہورہی ہیں' ہم نے بھی پاکستان کو اپنے سامنے پاکر اگر پاکستان کے مستقبل' ترقی وخوشحالی کے متعلق سوچنا شروع کردیا تو حقیقت یہ ہے کہ بہت صحیح قدم اٹھایا ہے۔

پاکستان کا دستوری نظام :

حضرات! پاکستان کا حاصل کرلینا اتنا مشکل نہیں جتنا کہ پاکستان کو پاکستان بنانا اور قائم رکھنا مشکل ہے' آپ کے قائد نے ایک سے زائد مرتبہ اس کا اعادہ فرمایا ہے کہ مسلمان اپنی حکومتوں میں ...... کسی دستور اور قانون کو خود مرتب کرنے کا حق نہیں رکھتے' ان کا دستور مرتب و متعین ان کے ہاتھوں میں موجود ہے اور وہ قرآن مجید ہے کتنی صحیح نظر اور کتنے صحیح فیصلے ہیں' اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ ہم پاکستان صرف اس لئے نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کے لئے

ایک ایسی جگہ حاصل کرلیں جہاں وہ شیطان کے آلہ کار بن کران ہی دستا تیر کا فرانہ پر عمل کریں جس پر آج ساری دنیا کار بند ہے' اگر پاکستان کا یہی مقصد ہے تو کم ازکم میں ایسے پاکستان کا حامی نہیں ہوں' اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہم پاکستان اس لئے چاہتے ہیں کہ وہاں قرآنی نظام حکومت قائم ہو۔ یہ ایک انقلاب ہوگا' یہ ایک نشاۃ ثانیہ ہوگی' یہ ایک حیات نو ہوگی جس میں خوابیدہ تصورات اسلامی ایک مرتبہ پھر جاگیں گے اور حیات اسلامی ایک مرتبہ پھر کروٹ لیں گے' پلاننگ کمیٹی آپ کے لئے جو دستوری اور سیاسی نظام مرتب کرے گی' اس کی بنیادیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر ہوگی' سن لیجئے اور آگاہ ہوجایئے کہ جس سیاست کی بنیاد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر نہیں ہے وہ شیطانی سیاست ہے اور ہم ایسی سیاست سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

قائداعظم نے زور سے اور بڑے جوش سے میز پر مکاّ مار کر فرمایا ''تم بالکل درست کہتے ہو۔'')

لیجئے قائداعظم نے میری اس قول پر مہر تصدیق ثبت کردی'

پاکستان کا تعلیمی نظام :

اس پلاننگ کمیٹی کا مقصد یہ ہے کہ وہ مسلمانانِ ہند کو عموماً اور مسلمانانِ پاکستان کو خصوصاً پاکستان میں زندہ رہنے کے قابل بنائے اور پاکستان کے لئے خالص اسلامی نقطۂ نظر سے معاشرتی' تعلیمی' معاشی اور سیاسی نظام عمل مرتب کرے۔

دنیا جانتی ہے کہ دنیا کا کوئی انقلاب عملی صورت نہیں اختیار کرسکتا جب تک پہلے ذہنی حیثیت سے مکمل نہ ہوجائے' تاریخ عالم گواہی دیتی ہے کہ ہر انقلاب کو عملی صورت اختیار کرنے سے پہلے ذہنی انقلاب سے گزرنا پڑتا ہے۔

تاریخ انقلاب میں صرف محمدیؐ انقلاب ہی ایک ایسا انقلاب تھا جس نے بائیس برس کی قلیل مدت میں ان دونوں منزلوں کو طئے کیا۔ ذہنی انقلاب کے پیدا کرنے کی ایک صورت تو یہی اجتماعات اور محفلیں ہیں لیکن انقلاب کو وجود میں لانے کا مستقل اور بنیادی ذریعہ صحیح اور موثر تعلیمی نظام کی ترویج ہے۔

ہندوستان کی سب سے بڑی بدبختی یہی تھی کہ یہاں کا تعلیمی نظام اس قوم نے مرتب کیا جو

نہ صرف ہندوستان کی سرزمین اور اس کے معاشی ذرائع پر قابض ہونا چاہتی تھی بلکہ اس کی ذہن و فکر پر بھی اپنا قبضہ جمانا چاہتی تھی اس مقصد کے لئے اس نے ہماری تاریخ کو اس انداز سے ہمارے سامنے پیش کیا کہ ہم ایک دوسرے کے دشمن اور خون کے پیاسے بن کر رہ گئے جس نے ہم میں خودفراموشی کو بڑھایا اور خوداعتمادی کو گھٹایا' جس نے ہماری مشرقی خصوصیات کو فنا کیا اور ہمیں مغربی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا' ضرورت ہے کہ مستقبل کے لائحہ عمل میں سب سے پہلا مقام تعلیمی نظام کو دیا جائے' ایسا تعلیمی نظام جس کی بنیاد کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ ﷺ پر ہو' جس نظامِ تعلیم سے گذرنے کے بعد مسلمانوں کا بچہ اسلامی نظام میں نشوونما پائے تاکہ وہ اپنی عملی زندگی میں ملتِ اسلامیہ کی صحیح خدمت انجام دے سکے۔ میں اعلیٰ تعلیم کے مقابلہ میں ابتدائی تعلیم کو زیادہ اہمیت دیتا ہوں' ابتدائی تعلیم بنیاد ہے' جس کی مضبوطی پر عمارت کے استحکام کا انحصار ہے' ہم واردھا اسکیم کی مخالفت میں آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں' اس کے مصنفین کے خلاف سب وشتم کا ہنگامہ بپا کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہمارے پنڈال کی فضاء گونجنے لگتی ہے لیکن اگر کوئی پوچھے کہ تم کیا چاہتے ہو تو ہمارے پاس متبادل اسکیم کی صورت میں کوئی جواب نہیں ہوتا' آپ کی یہ پلاننگ کمیٹی مفکرین اسلام کے مشورے سے پاکستانی مسلمانوں کی تعلیم کے لئے اپنا ہی نظام مرتب کرے گی' یاد رکھو' قوم کی بے عملی صرف اخلاقی پستی پیدا نہیں کرتی بلکہ اس قوم کی سیاسی غلامی کا سب سے بڑا سبب ہوتی ہے' آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنے تمام وسائل اس کمیٹی کی کامیابی کے لئے استعمال کریں۔

پاکستان کا معاشی نظام :

دوسرا اہم مسئلہ جو اس کمیٹی کے دائرہ کار میں شامل ہوگا' آپ کی معاشی تنظیم کا ہے' آپ جانتے ہیں کہ دنیا کی موجودہ کشمکش سرتاسر معاشی ہے جو لڑائی اس وقت لڑی جارہی ہے اس کے اسباب پر اگر گہری نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ معاشی اور صرف معاشی مسائل اس کی تہہ میں کارفرما ہیں۔

اسلام کا آفتاب دنیا کے افق پر اس وقت طلوع ہوا جب کہ دنیا کے ایک طرف سیم و زر کے فلک بوس پہاڑ تھے اور اس کی دوسری طرف نکبت و افلاس کے عمیق غار نظر آرہے تھے' نام نہاد

پیشواؤں نے مذہب کو آلہ کار بنا کر بنی نوع انسان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے اور خود ساختہ اصول کے تحت اعلیٰ وادنیٰ کا امتیاز قائم رکھا تھا' شہنشاہیت اور سرمایہ داری کا دور دورہ تھا' محمد رسول اللہ ﷺ نے بہ یک جنبش لب لا اله الا الله کہہ کر عظمت وجلال حق سے باطل کی ساری عمارتوں کو مسمار کر دیا اور تبلیغ وتوحید سے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان غاروں کو بھرا جو افلاس و نکبت نے پیدا کر دیئے تھے اور انسانیت کی سطح ایک کر دی تھی' محمد عربی ﷺ کی محفل میں ہم بلال حبشیؓ کو ہم دوش ابوبکرؓ اور عمار سرؓ کو ہم نشیں ابن خطابؓ دیکھتے ہیں' امتناع سود سے سرمایہ داری کی جڑیں کٹ گئیں' وراثت کے قانون نے دولت کے جمع ہونے کے راستے روک دیئے' زکوٰۃ نے اس دولت کو جو کسی نہ کسی طرح ان موانع کی موجودگی میں جمع ہوتی جبراً تقسیم کر دیا اور ارتکاز دولت یا جمع مال کی مذمت اور الفاق فی سبیل الله کی تلقین نے مدینہ میں عہد رسالت کے آخری ایام کو مسکین کے وجود سے خالی کر دیا' الارض للہ کا قرآنی پیغام سنا کر نبی امی ﷺ نے زمین کی ملکیت صرف خدا اور اس کے خلیفہ یعنی اسلامی اسٹیٹ کے لئے مخصوص کر دی' نہریں جنگل' معدنیات وغیرہ یہ سب اسٹیٹ کی مشترک ملک قرار پائے اور کسی فرد واحد کا یہ حق نہ رہا کہ ان کے ذریعہ دولت کے ڈھیر جمع کرے' زکوٰۃ کے تعلق سے اجمالاً واشارتاً یہ بات ذہن نشیں رکھنے کے قابل ہے کہ یہ اسلامی ٹیکس آمدنی پر وصول نہیں کیا جاتا بلکہ سرمایہ پر وصول کیا جاتا ہے اور ان سارے ٹیکسوں سے بڑھ جاتا ہے جو آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد انسانیت نے اپنی ترقی یافتہ ضرورتوں کے مدنظر وضع کئے ہیں کیا اس نظام کی موجودگی میں کسی اور معاشی نظام کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی بھی ضرورت ہے؟

میں محسوس کر رہا ہوں اور پوری شدت کے ساتھ محسوس کر رہا ہوں کہ روس کی اس جنگ میں انگلستان کے ساتھ شرکت نے ہندوستان کے لئے کمیونزم کی تبلیغ اور دعوت کے دروازے کھول دیئے ہیں اور کمیونسٹ مبلغین کو موجودہ گرانی اور قلت اجناس نے موقع بہم پہنچایا ہے کہ غریبوں کے سامنے روٹی اور کپڑے کا نعرہ بلند کر کے ان کو کمیونزم کی طرف گھسیٹیں' میں اپنے نوجوانوں کو ہندو نوجوانوں سے زیادہ اس مذہب معاش کی طرف متوجہ ہوتا دیکھ رہا ہوں اگر کمیونزم کے معنی صرف یہ ہیں کہ دنیا سے غربت وافلاس کو مٹایا جائے اور ہر انسان کو روٹی اور کپڑا مہیا کیا جائے تو میں اپنے

آپ کو سب سے بڑا کمیونسٹ کہہ سکتا ہوں' اور اگر اس کے پیچھے یہودی کارل مارکس کا وہ فلسفہ کام کر رہا ہے جس کی بنیاد انکار خدا پر ہے تو میں کمیونزم سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔

اسلام کی بنیاد وجود باری کے عقیدے پر رکھی گئی ہے اور اگر مسلمان اس سے ہٹ رہا ہے تو اسلام سے ہٹ رہا ہے' سیدھے راستے سے ہٹ رہا ہے' خیر سے ہٹ کر شر کی طرف جا رہا ہے' سلامتی کی منزل سے منہ موڑ کر تباہی کے غار میں گرنا چاہتا ہے' میں اس اجلاس میں اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ:

''ہمارے پنڈال سے وہ لوگ اٹھ جائیں جو خدا کے انکار پر اپنے معاشی نظام کی بنیاد رکھتے ہیں' قرآن کے واضح اور اٹل احکامات میں تحریف و اضافہ کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اور جو روٹی کپڑے کے بدلے مسلمان کا ضمیر اور اس کا ایمان خریدنا چاہتے ہیں۔''

(مجمع سے بے پایاں شور بلند ہوتا ہے ''ہم صرف اسلامی نظام چاہتے ہیں'')

مجھے یقین ہے کہ ہمارے پلاننگ کمیٹی جب پاکستان کے لئے معاشی نظام مرتب کرے گی تو اس کی بنیاد قرآنی و اسلامی نظام معاشی پر ہوگی۔

(قائد ملت زندہ باد' قائد اعظم زندہ باد کے فلک شگاف نعرے)

قائد اعظم! میں نے پاکستان کو اسی طرح سمجھا ہے اور اگر آپ کا پاکستان یہ نہیں ہے تو ہم ایسا پاکستان نہیں چاہتے۔

(قائد اعظم نے مسکراتے ہوئے فرمایا ''آپ مجھے قبل از وقت کیوں چیلنج دے رہے ہیں'')

نہیں قائد اعظم! میں چیلنج نہیں دے رہا ہوں' میں اس چیلنج کے ذریعہ آپ کے عوام کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ آپ ایسا ہی پاکستان چاہتے ہیں جس کا اس وقت اجمالی تصور پیش کیا گیا ہے۔

نشأۃ ثانیہ

برادرانِ ملت! یاد رکھیئے پلاننگ کمیٹی کا تقرر آپ کی سیاسی زندگی کی نشأۃ ثانیہ ہے وہ قوم جو تعلیمی اور معاشی حیثیت سے آزاد نہ ہو سیاسی حیثیت سے کبھی آزاد نہیں ہو سکتی' تعلیمی اور معاشی غلامی کے ساتھ سیاسی آزادی غلامی کی بدترین قسم ہے۔

اپنی تقریر کو ختم کرتے ہوئے میں آپ کی توجہ اس امر کی جانب خصوصیت کے ساتھ

مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ پاکستان کا مطالبہ کر کے اگر آپ ایسا ملک چاہتے ہیں جس میں پاک لوگ بستے ہوں اور جو خیالات کے اعتبار سے افکار و اعمال اور کردار کے لحاظ سے پاک ہوں تو میرے دوستو یاد رکھو کہ جسمانی ناپاکی دور ہو سکتی ہے اور آسانی سے دور ہو سکتی ہے لیکن ذہن و فکر و عمل کی ناپاکی وہ گندگی ہے جس کو دور کرنے کے لئے خدا نے انبیاء جیسی ہستیاں پیدا کی ہیں وہ اسی وقت دور ہو سکتی ہے جب نبی کی اتباع کی جائے' کیا ان ناپاکیوں میں آلودہ ہو کر جھوٹ کو اپنا شعار بنا کر مکر و فریب میں مبتلا رہ کر ظلم و استبداد کو جاری رکھ کر کیا ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم پاک ہیں اور اگر ہم ان گندگیوں سے پاک نہ ہوئے اور ہمیں ہندوستان کے دونوں گوشوں میں خود مختار حکومت بھی مل گئی ہے تو کیا وہ پاکستان کہلانے کی مستحق ہو گی؟

پاک بننے کی اس کوشش کو آج سے شروع کر دو اور یاد رکھو کہ نہ صرف پاکستان میں رہنے کے لئے پاک بننے کی ضرورت ہے بلکہ پاکستان کے حصول کے لئے بھی پاک بننے کی ضرورت ہے' مکر و فریب کی سیاست طالبان پاکستان کی سیاست نہیں ہو سکتی۔

آپ کی کونسل آف ایکشن کا سب سے پہلا طریقہ یہ ہو گا کہ پاکستان کی جنگ لڑنے والے سپاہیوں کو آج سے پاک بنانا شروع کر دے' مگر آہ! یہ ایک حقیقت ہے کہ سپاہی اس وقت تک پاک نہیں ہو سکتا جب تک کہ ایک ایک سپہ سالار پاک نہ ہو جائے۔

سن لو اور یاد رکھو! اسلام کے عہد حاضر کا سب سے بڑا مفکر کیا کہہ رہا ہے:

عطار ہو' رومی ہو' رازی ہو غزالی ہو : کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی
دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ : ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللٰہی

(شہ نشیں پر بیٹھنے والوں کی طرف مخاطب ہو کر قائد ملت نے فرمایا)

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

نوائے سروش :

برادران ملت! اس زندگی ناپائیدار میں انسان کا عمل ہی اسے حیات دوام بخشتا ہے' آپ نے جس توجہ' خلوص اور محبت کے ساتھ میرے خیالات کو سنا ہے اس کے لئے میں آپ کا بہ صمیم

قلب سے شکر گذار ہوں۔

ہماری منزل اگرچہ نمایاں ہو کر نگاہوں کے سامنے آچکی ہے اور ہمیں اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ ہم اپنے عظیم قائد کی رہنمائی میں منزل سے ہمکنار ہو کر رہیں گے لیکن راستے کے خطرات سے آگاہ کیئے بغیر نہیں رہ سکتا' وقت کے تندو تیز طوفانوں میں اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ابتلاء و آزمائش کی کٹھن ساعتوں میں کتنے ہی سپاہی بچھڑ سکتے ہیں' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں آئندہ آپ کے درمیان نہ رہوں' اسی لئے میں نے آپ کا بہت وقت لیا ہے' میری آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے عظیم مقصد میں عظیم کامیابی عطا فرمائے۔

آخر میں اس مختصر سی دعا کے ساتھ جس کی برکات بے اندازہ ہیں رخصت ہوتا ہوں۔

یا ربنا یا احرم الراحمین

رحم کن برحال ما یا رحمۃ للعالمین

خدا حافظ

◆◆◆

حصولِ پاکستان کی جدوجہد میں

نواب بہادر یار جنگ کا حصہ

''دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک پاکستان اگرچہ صرف ایک ہی رات میں معرض وجود میں آیا تاہم جب کبھی بھی میں ماضی کی دھندلکوں میں جھانکتا ہوں تو مجھے مسلمانوں کے اس سب سے بڑے اور عظیم الشان وطن کے نشانات برسوں دور سے نظر آتے چلے جاتے ہیں۔

برسوں دور سرزمین ہمالہ کے دامن میں جناب شہید سلطان ٹیپو کے مقدس لہر کے سرخ سرخ پھول کھلے ہیں، ٹھیک وہیں سے گلستان پاکستان کی مہک محسوس ہونے لگتی ہے۔

اس زمانے میں پاکستان کے کئی نام تھے، ٹیپو کا قلعہ سرنگا پٹم .... پاکستان، سراج الدولہ کا میدان پلاسی .... پاکستان، بہادر شاہ ظفر کا زندان .... پاکستان، سرسید کی درسگاہ علیگڈھ .... پاکستان، حالیؔ کی مسدس .... پاکستان، محمد علی جوہر کا ہمدرد .... پاکستان، اقبال کا خواب .... پاکستان، اور بہادر یار جنگ کی آواز کا شعلہ .... پاکستان۔

ہندوستان کے سیاسی اندھیرے میں مسلمانوں کے اقتدار کا پہلا چراغ سلطان ٹیپوشہید کے لہو سے جلا اور اس چراغ کے اجالے میں سرسید احمد خاں سے اقبال تک، اقبال سے بہادر یار جنگ تک اور بہادر یار جنگ سے قائداعظم تک .... ان محسن رہنماؤں کے قدموں سے مسلمانوں کے اقتدار اعلیٰ کا ایک نیا راستہ ہموار ہوتا چلا گیا اور بالآخر یہ راستہ جب بحیرۂ عرب کے ساحلی شہر کراچی تک پہنچ گیا تو ٹھیک آدھی رات کو اچانک ساری دنیا ''پاکستان زندہ باد'' کے گرجدار نعروں سے گونج اٹھی، اور ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کے سورج کا اجالا پھیلتے ہی دنیا والوں نے بڑی حیرت سے دیکھا کہ دنیا کے نقشے پر ایک نیا اور سب سے بڑا اسلامی ملک معرض وجود میں آچکا

ہے اور دنیا کے دوسرے سارے ملکوں کے رنگ برنگے جھنڈوں میں ایک نیا سبز ہلالی پرچم بھی بڑی شان سے بلند ہوکر بڑے کروفر سے لہرا رہا ہے۔

کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ اگر ہندوستان کی سرزمین پر ٹیپو کا لہو نہ گرتا سرسید نے درسگاہ علیگڈھ کی بنیاد نہ رکھی ہوتی، بی اماں نے محمد علی جوہر کو نہ جنم دیا ہوتا، اقبال نغمہ سرا نہ ہوتا اور بہادر یار جنگ کی گرجدار آواز سرزمین ہمالہ کو نہ جھنجھوڑتی......تو کیا پاکستان بن سکتا تھا؟؟۔

لیکن یہ کیسے بے لوث اور بے نیاز محسن ہیں، خود تو دو دو گز کی مختصر سی قبروں میں سمٹ گئے اور دس کروڑ مسلمانوں کے لئے اتنا بڑا اور ایسا عظیم الشان وطن لے کر دے دیا، خود ایک نظر بھی اسے نہیں دیکھا۔

میں ہر اس مسلمان کے لئے عقیدت سے اپنا سر جھکا دیتا ہوں جس نے اپنے لہو سے پاکستان کی سرحد کو اور زیادہ تابانی عطا کی ہے، خواہ وہ مسلمان ٹیپو شہید ہو، خواہ وہ گمنام شہید جو ہندوستان سے پاکستان کے سفر میں ۱۹۴۷ء کے سنگ میل کے آس پاس کہیں بھی شہید ہوا ہو۔

لیکن اس وقت تو میرا سر دوسرے ٹیپو نواب بہادر یار جنگ کے آگے خم ہے جن کی آواز کے دہکتے شعلوں نے جہاں غیر ملکی غلامی کی زنجیریں پگھلا دیں وہاں ان تابناک شعلوں نے پاکستان جانے والے ہر راستے کو فروزاں اور جگ مگ کر دیا۔

پہلے پہلے تو اس آواز کی گھن گرج صرف کوہستان، بندھیاچل کی وادیوں میں گونجتی رہی، لیکن جیسے جیسے یہ آواز جواں ہوتی گئی اس کا جادو بھی سر چڑھتا گیا اور پھر تو ایورسٹ اور ہندوکش کی چوٹیاں بھی لرزنے لگیں، خلیج بنگال اور بحیرۂ عرب تک اس آواز نے بلا کا تموج پیدا کر دیا تھا اور اس آواز کو قائداعظم محمد علی جناح تک نے خراج تحسین پیش کیا۔

(حوالہ: پاکستان زندہ باد از: ابراہیم جلیس ص ۴۱، ۴۲ مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں۔ کراچی)

تحریک پاکستان کو برصغیر پاک و ہند کے عوام میں مقبول بنانے میں جو کردار نواب صاحب کا رہا اس کو تاریخ تحریک پاکستان کا مورخ کبھی فراموش نہیں کر سکتا، نواب صاحب نے تحریک پاکستان کے نازک دور میں جو خدمات انجام دیں اس کا اعتراف خود قائداعظمؒ نے بارہا کئی مواقع پر کیا، قائداعظمؒ کا یہ اعتراف تاریخ میں سند کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس عقیدت ومحبت کی قدر مشترک تحریک پاکستان تھی' ملت اسلامیہ پاک وہند کی قیادت کا سارا بوجھ قائداعظم کے نحیف ونا تواں کندھوں پر تھا' تاریخ کی اس عظیم تحریک کے لئے ایسی شخصیات کے اشتراک وتعاون کی شدید ضرورت تھی جن کا کردار بے داغ اور جن کا خلوص تحریک کے ساتھ بے لوث ہو۔ قائداعظم جیسے جوہر شناس کو ایسے جواہر کی تلاش تھی جو قدر و قیمت میں بے بہا اور جن کی آب وتاب لازوال ہو قائداعظم کی گہر شناس نظروں نے بہادر یار جنگ کا انتخاب کیا' مسلم لیگ کے ہر اجلاس کے موقعہ پر نواب صاحب مرحوم موجود ہوا کرتے تھے اور اجلاس کے ختم پر قائداعظم نواب صاحب مرحوم کو خطاب کی دعوت دیا کرتے تھے۔ تحریک پاکستان اپنے سفر کے دوران بڑے نصیب وفراز سے گذری۔ بعض ایسے مواقع آئے کہ اگر مسلم لیگ کو سنبھالا نہ ملتا تو مسلم لیگ افتراق وانتشار کا شکار ہو جاتی' اسی لئے قائداعظم نے نواب صاحب مرحوم کے متعلق ارشاد فرمایا کہ:

''بڑے بڑے نازک مواقع پر نواب صاحب میرے لئے معین ورہبر ثابت ہوئے۔''

سرحد میں انتخاب ہونے والے تھے' وہاں کی فضاء مسلم لیگ کے لئے سازگار نہیں تھی' خدائی خدمت گاروں نے مسلم لیگ کے کارکنوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا۔ قائداعظم کی تمنا تھی کہ مسلم لیگ انتخاب جیت لئے' انہوں نے سردار اورنگ زیب کو عیادت کے جواب میں لکھا کہ

''میرے زخم اسی وقت مندمل ہوں گے جب کہ چاروں انتخابات مسلم لیگ جیت نہ لئے۔''

قرعۂ فال بہادر یار جنگ کے نام نکلا' نواب صاحب نے ایک دو ماہ میں پشتو زبان سیکھی اور صوبہ سرحد کا دورہ کیا' ان کی تقاریر کا یہ نتیجہ نکلا کہ مسلم لیگ نے بھاری اکثریت سے انتخاب جیت لیا۔

بہادر یار جنگ کا تحریک پاکستان کے سفر میں مجاہدانہ کارنامہ یہ ہے کہ ان کی بدولت ۱۹۴۰ء میں لاہور میں مسلم لیگ کا وہ سالانہ اجلاس منعقد ہوا جو تحریک پاکستان کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے جس اجلاس میں قرارداد پاکستان پیش کی گئی۔

(حوالہ: نواب بہادر یار جنگ اور تحریک پاکستان' از: محمد عبدالہادی صدیقی' ص: ۴۹ تا ۵۲' مضمون مشمولہ تاریخ وتحریک پاکستان' ناشر گورنمنٹ نیشنل کالج' شہید ملت روڈ' کراچی)۔

گنگا جمنا کے سنگم پر کھڑے ہو کر جب اقبالؔ نے پاکستان کا خیال پیش کیا تو اسے شاعر کے خواب سے تعبیر کیا گیا لیکن صرف دس برس بعد اقبال کی ابدی آرام گاہ لاہور میں مسلم لیگ کے اجلاس میں قرارداد پاکستان پیش کی گئی' اور یہی قرارداد مسلمانوں کا نصب العین قرار پائی' لیکن جن حالات میں یہ قرارداد پیش کی گئی اور مسلم لیگ کا اجلاس منعقد ہوا وہ ناقابلِ فراموش ہیں اور اس جلسہ کے انعقاد اور کامیابی میں بھی حیدرآباد کے ایک فرزندِ جلیل کی فراست اور خطابت کا بڑا دخل ہے۔صرف بہادر یار جنگ کی تنہا ذات تھی جو اجلاس کے التواء کی مخالف تھی' انہوں نے قائداعظم کو اپنی ذاتی عقیدت اور اثر کی وجہ سے اجلاس کو ملتوی نہ کرنے پر راضی کر لیا اور مسلم لیگیوں کی اسپیشیل ٹرین لاہور کی جانب روانہ ہوئی' پاکستان کا پہلا کارواں اور ہراول دستہ جو اپنے رہنما' سپہ سالار اور ہمسفروں' سپاہیوں اور حدی خوان پر مشتمل تھا' اقبال کی ابدی آرام گاہ لاہور کی طرف چل پڑا' ایک شاعر اعظم کے خواب کو قوم کا نصب العین بنانے کے لئے!

اس کاروان کے حدی خوان بہادر یار جنگ تھے' انہوں نے لاہور پہنچتے ہی خاکساروں کے ایک ایک کیمپ کا دورہ کیا اور اپنی عدیم المثال خطابت سے نوجوانوں کے سلگتے ہوئے جذبات کو سرد کر دیا۔ تکدر اور بے یقینی کی فضاء ختم ہوگئی اور پہلے اجلاس عام کی پہلی تقریر بھی بہادر یار جنگ کی تھی' اس تقریر نے جادو کا اثر کیا' پنڈال قائداعظم زندہ باد' پاکستان زندہ باد کے نعروں سے گونجنے لگا' حتی کہ چند گھنٹے پہلے تک سر سکندر کے نام سے بھڑکنے والے سکندر زندہ باد کا نعرہ لگانے لگے اور غلط فہمیوں کا پیدا کردہ ماحول خوشگوار عقیدت سے بدل گیا۔

تیرے نفس سے ہوئی آتشِ گل تیز تر
مرغِ چمن ! ہے یہی تیری نوا کا صِلہ

(حوالہ: اقبال اور حیدرآباد' از: نظر حیدرآبادی' ص:۱۷۷۔۱۸۸)

علمی' ذہنی اور لسانی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اس مقصد اعلیٰ یعنی قیام پاکستان کو جسے وہ مسلمانانِ ہند کی بقا کا واحد حل سمجھتے تھے اپنا نصب العین بنا لیا تھا' اس کی خاطر انہوں نے تمام ہندوستان کی خاک چھانی اپنی سحر بیانی اور زور خطابت سے مسلمانانِ ہند کے دل گرمائے اور ان کے جوش ایمانی کو جھنجھوڑا' یہ صحیح ہے کہ وہ اپنی فصیح و بلیغ تقریروں سے ہمیشہ ''لسان الامت'' ہونے

کا ثبوت دیتے رہتے لیکن قرارداد لاہور یعنی عرف عام میں تجویز پاکستان کے پیش ہونے کے موقعہ پر اور دلی کے رام لیلا گراؤنڈ کی تقریریں ایسی معرکۃ الآراء تھیں کہ اسلامی مملکت پاکستان کا اعلم وجود میں آنا یقینی ہو گیا تھا۔

لاہور میں حکومت سرسکندر حیات خاں کی خاکساروں سے خونیں جھڑپ دوسری ہولناک جنگ عظیم کی وجہ اور مرکزی وصوبائی حکومتوں کی سخت مخالفت کے پیش نظر اگر آل انڈیا مسلم لیگ کا لاہور اجلاس نہ ہوتا تو خدارا بتلایئے آج پاکستان کہاں ہوتا' نواب صاحب نے ہی اس آڑے وقت میں قائداعظم کا ہاتھ بٹا کر پاکستان بنا دیا۔

(حوالہ: حصولِ پاکستان کی جدوجہد میں بہادر یار جنگ کا حصہ' ص: ۱۸۷' مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں)

حصولِ پاکستان کی جدوجہد میں قائد ملت نواب بہادر یار جنگ قائداعظم کے دوش بدوش رہے' قدر مشترک تدبر سیاسی کا تقاضہ تھا کہ ہندوستان میں مسلمان ایک ملّی دور سے گذر رہا ہے اور اس کے لئے ایسے مدینے کی ضرورت ہے جہاں قدم جما کر وہ بدر واحد کی تیاری کر سکے' اس مرحلہ پر قائداعظم کے تدبر سیاسی کی روشنی میں وہ یہ جانتے تھے کہ اس نازک موڑ پر قائداعظم محمد علی جناح کی صورت میں خدا نے ہمیں ایک بیدار ناخدا عطا کیا ہے' ایسے وقت میں جب کہ کشتی امت شب تاریک میں ہوائے مخالف اور بحر طوفاں خیز کے تھپیڑے کھا رہی ہے۔ اس منزل میں سوائے قائد اعظم کے ناخن تدبیر کے کوئی اور عقد کشائی کے موقف میں نہیں' کیوں کہ ان ہی کی ذات اس منزل میں نعمت خداوندی ہے' مالا بار ہل سے اترنے والے کلیم سیاست کے نعرہ پاکستان نے وار دھا سامریت کے ظلم توڑ ڈالے اور ساتھ ہی مسلمان کی آنکھ کے پردے بھی یک بار کی چاک کر دیئے' اسی تاثر اور حصول پاکستان کی جدوجہد کی اہمیت کو تاریخ کی روشنی میں مسلم قیادت کے رجحانات کی تدریجی ترقی پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ دس کروڑ مسلمانوں کے واحد رہنما کے نظریہ پاکستان کی واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''تحریر کا منشاء صرف یہ ہوگا کہ مسلمانان ہند کی موجودہ قیادت کے ان رجحانات کو پیش کروں جو تدریجی طور پر گذشتہ دس برس میں ترقی پاتے رہے ہیں۔

ہندوستان میں سب سے پہلی مرتبہ انگریزوں کی حکومت نے تصور جمہوریت کو روشناس

کیا، ہندوستان کی تاریخ کا متعلم جانتا ہے کہ بادشاہت دنیا میں کسی اور جگہ اس شدت واقتدار کے ساتھ قائم نہیں رہی جتنی ہندوستان میں تھی۔ ہندو مذہب کی کتابیں بادشاہ کی عظمت ومرتبہ کا پتہ دیتی ہیں۔ فرعنہ مصر نے برخود غلط خدائی کا دعویٰ کیا تھا لیکن ہندوستان کے راجہ آج تک خدا کی حیثیت سے پوجے جا رہے ہیں، ہندو مذہب نے بادشاہ کو خدا کا مظہر قرار دیا اس کی اطاعت خدائی احکام کی تعمیل کے برابر تصور کی گئی اور اس کا انکار یا اس سے سرتابی دنیا کا سب سے بڑا گناہ سمجھی جاتی رہی۔ یہ تصورات صرف ہندو راجاؤں کے ساتھ قائم نہیں رہے بلکہ اسلامی سلطنت کے قیام کے بعد خود مسلمان بادشاہوں کی نسبت سارے مذہبی اختلافات کے باوجود ہندو رعایا کا تصور یہی رہا، جب انگریزوں نے ہندوستان میں جمہوریت کو روشناس کیا تو ہندوستان کے حالات بدل چکے تھے، تقریباً ایک ہزار سال کی اسلامی حکومت نے ہندوستان میں اسلامی تہذیب وتمدن کی جڑیں مضبوط کر دی تھیں، اور آریائی باشندوں کی طرح ہندوستان مسلمانوں کا مستقل وطن بن گیا تھا اور ہندوستان کا کوئی صوبہ ایسا نہ تھا جہاں مسلمانوں کی قابل لحاظ آبادی موجود نہ ہو ممکن نہ تھا کہ مسلمانوں کو پھر سے ڈھکیل کر ہندوستان سے باہر نکالا جائے، یا بدھ مت کی طرح اسلام کو ہندوستان سے خارج کیا جائے، اس لئے جمہوریت ہندو سیاسی زعماء کے نزدیک پھر سے ہندو اقتدار کو زندہ کرنے کا ایک اچھا ذریعہ سمجھی گئی اور انہوں نے اس کا دل سے خیر مقدم کیا اور جو تدریجی اصلاحات ہندوستان میں جاری ہوئیں ان میں پورے جوش کے ساتھ حصہ لینا شروع کیا۔

مسلمان اپنی حکومت کھو کر نہ صرف مال ودولت کے اعتبار سے مفلس ہو چکے تھے بلکہ ان کے ذہنی انتشار نے فکر وعمل کے لحاظ سے بھی ان کو مفلس بنا دیا تھا، جمہوری تحریک کے سیلاب میں دوسروں کے ساتھ بہنے لگے اور اسی نقطہ نظر سے اپنے مستقبل کا جائزہ لینے لگے۔ ۱۹۳۵ء تک ہندوستان کی ساری سیاسی تحریک کے رجحان کے نتائج وعواقب میں جمہوریت مسلمان کے لئے یوں بھی جاذب توجہ ہوگئی کہ اسلامی نظام حکومت بگڑ جانے کے بعد سلاطین کے استبداد نے مسلمانوں کو بادشاہت سے ایک حد تک بیزار کر دیا تھا، وہ پھر اس دور کی طرف دیکھنا چاہتے تھے جب کہ عوام کو پوری آزادی کے ساتھ حق رائے دہی حاصل تھا اور خلیفۃ الرسول بھی ایک خمیدہ کمر ولرزہ بر اندام بڑھیا کی حق بات ماننے پر اور ایک کالے کلوٹے حبشی غلام کا ممبر خلافت سے

جواب دینے پر مجبور ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے ملک کے خاص حالات کا جائزہ لئے بغیر ہندوستانی مسلمانوں نے بھی جمہوریت نظام حکومت کا خیر مقدم کیا اور اس کا ساتھ دینے لگے۔

قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ان کی نگاہ دوربین نے ہندوستان کے خاص حالات کا جائزہ لیا اور دنیا کے عام تصور کے خلاف نہایت جرات کے ساتھ اعلان کیا کہ جمہوریت ہندوستان کے لئے موزوں نظامِ حکومت نہیں ہے۔

تصور جمہوریت کا لازمی نتیجہ اکثریت و اقلیت کا سوال تھا جہاں ایک مذہب' ایک نسل' ایک زبان اور ایک تہذیب رکھنے والی قومیں آباد ہوتی ہیں ۔ وہاں جماعت بندی' سیاسی اختلافات کی بنیاد پر ہوتی ہے لیکن ہندوستان ایک ایسا ملک تھا جہاں ایک سے زیادہ نسلی' مذہبی اور تہذیبی اختلاف رکھنے والی جماعتیں موجود تھیں' اسی لئے جمہوریت کے روشناس ہوتے ہی یہاں سیاست کی بجائے مذہب و تہذیب کی بنیاد پر جماعت بندی شروع ہوئی اور اسی نقطہ نظر سے اکثریت و اقلیت کے سوال پر غور کیا جانے لگا اور ہندو زعماء نے نہایت تدبر و دور اندیشی کے ساتھ مسلمانوں کے ذہن و فکر کو مسموع کرنا شروع کر دیا کہ وہ ایک اقلیت ہے اور بد قسمتی سے خود مسلم زعماء نے تعداد کی قلت و کثرت کو معیار تفوق و کمتری قرار دے کر اپنی گھتیوں کا حل تلاش کرنا شروع کیا' اس کا نتیجہ ۱۹۱۶ء کی ہندو مسلم مفاہمت تھی' اسی نے ۱۹۲۶ء کی آل پارٹیز کانفرنس کو ناکام کیا اور اسی کے آخری نقوش کمیونل ایوارڈ کی صورت میں قانون حکومت ہند ۳۵ء پر مرتسم ہوئے' قانون مذکور کے نفاذ سے ۳۷ء میں جو صوبہ دار حکومتیں قائم ہوئیں ان کے تقریباً تین سالہ دور نے ثابت کر دیا کہ یہ سارے نقوش پانی کی سطح پر بنے تھے' مسلمان چونکا اور قائداعظم نے اپنی قیادت کا دوسری مرتبہ کمال دیکھایا' جب انہوں نے صاف طور پر اعلان کیا کہ دس کروڑ کی تعداد میں بسنے والی ایک جماعت جو ثقافتی اور مذہبی امتیازات کی حامل ہے ایک اقلیت نہیں بلکہ مستقل قوم ہے' مالا بارہل سے اترنے والے کلیم سیاست کے اس نعرے نے وردھائی سامریت کے سارے طلسم کو توڑ دیا اور مسلمان کی آنکھ کے...... پردے یک بارگی چاک ہو گئے۔ کوئی قوم ذہنی انقلاب کے بغیر عملی انقلاب کی منزل تک نہیں پہنچ سکتی۔ جمہوریت نے بغاوت اور ایک مستقل قوم ہونے کے دعوے نے مسلمانوں کی فکر کے زاویئے درست کر دیئے' اب وقت آ گیا

تھا کہ ایک منزل مقصود اس کے سامنے رکھی جائے' سیرت نبویؐ کی اصطلاحوں میں اگر گفتگو کی جائے تو بلا شبہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان ہندوستان میں ایک مکی دور سے گذر رہا تھا اور اس کے لئے ایک ایسے مدینہ کی ضرورت تھی جہاں اپنے قدم جما کر وہ بدر واحد کی تیاری کر سکے اور خدائے قدیر سے ''سلطان نصیر'' کا امیدوار ہو سکے' محمد علی جناح نے آغوش مغرب میں تربیت پائی تھی' ان کے دماغ کا ایک ایک گوشہ فکر مغرب کا مرہون منت تھا اور ان کے جسم کی ایک ایک پود تمدن مغرب کی آئینہ دار تھی لیکن ان کا نام محمد اور علی سے نسبت رکھتا تھا اس لئے ان کا دل فکر محمدؐ اور عزم علیؓ کے پرتو سے خالی نہ تھا' اعتباری اور اصطلاحی حیثیت سے چاہے انہوں نے تعلیمات محمدیؐ سے کوئی بہرہ نہ پایا ہو لیکن ان کے قلب کی گہرائیاں روح تعلیمات محمدیؐ سے محروم نہ تھیں وہ غیر شعوری یا نیم شعوری طور پر اس طرف گئے جدھر ایک اصطلاحی عالم دین شعوری طور پر جا سکتا اور اعلان کیا کہ ہر قوم اپنے لئے ایک مستقر چاہتی ہے اور اپنے تہذیب وتمدن کو ترقی نہیں دے سکتی جب تک کہ کسی جگہ اپنے اختیارات کو کامل طور پر استعمال کرنے کے قابل نہ ہو اس لئے مسلمان ان علاقوں میں جہاں ان کی عددی اکثریت ہے ایک آزاد سلطنت چاہتے ہیں' یہی بنیاد ہے ہندوستان کے شمال مغربی اور شمال مشرقی گوشوں میں آزاد اسلامی حکومتوں کے مطالبہ کی جس کو ہندوؤں نے پاکستان کہا اور اب انہی کو سمجھانے کے لئے انہی کی اصطلاح میں مسلمان بھی پاکستان کہتے ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ صدیوں کی تفریق وتشتت کے بعد ہندوستان کے مسلمان پھر ایک مرکز پر جمع ہو گئے' مذہبی اختلاف نے جو گروہ بندیاں پیدا کر دی تھیں وہ ٹوٹ گئی ہیں' اور مسلمانوں نے ایک مدبر امیر کی قیادت میں اپنی منزل کی طرف بڑھنا شروع کیا ہے۔ مسلمان اس نعمت کی قدر کریں جو خدا نے ان کو عطا کی ہیں۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے قائداعظم مسٹر محمد علی جناح کی صورت میں ہمیں ایک بیدار ناخدا عطا کیا جب کہ کشتی امت اسلامی شب تاریک میں ہوائے مخالف اور بحر طوفاں خیز کے تھپیڑے کھا رہی تھی' مجھے قائداعظم کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا ہے اور میں اپنے قلب و ضمیر کے کامل اطمینان کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان میں ایک ایسے سپہ سالار کے کامل صفات موجود ہیں جو عقل وتدبیر کی اس جنگ میں عساکر اسلامیہ کو لڑا سکے' اب ہمارا کام ہے کہ ان کے

اطراف جمع ہو جائیں، اپنے باہمی اختلافات کو رفع کریں اور ان کے احکام و ہدایات کی تعمیل کر کے ان کے ہاتھوں کو مضبوط کریں اور منزل کو قریب تر لائیں اور یاد رکھیں کہ:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(بہادر یار جنگ)

(حوالہ: تقاریر جناح مرتبہ عثمان صحرائی، دارلاشاعت سیاسیہ حیدرآباد دکن مقدمہ الکتاب، از: قلم قائد ملت نواب بہادر یار جنگ، مشمولہ نگارشات بہادر یار جنگ، مرتبہ نذیرالدین احمد، ناشر بہادر یار جنگ اکیڈیمی حیدرآباد صفحہ نمبر ۳ تا ۱۱)

وہ ۱۹۳۸ء ہی میں مسلم لیگ کے قائد مسٹر محمد علی جناح میں صحیح مسلم قیادت کے جوہر کی چمک دیکھ چکے تھے اس لئے ان کی فراست اور بے نفسی نے قائداعظم کی سیاسی امامت فوراً تسلیم کر لی۔

بہادر یار جنگ مملکت آصفیہ کی رعایا ہونے کی وجہ سے لیگ کے باضابطہ رکن تو نہ بن سکتے تھے، وہ قائداعظم اور لیگ کے ایک غیر رسمی مخلص مشیر، عملی معاون اور بے نیاز صلہ رضا کار بن گئے، ایک باشعور اور پُرعزم رضا کار چنانچہ انہوں نے غیر شعوری لیگی قدم کو لڑکھڑانے، ٹھوکر کھانے یا بھٹک جانے سے نہ صرف بچالیا بلکہ عام مسلمانانِ ہند اور زعمائے لیگ میں ایمانی سیاست کی روح پھونک دی۔ انہیں فکر اقبال سے ہم آہنگ کیا، اپنے خداداد تدبر اور زور خطابت سے کانگریس کے سنگین قلعے فتح کر کے قائداعظم کے حوالے کر دیئے۔ ۱۹۳۸ء کے لگ بھگ بہادر یار جنگ لیگ کی پشت پناہی پر اُتر آئے اور چار پانچ برس کے اندر اندر ان کے تدبر، فراست اور ولولہ باطل شکنی کی دھاک سارے ہندوستان پر ایسی بیٹھ گئی کہ واردھا اور وائسر یگل لاج کے گرگہائے باران دیدہ قائداعظم کے بعد انہی کو اپنا سب سے زیرک حریف سمجھنے لگے۔

تحریک پاکستان کے واقف جانتے ہیں کہ مسلم لیگ کی ستائیسویں سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور کو ایک تاریخ ساز اہمیت حاصل ہے اس لئے کہ اسی اجلاس منعقدہ مارچ ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان پاس ہوئی تھی اور ایک دیانتدار مورخ یہ تسلیم کرنے پر مجبور رہے گا کہ یہ اجلاس صرف اور صرف قائد ملت نواب بہادر یار جنگ کی اعلیٰ تدبر اور فاروقی جرأت و ہمّت کا رہین منت رہا۔ کیسی عجیب بات ہے کہ مسلم لیگ پر اتنا عرصہ گذر چکا تھا مگر قائداعظم کا جی چاہنے اور علامہ اقبال

کی دلی تمنا کے باوجود اب تک لیگ کا کوئی سالانہ اجلاس لاہور میں منعقد نہیں ہوسکا تھا‘‘۔

(حوالہ: مضمون شائع شدہ در اخبار نوائے وقت ۲۵/جون ۱۹۸۶ء بعنوان ’’بہادر یار جنگ تحریک پاکستان میں‘‘)

سیشن کے تیسرے دن یعنی ۲۶/دسمبر ۱۹۴۳ء کو کل ہند مسلم لیگ کا اختتامی اجلاس دن کے ساڑھے دس بجے ہوا۔ یہ زمانہ مسلم لیگ کے لئے بڑی آزمائش کا زمانہ تھا۔ قائد اعظم کی تجویز تھی کہ ایک مجلس عمل بنائی جائے جو لیگ کی حکمتِ عملی کو عام کرنے میں ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہے۔

۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۴ء تک حصولِ پاکستان کی تاریخی جدوجہد میں جو تاریخی کردار بہادر یار جنگ نے ادا کیا‘ اس کا اعتراف خود قائد اعظم نے فرمایا۔ ان ہی سے عہد آزادی کی نمود ہوئی‘ انہوں نے کاروان قومی کو وہاں چھوڑا جہاں سے حریت و عمل کی سرحدیں شروع ہوجاتی ہیں۔

(حوالہ: پاکستان کا نقیب از رئیس احمد جعفری)

’’تحریک پاکستان میں حیدر آباد نے بے شمار دولت کے علاوہ بہادر یار جنگ کو بھی دیا جن کی خطابت نے اس تحریک کو دس کروڑ مسلمانوں کا مقصدِ حیات بنادیا تھا‘‘۔

’’وہ تحریک قیام پاکستان کے ان قائدین میں تھے کہ تاریخ پاکستان لکھنے والا مؤرخ تاریخ پاکستان میں نواب بہادر یار جنگ کو نہیں بُھلا سکتا‘‘۔

(حوالہ: بے مثال خطیب از مولانا عبدالحامد بدایونی ص ۳۰۲‘ مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں۔کراچی)

مسلم لیگ کی جب بھی کوئی مستند اور مکمل تاریخ لکھی جائیگی تو مؤرخ کو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ تحریک پاکستان کے عروج و فروغ میں اسے عوامی تحریک بنانے میں اسے قلب مسلمانوں کی دھڑکن کی صورت دینے میں بہادر یار جنگ کی دولت و شخصیت اور خطابت کا بہت بڑا حصّہ تھا۔

(حوالہ: یہ ایک نام نہیں ایک تاریخ ہے‘ از رئیس احمد جعفری)

◆◆◆

بہادر یار جنگ کا تصور پاکستان

''قائداعظم کے بعد وہی مسلم لیگ کے محبوب ترین لیڈر بن گئے اوران کی ذات سے مسلم لیگ' پاکستان اورملتِ اسلامیہ کے مستقبل کی بڑی توقعات وابستہ ہوگئیں' قائداعظم ان کے خلوص ودیانت' قیادت اور خداداد صلاحیت سے بخوبی واقف اور متاثر تھےاوردل سے ان کی قدر کرتے' قائداعظم کی نظر میں بہادر یار جنگ کی جوقدرومنزلت تھی وہ کسی اور قائد کونصیب نہ ہوسکی۔

بہادر یار جنگ قائد بھی تھے' مقرر بھی تھے اور سیاست داں بھی' مگر بنیادی طور پر وہ صرف سچے مسلمان تھے اوران کی تمام سرگرمیاں کی تہ میں ان کا جذبہ' ایمانی کارفرما تھا' وہ مسائل پر اسلامی نقطہ نظر سے غور کرتے اوراسی روشنی میں دیکھتے تھے' تحریک پاکستان سے ان کی وابستگی میں یہی جذبہ کارفرما تھا' چنانچہ جب انہیں مسلم لیگ کے قائدین میں ایک ممتازترین مرتبہ حاصل ہوگیا اور وہ اسلامی ہند کے محبوب ترین رہنما بن گئے تو انہوں نے مسلم لیگ کی سیاست کوبھی اسلام کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن کرنے کی جدوجہد شروع کردی' ان کا یہ ایمان تھا کہ'' جو سیاست قرآن کے منبع فیض سے سیراب نہیں ہوتی وہ سراب سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی'' اس لئے وہ چاہتے تھے کہ مسلم لیگ کی سیاسی جدوجہد کا سرچشمہ صرف مغربی افکارونظریات نہ ہوں بلکہ وہ ان حدود سے آگے بڑھ کراپنی تنظیم میں ایمانی قوت بھی پیدا کرے اوراس کے نصب العین کی حقیقی اساس اسلامی تصورات ہوں' چنانچہ وہ اس مقصد کوذہن نشیں کرانے کے لئے پوری جدوجہد کرنے لگے تاکہ مسلم لیگ جب اپنے نصب العین یعنی پاکستان کوحاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے تو وہ اس سرزمین کوصحیح معنوں میں پاکستان بناسکےاور پاکستان کے متعلق ان کا تصور یہ تھا کہ:

''پاکستان ایک انقلاب ہوگا' ایک نشاۃ ثانیہ ہوگی' ایک حیاتِ نو ہوگی' جہاں خوابیدہ تصورات اسلامی ایک مرتبہ پھرجاگیں گےاورحیاتِ اسلامی ایک مرتبہ پھر کروٹ لے گی۔

چنانچہ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ پاکستان کی منزل قریب تر آرہی ہے تو انہوں نے اس

بات پر پوری شدت سے زور دینا شروع کیا کہ تحریک پاکستان کا اصل مقصد اسلامی نظام حیات کی تجدید ہے اور یہ کوشش کرتے رہے کہ یہ تحریک غلط راستے پر نہ جا پڑے۔ اور پاکستان صحیح معنوں میں پاک انسانوں کی پاک سرزمین بن کر دنیا کے سامنے اسلامی مملکت اور اسلامی زندگی کا قابلِ تقلید نمونہ پیش کر سکے، یہی وہ نصب العین تھا جس کے لئے بہادر یار جنگ نے اپنی تمام صلاحیتیں وقف کر دی تھیں............ اور اسی مقصد کے لئے وہ تمام عمر جدوجہد کرتے رہے۔"

اس خصوص میں جہاں بھی اور جب بھی (تقریر و تحریر میں) انہیں تصور پاکستان کا نقشہ پیش کرنا ہوگا، وہ الٰہی اور قرآنی پاکستان کا پاکیزہ تصور پیش فرماتے۔ زمزم کے مدیر کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ہندوستان کی تمام سیاسی کشمکش کا واحد حل، پاکستان کو سمجھتا ہوں اور میرے خیال میں پاکستان کے لئے ہر قسم کی سعی اور کوشش حرام ہے، اگر پاکستان سے الٰہی اور قرآنی حکومت مراد نہیں ہے جس میں قانون سازی کا بنیادی حق صرف خدائے قدوس کو حاصل ہوا اور ہمارے بتائے ہوئے قوانین اس کی توضیح و تشریح کریں، میں زندگی کے ہر گوشہ اور حیات کے ہر پہلو کے لئے قرآنی نظام کو کافی اور شافی سمجھتا ہوں، چاہے حیات انسانی کا وہ گوشہ اخلاقی ہو یا علمی، اقتصادی ہو یا سیاسی، حالتِ امن سے متعلق ہو یا حالت جنگ سے اور یہی وجہ ہے کہ روسو کا قائل ہوں نہ کارل مارکس کا، نہ لینن کا قائل ہوں نہ ٹالسٹائے کا، نہ اینی بسنٹ کا قائل ہوں نہ گاندھی کا، اور اپنی اس بغاوت کا اقرار کرتا ہوں کہ اگر جناح بھی اس کے سوا کوئی اور نظام حیات چاہتے ہیں تو ان کا بھی قائل نہیں ہوں۔

"مجھے اپنی قوم کے نوجوانوں پر اس درجہ اعتماد ہے کہ وہ پاکستان کے سورج کو فرنگی استعمار اور ہندو سرمایہ داری کے تاریک آسمان سے چھین کر اپنے ملت کے افق پر سجا دیں گے اور یوں اسلام کو ایک خطہ ارضی نصیب ہو جائے گا جس کو دیکھ کر بصیرت رکھنے والے آنکھیں پکار اٹھیں گی کہ زمین اپنے پیدا کرنے والے کے نور سے روشن ہو گئی ہے۔"

"یہ تھا بہادر خاں کا تصور پاکستان ...... وہ بہادر خاں جو اقبال کا مرد مومن تھا۔ وہ بہادر خاں جس نے اپنی زندگی کا قبلہ نما قرآن حکیم کو بنایا تھا، وہ بہادر خاں جس کی کارگہ فکر میں ہماری

قسمت کے ستارے ڈھلتے تھے۔''

(حوالہ: الہ آباد اسٹیشن' از: سید ابوالخیر کشفی ص:۳۹' مضمون مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں)

لیکن بعد ازاں قائد اعظم کی عقابی روح کی بیداری کی بیداری نے پاکستان کے حصول کو' برصغیر کے مسلمانوں کی سیاسی صیانت کا واحد وسیلہ سمجھا اور قائد ملت کی رفاقت نے قائد اعظم کو اس حقیقت سے آگاہ کر دیا کہ اب منزل دور نہیں ہے قائد اعظم کو قائد ملت کیا ملے۔

موج نشاط آئی' کلی دل کی کھِل گئی
تعبیر خواب حضرت اقبال مل گئی

علامہ اقبال کی صداقت ماب رہنمائی' بہادر یار جنگ کے عزائم کے لئے مہمیز ثابت ہوئی۔

''کل ہند مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس بابت ۱۹۳۰ء میں جو حکیم الاسلام علامہ اقبال کی صدارت میں منعقد ہوا۔ انہوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں اسلام اور قومیت اور ہندوستانی قومیت اور اس کی فرقہ پرستی کی نوعیت پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی اور اس امر کا اعلان کر دیا کہ ہندوستان میں یوروپین اصول کے مطابق جمہوریت کی تشکیل نہیں ہو سکتی' تاوقتیکہ مختلف فرقوں کے جداگانہ وجود کو تسلیم نہ کر لیا جائے' لہٰذا مسلمانوں کا یہ مطالبہ حق بجانب ہوگا کہ ہندوستان کے اندر ایک اسلامی ہند کو وجود میں لایا جائے۔ علامہ نے مزید فرمایا کہ وہ اپنی ذات کی حد تک ایک قدم آگے بڑھ کر اپنی سا آرزو کا اظہار کرتے ہیں کہ پنجاب' صوبہ سرحد' سندھ اور بلوچستان کو ملا کر جو اکثریت کے صوبے ہیں ایک مستقل ریاست قائم کی جائے'' ہندوستان کو برطانیہ کے زیر سایہ حکومت خود اختیاری ملے یا کچھ اور ملے' مجھے تو یہی نظر آتا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان میں ایک متحدہ اسلامی ریاست کا قیام کم از کم اس علاقہ کے مسلمانوں کا مقدر بن چکا ہے۔''

حضرت اقبال کی یہ خالص صداقت مآب رہنمائی بہادر یار جنگ کے عزائم کے لئے مہمیز ثابت ہوئی' اسی وقت سے وہ پاکستان کا نقشہ تیار کرنے لگے' پاکستانی حکومت الٰہی حکومت ہوگی' اس کا دستور قرآنی دستور ہوگا' وہاں کے باشندے منفرداً اور مجتمعاً صحیح معنوں میں مسلمان ہوں گے' وہاں کے معاملات علیٰ منہاج نبوت طئے پائیں گے۔

کراچی کے اجلاس میں اپنی تقریر کا حال نواب صاحب خود بیان کرتے ہیں: ''لیگ کے

پلیٹ فارم سے اللہ نے میری زبان سے اعلان کرا دیا کہ پاکستان کا دستور الٰہی دستور اور وہاں کی حکومت قرآنی حکومت ہوگی' اور سب سے بڑھ کر قابل مسرت یہ کہ جب میں دورانِ تقریر میں اس مقام پر پہنچا تو قائداعظم نے زور سے اور بڑے جوش سے میز پر مکا مار کر فرمایا **You Are Quite Right** یعنی تم بالکل درست کہتے ہو اور میں نے فوراً اعلان کر دیا کہ قائداعظم سے میرے قول پر سندِ تصدیق مل گئی۔''

ان کا سیاسی' معاشی اور معاشرتی تصور پاکستان قرآن کی تصریحات پر مبنی تھا' حضور اکرم ﷺ کی بعثت کا جو مقصد آیت **هوالذى ارسل رسوله بالهدىٰ و دين الحق ليظهره على الدين كله ولوكره المشركون** سے ظاہر ہے اس کی تشکیل ان کے پیشِ نظر تھی' ان کی جدوجہد کا تمام تر یہی مقصد تھا کہ دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر دیا جائے' اسلام اور مسلمانوں کی برتری ان کا ایمان اور ایقان بن گیا تھا' چنانچہ حیدرآباد کے مجوزہ قانون اصلاحات کے خلاف جہاد کر کے مسلمانوں کی اکثریت کا ضابطہ مرتب کیا اور اس کو روبہ عمل لانے کے لئے تحریری تیقن حاصل کیا' اسی آیت کو وہ پاکستان میں بھی متشکل دیکھنا چاہتے تھے۔ نواب صاحب نے پاکستان کا جو نقشہ بنایا تھا اس میں زندگی بھر اپنے خونِ جگر سے رنگ بھرتے رہے' حیدرآباد' ناگپور' دہلی' علیگڈھ لاہور' صوبہ سرحد اور بلوچستان میں مسلم لیگ کے ترجمان اور پاکستان کے نقیب کی حیثیت سے مطالبۂ پاکستان کی واجبیت کو تسلیم کرانے میں اپنی خطابت کا سارا زور صرف کر دیا' ان کا صرف تخیل ہی نہیں ایقان تھا کہ پاکستان اسلامی ریاست ہوگی' وہاں کا دستور قرآنی ہوگا' پاکستان کا ہر باشندہ توحید کا علمبردار ہوگا۔ قرآن نے **كنتم خير امة اخرجت للناس** کا جو تاج خاتم النبین کی امت کے سر پر رکھا ہے' پاکستان کے اس وقار کو قائم رکھنے کا ذمہ دار ہوگا' ہر فرد اپنے طرزِ عمل کو اسلامی نصب العین کے سانچہ میں ڈھالے گا...... اس میں **امر بالمعروف** اور **نهى عن المنكر** کے فریضہ کی تعمیل کا احساس پیدا کیا جائے گا' عسکریت اس کا شعار ہوگی' اس کی فضاء میں روح جہاد زندہ ہوگی' حسنات کا دور دورہ ہوگا' سیئات کا وجود باقی نہ رہے گا' عقائد' عبادات' معاملات' اخلاق' نظریات' علوم وفنون' قانون تہذیب وتمدن' معاشرت' معیشت اور سیاست' الغرض حیات کے ہر شعبہ میں انقلاب علیٰ منہاج نبوت عمل میں آئے گا' یعنی قرآن حکیم

کی تصریح کے مطابق تلاوت آیات تزکیہ نفس، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کے مراحل میں اس کی تکمیل عمل میں آئے گی، اولاً فکر کی 'ایمان باللہ' ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرۃ کی محکمہ اساسات پر تعمیر ہوگی تاکہ قلب نور ایمان سے منور ہو جائے اور ہر عمل سے اسلامی کردار کی عکاسی ہونے لگے جس کے نتیجہ میں فرقہ بندی اور صوبہ واریت کا خاتمہ ہو جائے، اللہ کی بخشی ہوئی امامت کے اقتضائات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے پاکستان کے ارباب وبست وکشاد اللہ کی زمین پر فتنہ و فساد کا قلع قمع کرنے کی اپنے اندر صلاحیت پیدا کریں گے تاکہ عرصہ محشر میں شہداء علی الناس کے امتحان میں اہل پاکستان کی سرخروئی ان کا مقدر بن جائے۔

جہاں تک مادی حیات کا تعلق ہے، تسخیر کائنات کے پہلو سے صرف نظر نہیں کی جائے گی، پاکستان کی نئی نسل سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں اپنی صلاحیتوں کو وقف کر کے تحقیقات اور انکشافات اور ایجادات کے میدان میں ہمعصر اقوام سے مسابقت میں اپنے وطن کا نام روشن کریں گے، موجودہ اسلامی ریاستوں سے پاکستان کا حلیفانہ تعلق قائم ہوگا تاکہ معاندین اسلام پر وہ اتحاد کے ذریعہ برق خاطف بن کر مسلط ہو جائیں۔

غرض وہ ارض پاکستان میں عہد خلافت راشدہ کی خصوصیات کو زندہ کرنا چاہتے تھے، ان ہی کی نوائے سروش سے سرحد میں مسلم لیگ کو انتخابات میں کامیابی نصیب ہوئی، فقیر اپی کی دہشت ناک سرگرمیوں سے سرحد کا ہر فرد لرزاں وترساں تھا اور نگ زیب خاں اور قاضی عیسٰی جیسے قائدین بھی اس کے نام سے چونک پڑتے تھے۔

ملت اسلامیہ کی خدمت اور اس کو بیدار کرنے کا ایک جذبہ بے پایاں تھا کہ ان کو دشت و صحرا کا مسافر اور رزم وبزم کا قائد بنا دیا تھا۔

''ملک است تن خاکی ودین روح وروان است'' کی حقیقت ان پر منکشف ہو چکی تھی، ان کا پیام وکلام مجاہد کی شمشیر بے نیام تھا جو باطل کو خس وخاشاک کی طرح کاٹ کر حق کا بول بالا کر دیتا تھا، پاکستان کا ہر جہتی تعمیر کے لئے انہوں نے معاشرے کے کیسے کیسے گوشوں کو بے نقاب کیا ہے۔

''نواب صاحب قول کے دھنی اور اپنی بات کے پکے تھے، جو کہتے تھے کر دکھاتے تھے،

انہوں نے جہاد کا عمل جاری رکھتے ہوئے جان، جان آفریں کے سپرد کردی، اگر اللہ نے انہیں کچھ اور زندگی دی ہوتی تو پاکستان کی تعمیر میں وہ اپنا کردار ادا کرتے، یہی نہیں بلکہ حیدرآباد، جنوبی ہند میں ایک اور پاکستان کی صورت میں جلوہ گر ہوتا، وہ ایک طوفان کی طرح حیدرآباد کے افق پر نمودار ہوئے، سحاب رحمت بن کر غیر منقسم ہندوستان پر برسے، مسلم ہندوستان کے بارہ میں حضرت اقبال کی پیشین گوئی کو حقیقت بنانے میں اپنا خون پسینہ ایک کردیا، قائداعظم کے مشیر خاص اور دستِ راست کی حیثیت سے پاکستان کے لئے مردانہ وار میدان جہاد میں سر اور دھڑ کی بازی لگادی اور اسی کوشش میں وہ مردِ غازی شہید بھی ہوگیا۔"

لکھی جائیں گی کتاب دل کی تفسیریں بہت : ہونگی اے خواب جوانی تیری تعبیریں بہت
ہو بہو کھینچے گا لیکن عشق کی تصویر کون : اٹھ گیا ناوک فگن مارے گا دل پر تیر کون

(حوالہ: بہادر یار جنگ کا تصور پاکستان، از: مولوی عبدالرحمٰن سعید صدیقی۔ مشمولہ ہفتہ روزہ پاکستان یکم اکتوبر ۱۹۸۴ء شکاگو)۔

◆◆◆

آخری نظام کے دور کی ریاست حیدرآباد کا جغرافیائی خاکہ

مغربی گھاٹ اور مشرقی گھاٹ کے درمیان ایک تکونی شکل کی سطح مرتفع واقع ہے جو سطح مرتفع دکن کہلاتی ہے' اسی کے وسط میں ریاست حیدرآباد واقع تھا۔ تراسی ہزار مربع میل پر محیط ۱۶ ضلعوں اور چار صوبوں پر یہ ریاست مشتمل تھی اور یہ ریاست ممالک محروسہ سرکار عالی کہلاتی تھی۔ زبانوں کے اعتبار سے کرناٹک' مرہٹواڑہ' تلنگانہ تین حصوں میں منقسم تھی (لسانی بنیادوں پر تقسیم کی بنیاد پر یہ تینوں علاقے تقسیم ہوگئے اور اب آندھراپردیش (تلنگی) حکومت کرناٹک میسور (کنڑی) حکومت مہاراشٹرا (مرہٹی) میں ضم کردئے گئے۔ اس ریاست میں ۵ دریائیں تھیں جو دریائے گوداوری' دریائے کرشنا' دریائے پورنا' دریائے مانجرا اور دریائے مانیر کے ناموں سے موسوم تھیں اور پہاڑ بھی پانچ تھے۔ سیادری پربت' بالا گھاٹ' یامنی گرھ' راکی گڑھ' کندیکل گڑھ۔ ندیاں' جھیل اور تالاب اور باؤلیاں بھی پینے کے پانی اور زراعت کے لئے معاون حیثیت کے حامل تھے۔

ریاست حیدرآباد ایک زرعی ملک تھا اس کی ۹۰ فیصد آبادی کھیتی باڑی کرکے گذر بسر کرتی تھی۔

نیشکر' گورانی روئی' تمباکو' ارنڈی' کمبودیا روئی' ہڈیوں کی کھاد' ریشم کے کیڑے' میووں کے باغات' ترکاری کے کھیت کے علاوہ اناج (غلہ) میں چاول' گیہوں' جوار' باجرا' مکئ' ارد' مونگ' تل' جو' چنا' کرڑ' السی کی پیداوار شامل تھی۔ سال میں دو فصل ہوتے تھے (۱) خریف (۲) ربیع۔

میووں میں آم' امرود' بیر' جامن' سیتا پھل' انجیر' سنگترے' نارنگی' خربوزے' تربوز' کھیرے' سنگھاڑے' کویٹ' رام پھل' منجل' گیگل اور روغنی تخم میں السی' ارنڈی' مونگ پھلی اور

بنولہ شامل ہیں۔

ریاست کے گھنے جنگلات میں کارآمد لکڑی بکثرت پائی جاتی تھی۔ ساگوان، بیجاسر، آبنوس، شیشم ساتھ ہی ان جنگلات سے ٹسر، شہد، موم، لاکھ، گوند روسہ، نیل، ببول، سیاہ ہلیلہ، تروڑ، املتاس، کسم کے درختوں کی چھال پتے اور گوند سے بھی حکومت کو بڑی آمدنی ہوتی تھی۔

ان گھنے جنگلات میں شیر، چیتا، تیندوا، جنگلی سور، بھیڑیا، جنگلی بکری، بندر، ریچھ، گیدڑ، ارنا بھینسا، نیل گائے، سانبھر، چیتل، ہرن، بارہ سینگھے اور پرندوں میں، تیتر، بٹیر، کبوتر، بلبل، طوطا، مینا، کویل، فاختہ، مرغابی، سارس، سرخاب، قاز، بط، اسناف، ہریل، شکرا، باز بکثرت پائے جاتے تھے۔

معدنی ذخائر میں کوئلہ، سنگ سیلو، سونا، گرانائیٹ، لوہا، تانبا، ابرک، پوٹاش، سفید کھریا، بلفم، گیرو، کوئلہ شامل ہیں۔

ممالک محروسہ سرکار عالی کی صنعت وحرفت میں (یعنی دستکاری میں پیتھمبر، ریشمی کپڑے ہمرو، مشروع، کمخواب، ریشمی اور سوتی ساڑیاں، ٹسر کے کپڑے، تیلیا اور سادہ رومال، قالین، چاندی کے تار کا کام (کریم نگر جال کا کام) بدری صنعت، پیتل کے برتن، دیسی کاغذ، کپڑا بننے کی صنعت، روئی صاف کرنے اور روئی سے دھاگہ بنانے کی صنعت، سونے کے زیورات، جڑوائی زیورات کی صنعت، سگریٹ، دیاسلائی، سمینٹ، شکر سازی، کانچ، چینی کی صنعت انگریزی اور مغلائی کویلو سازی کی صنعت، اعلیٰ معیاری کپڑوں کی تیاری کو صنعت، اسبطاس کی صنعت اور دیگر ہرا اہم قومی ضرورت کی کفالت کرنے اور برآمد کے ذریعے ریاست کی معیشت کو مستحکم بنانے میں ان صنعتوں سے کافی مدد ملی اور ریاست کی تیار کردہ یہ اشیاء آج بھی ساری دنیا میں شہرت رکھتی ہے۔

رسل ورسائل میں بیل گاڑی سے ہوائی جہاز تک کی سہولتیں شہریوں کو حاصل رہیں۔ محکمہ صنعت وتجارت، محکمۂ زراعت، محکمۂ اعداد وشمار، محکمۂ تعلیمات، محکمہ طباعت، محکمۂ ٹپہ، محکمۂ بلدیہ، محکمۂ پولیس، محکمۂ سمکیات، محکمۂ جنگلات، محکمۂ آبپاشی، محکمہ آب رسانی غرض ہر شعبۂ حیات سے متعلقہ محکمہ اپنے مفروضہ فرائض، ایک ترقی یافتہ حکومت کی اساس پر انجام دیتے رہے۔

مخفی مبادسارے ہندوستان کی ریاستوں میں ریاست حیدرآباد وہ واحد ریاست تھی جس کا سکہ، ٹپہ، ریل، پولس، فوج کا تعلق انگریزوں کے سکہ، ٹپہ، پولس، فوج اور ریل سے الگ

اور آزادانہ تھا۔

یہ امتیاز صرف ریاست حیدرآباد کو حاصل تھا، ریاست کے رقبہ، آبادی، وسائل معاش اس کا مستحکم مالیہ اور حسن انتظام کے لحاظ سے انگریزوں کے لئے بھی ریاست حیدرآباد ایک قابل رشک ریاست رہی۔

اس شہر کی بنیاد محمد قلی قطب شاہ نے ۹۹۹ ہجری میں ڈالی، قطب شاہوں سے ساتویں نظام تک اس سابق فصیل بند شہر میں چارمینار، مکہ مسجد، جامع مسجد، دارالشفاء، گولکنڈہ، عثمانیہ دواخانہ عدالت العالیہ کی عمارتوں کے علاوہ تعلیم کے مسئلہ میں ہر ضلع میں مدارس اور شہر حیدرآباد میں سٹی کالج اور جامعہ عثمانیہ کے قیام نے ایک تاریخی رورل ادا کیا۔ جامعہ عثمانیہ جو عثمانیہ یونیورسٹی کہلاتی ہے اس یونیورسٹی میں جملہ علوم بشمول سائینس کی ڈاکٹری کی تعلیم کا اعلیٰ انتظام کیا گیا اور مادری زبان (زبان اردو) میں تعلیم کا انتظام وانصرام عمل میں آیا، اس یونیورسٹی کی شہرت چاردرانگ عالم میں پھیل گئی، سارے ہندوستان کے لائق ترین لوگ اس جامعہ میں درس وتدریس کی خدمت پر مامور کئے گئے، جامعہ عثمانیہ کے قیام سے کالج کی سطح کی تعلیم کو بڑا فروغ حاصل ہوا اور اس مادر جامعہ کے سپوتوں نے دنیا میں اپنی مادر جامعہ کے نام کو روشن کیا۔ ملک میں ہر طرف امن وامان تھا۔ ہندو اور مسلمان بھائی بھائی کی طرح زندگی گذارتے تھے، ریاست کا وزیراعلی (صدراعظم) ہندو طبقہ سے متعلق ہوتا، اضلاع میں پٹیل پٹواری اور پولس پٹیل کی جائیدادیں ہندوؤں کے لئے وقف تھیں، مسلم اوقاف سے ہندو اوقاف کی آمدنی ۷۰ فیصد بڑھی ہوئی تھی۔

سیاسی جغرافیہ

آخری تاجداری دکن انگریزوں کے یار وفادار تھے اور انگریزوں کے ہر اشارے پر ناچتے تھے، فرانسیوں سے انگریزوں کی جنگ ۱۹۵۷ء کی جنگ آزادی اور ٹیپو سلطان شہید کے سلسلے میں جو کچھ سلطنتِ آصفیہ کے فرمانرواؤں نے کیا وہ داغ تاریخ کے صفحات سے مٹ نہیں سکتا۔ مگر اس کے باوجود نظام الملک آصف جاہ اول بانی مملکتِ آصفیہ کے دور میں جس ریاست کے حدود سرنگاپٹنم، مچھلی پٹنم، برہان پور، برار وغیرہ کے علاقوں پر مشتمل تھی۔

انگریزوں نے اس وسیع مملکت کو اپنی حکمت اور چالاکی سے اتنا مختصر کر دیا کہ یہ ریاست صرف ۱۶ اضلعوں پر مشتمل باقی رہ گئی۔ اگرچہ دوسری جنگ سے قبل برار کو معاہدے کی صورت میں ریاست حیدرآباد میں شامل کر دیا گیا۔ جب برار کو معاہدے کے تحت (بغیر اختیار و انتظام) نظام کی ریاست کا جز قرار دے دیا گیا تو نظام نے بڑے فخر سے اعلان کیا کہ:

''برار حیدرآباد کا جز لاینفک ہے' حالانکہ یہ جز کل سے جڑا نہیں بہرحال حیدرآباد اور برار کی شمولیت کے مفروضہ کے پس منظر میں ۱۰۰۴۵۹ مربع میل پر ریاست مشتمل ہوگئی اور اس کی آبادی ۱۷۸۷۲۹۸۶ تھی۔ اس علاقے کو شامل کئے بغیر سلطنت کا رقبہ ۸۲۶۹۸ مربع میل تھا' اس کی آبادی (۱۹۳۱ء کی مردم شماری کی روشنی میں) ۱۴۴۳۶۱۴۸ تھی۔

سلطنت کے رقبہ کا ۵۰ء۵۸ فیصد خالصہ یا دیوانی علاقہ تھا اور باقی صرف خاص' پائیگاہوں' سمستانوں' جاگیرات' انعامات پر مشتمل تھا۔ ریاست حیدرآباد میں مواضعات کی تعداد تخمیناً ۲۲۵۰۰ اور اس کی مجموعی آمدنی ۹۱۳۶۶۰۰۰ سالانہ تھی' حیدرآباد کی کل آبادی کا تناسب اس طرح تھا:

ہندو ۹۶۹۹۶۱۵۔ مسلمان ۱۵۳۴۶۶۶۔ عیسائی ۱۵۱۳۸۲۔ جین ۲۱۵۴۳۔ سکھ ۵۱۷۸ پارسی ۱۷۸۴۔ آریہ سماج ۳۷۰۰۔ برہمو سماج ۱۸۲۔ ادی ہندو ۲۴۷۳۲۳۰ پر مشتمل تھی۔

حیدرآباد کو اگرچہ ہندوستان کے انگریز حکمرانوں نے دیسی ریاست کا نام دیا تھا لیکن اپنی وسعت آبادی' دولت کے قدرتی ذرائع' صنعت و حرفت' علم و فضل' تہذیب و تمدن کے لحاظ سے کامل اور آزاد مملکت کی پوری صلاحیتوں کی حامل ریاست تھی' رقبہ کے لحاظ سے یہ یوروپ کی اکثر آزاد اور خود مختار سلطنتوں سے بڑی اور بعض بڑی بڑی سلطنتوں کے برابر تھی' قدرتی ذرائع زراعت' معدنیات' جنگلات کی نعمتوں سے مالا مال اور مالی استحکام کی حامل' لیکن انگریزوں کی پوری گرفت میں۔

نظام اوران کے اجداد انگریزوں کے ہمیشہ وفادار و تابعدار رہے اور ہر عوامی انقلاب کے موقعہ پر عوامی طاقت کو کچلنے اور انگریزوں کے اقتدار کو مستحکم بنانے میں رقمی اور فوجی مدد کی اور اسی قومی غداری کی مسرت میں یار وفادار سلطنت برطانیہ کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ ریاستی نظم و نسق برطانوی نمائندے (وایسرائے) کے مشورے سے مقرر کردہ وزیر اعظم کے مشورے سے

حکومت چلتی تھی۔

حکومت نظام کی سیاسی حیثیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ برطانوی حکومت کا نمائندہ قلب شہر میں معہ فوج (Residen Cyfort) سلطان بازار میں قیام پذیر رہتا۔

ساتھ ہی برطانوی مفاد کی حفاظت کے لئے سکندرآباد' ترملگیری' لالہ گوڑہ اور دیگر مقامات پر انگریزوں کی فوجی چھاؤنیاں قائم تھیں۔اس فوج میں ہندو' راجپوت' ڈوگرا اور سکھ فوج متعین تھی۔

حکومت آصفیہ انگریزوں کی کٹ پتلی حکومت تھی' ہر صدر اعظم وائسرائے کا منتخب اور مقرر کردہ ہوتا۔ یہ وہ شخصیتیں ہوتیں جو حکومت برطانیہ کے وفادار نمک خوار ہوتے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ ریاست پوری طرح انگریزوں کے ایماء واشارے کی محتاج ہوتی۔

''وزیر اعظم کو صدر اعظم پریسیڈنٹ آف دی کونسل کہتے تھے۔

صدر اعظم کا تقرر نظام کرتے تھے مگر وائسرائے یا Crown Representatiue کے مشورہ سے اس واسطے صدر اعظم حیدرآباد گورنمنٹ برطانیہ کے اثر سے بے نیاز نہیں ہوسکتا تھا' یہ بہت پرانا طریقہ چلا آ رہا ہے۔تھا لیکن لارڈ ریڈنگ کے زمانہ میں کسی ناسمجھ مشیر کے مشورہ سے حضور نظام نے ایک خط وائسرائے کو لکھ دیا جس میں معاہدے جات کی بناء پر حضور نے برٹش حکومت کے ساتھ مساوات اور برابری کا مرتبہ تسلیم کرنا چاہا' یہ بات انگریزی حکومت کو گراں گذری اور ستم یہ کیا کہ اس خط کو اخبارات کو دیدیا' اس سے ناگواری ہوئی' لارڈ ریڈنگ نے ایک سخت خط نظام کو لکھا جس کا منشا یہ تھا کہ ان کی حیثیت بالکل اور والیان ملک کی حیثیت کے برابر ہے' برٹش حکومت سے کوئی سوال مساوات کا پیدا نہیں ہوتا۔اس کے بعد نظام کے اختیارات پر مزید قیود لگائے گئے' ایک انگریز آئی' سی' ایس وزیر جو حکومت ہند کا تجویز کردہ ہوتا تھا' حضور نظام مقرر کرتے تھے اور ہمیشہ پولس مالگذاری اور جنرل ایڈمنسٹریشن کے محکمہ جات اس کے حوالہ کئے جاتے تھے۔اس طرح برٹش حکومت کا ایک افسر حکومت حیدرآباد کے دروبست پر اثر انداز ہوتا تھا' اس واقعہ سے پہلے فقط وزیر اعظم کا تقرر وایسرائے کے مشورے سے ہوتا تھا' اب دوسرے وزراء کے تقرر میں بھی ریزیڈنٹ سے مشورہ لازمی ہوگیا۔

’’میں نے وہ معاہدے دیکھے ہیں جو زمانہ سابق میں برٹش اور حیدرآباد کے درمیان ہوئے ہیں، ان کی عبارت ایسی ہی ہے جیسی دو برابر کی حکومتوں میں ہونی چاہئیے لیکن Might is Right یا ہماری زبان میں ’’جس کی لاٹھی اس کی بھینس‘‘ پہلے بھی صحیح تھا اور آج بھی ہے۔ ہمیشہ صحیح رہے گا۔ زبردست ناانصافی کے واسطے سینکڑوں بہانے بنا تا ہے اور زیردست منہ تکتا رہ جاتا ہے۔‘‘

(حوالہ: یادِایام از نواب صاحب چھتاری، ص۶۳ تا ۶۵)

اس طرح ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔

◆◆◆

حیدرآباد میں آبادی کا تناسب؟

سرعلی امام کی تحریک کے احیاء کیلئے قائدملت کی کوششیں

برصغیر کی سب سے بڑی ریاست، جس کو سلطنت کہا جاتا تھا جس کا رقبہ ۸۲۶۹۸ مربع میل تھا اور اس کی آبادی ۱۴۴۳۶۱۴۸ نفوس پر مشتمل تھی، ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے لحاظ سے ہندو ۹۶۹۹۶۱۵، مسلمان ۱۵۳۴۶۶۶، عیسائی ۱۵۱۳۸۲، جین ۲۱۵۴۳، سکھ ۵۱۷۸، پارسی ۱۷۸۴، آریہ سماج (ہندو) ۳۷۰۰، برہموسماج (ہندو) ۱۸۲، ادی ہندو (ہندو) ۲۴۷۳۲۳۰ تھی۔

اس پس منظر میں، سرعلی امام نے اقلیت کو اکثریت میں متبدل کرنے کا ایک عظیم منصوبہ بنایا مگر یہ تحریک پروان نہ چڑھ سکی اور اس تحریک کو سیاسی موت کی آغوش میں سلا دیا گیا۔

فراست کا تقاضا تھا کہ دکن میں مسلمانوں کی اقلیت سے پیدا شدہ مسائل کے حل کے لئے اس کام کی تکمیل کی جائے جس کی بنیاد سرعلی امام نے رکھی تھی۔

۱۹۳۸ء میں علاقہ ترکستان کے کئی ہزار جلاوطن تبت کے راستے کشمیر آئے، کشمیر کے راجہ نے ان مظلومین کا قافیہ حیات تنگ کردیا، اس مسئلہ کی یکسوئی، ملی اور سیاسی ہر دو نقطۂ نظر سے قائد ملت کی توجہ کی محتاج تھی۔

قائد ملت نے صدر اعظم باب حکومت سر احمد سعید خاں نواب صاحب چھتاری کو اس مسئلہ کی اہمیت سے آگاہ کرتے ہوئے جو جملہ تحریر فرمایا تھا وہ اس مسئلہ کے حل کی ملی اور سیاسی اہمیت کی کامل وضاحت کا مظہر تھا کہ:

''یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی یہ خدمت تاریخ حیدرآباد میں ہمیشہ یادگار رہے گی۔ اپنے اس تاریخی مکتوب میں قائد ملت نے نواب صاحب چھتاری کو اس مسئلہ کے پس منظر اور اہمیت سے آگاہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا:

ایک خاص مسئلہ کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں' آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ قازق علاقہ ترکستان کے کئی ہزار جلاوطن تبت کے راستے کشمیر میں وارد ہوئے ہیں' حکومت کشمیر نے تو ان پر بہت سے مظالم کئے لیکن حکومت برطانیہ نے اخباری اطلاعوں کے مطابق ان کو ہندوستان میں آباد کر لینے کا ارادہ کرلیا ہے' میرے خیال میں یہ بہترین موقع ہے کہ حیدرآباد ان پر اپنے دامن کا سایہ پھیلا دے' تھوڑا شور ضرور مچے گا لیکن کامیابی یقینی ہے اور فوائد ظاہر ہیں' آصف آباد اور نظام آباد میں ہزاروں ایکڑ اراضی افتادہ پڑی ہیں اور وہاں ان کو آسانی سے آباد کیا جاسکتا ہے' بیشک ابتدائے کار میں تھوڑا روپیہ بطور تقادی وغیرہ خرچ کرنا پڑے گا۔ضرورت صرف تھوڑی فراست اور جرأت کی ہے جس سے کام بہ آسانی پورا ہوسکتا ہے' میری رائے میں حکومت کے سامنے اس مسئلہ کو رکھنے سے قبل اگر جناب حکومت برطانیہ سے اپنے طور پر گفت وشنید فرمائیں اور اس کو آمادہ کرلیں تو بہت مناسب ہوگا' میں اس کام کی طرف آپ کی خاص توجہ کا متمنی ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی یہ خدمت تاریخ حیدرآباد میں ہمیشہ یادگار رہے گی اور آپ اس کام کی تکمیل کریں گے' جس کی بنیاد سر علی امام مرحوم نے رکھی تھی' میری دعا ہے کہ خدا آپ کو اس کی توفیق وطاقت عطا فرمائے۔

(حوالہ: خط موسومہ نواب صاحب چھتاری' ص:۲۸۲ مکتوب نمبر ۲۵۶' مشمولہ: مکاتیب بہادر یار جنگ)

اسی طرح افریدیوں اور مہمندوں اور خٹک کے عوام کو بھی وہ دکن کی سلطنت سے قریب کرنے کی کوششوں میں رہے ایک خط میں اپنی اس تمنا کا اظہار فرمایا تھا کہ:

''میری اپنی تمنا ہے کہ افریدیوں اور مہمندوں کی طرح قوم خٹک کے تعلقات بھی دکن کی اسلامی سلطنت سے قائم ہوں' میں اس کے لئے کوشش کرونگا''۔

اپنے ایک مکتوب (خط نمبر ۵۲ مکاتیب بہادر یار جنگ جلد دوم) میں حیدرآباد میں مسلم آبادی کے اضافے کے ضمن میں وضاحت فرماتے ہیں:-

''پٹھانوں کی بھرتی کی نسبت کوشش جاری ہے' پائیگاہوں اور صرفخاص کو بھی آمادہ کیا جارہا ہے' مسلم آبادی میں اضافے سے متعلق بھی ایک سے زیادہ تجاویز پیش ہیں۔''

روسی علاقہ قازستان کے جلاوطن مسلمانوں کو باز آبادکاری کے ضمن میں بھی قائد ملت نے

کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ مگر ان کی ساری کوششیں ناعاقبت اندیش حکمران وقت اور خودغرض ارباب حکومت کی ابلہ فریبی کے باعث شرمندہ معنی نہ ہوسکے۔

اپنے مکتوب (مکتوب نمبر ۱۴۲ مشمولہ مکاتیب بہادر یار جنگ جلد دوم) میں قازق جلاوطنوں کی بازآبادکاری کے ضمن میں حکومت کی سرد مہری پر اپنے تلخ احساسات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

''قازق جلاوطنوں کی نسبت وعدے کئے گئے ہیں لیکن عقل و جرأت کی کمی ہے' بیشک اب وقت آ گیا ہے کہ انتظار کے بغیر اس خودغرضی اور ابلہ فریبی کی دنیا کے زمین و زماں کو برہم کردیا جائے۔ خدا وہ وقت جلد لائے''۔

◆◆◆

اعلیٰ حضرت جلالۃ الملک سلطان العلوم
شمس الملۃ والدین شاہ دکن و برار خلد اللہ ملکہ وسلطنتہٗ

سلطنت آصفیہ کے ساتویں اور آخری فرماں روا نواب میر عثمان علی خاں صاحب تھے جن کے القاب بے شمار تھے۔ دور شہزادگی میں ان کی تعلیم و تربیت مثالی ہوئی' وہ انگریزی' فارسی' اردو اور عربی پر عبور رکھتے تھے' ان کا مطالعہ وسیع تھا۔ اپنے وقت کے لائق ممتاز علماء و اساتذہ سے انہیں استفادے کا موقعہ نصیب ہوا' شاہی خانوادے میں شاہی آداب اور امور مملکت کے رموز سے آگاہی کے باعث انہیں خود بادشاہ بن جانے کے بعد کسی رہبری و رہنمائی کی ضرورت لاحق نہ ہوئی۔ درباری سازشوں اور سازشوں کے عواقب و نتائج سے بے خبر بھی نہ تھے۔ اگر بے خبر ہوتے تو آصفی سلطنت کے جائز حق دار چھٹے بادشاہ نواب میر محبوب علی خاں کے جائز وارث نواب بسالت جاہ بادشاہ وقت ہوتے۔ بادشاہ بنتے ہی ان تماموں کو بے آبرو کیا جنہوں نے جان کی بازی لگا کر انہیں تخت پر بٹھایا تھا۔

چوں کہ ملوکیت کے شیطانی تصور نے مسلمان کو بادشاہ کا پرستار بنا دیا اس لئے ان کی ذات دکن کے مسلمانوں کے نزدیک قابل پرستش بن گئی۔ دکن کے مسلمان سے زیادہ سادہ لوح مسلمان دنیا کے کسی گوشے میں نہیں تھا' پوری ریاست کی رعایا پر جو حکومت کے خزانے پر خرچ آتا تھا۔ اس سے دو چند نظام کے ذاتی خزانے میں جاتا تھا' دولت سونا چاندی ہیرے جواہرات کے مالک کی حیثیت سے دنیا کے متمول ترین انسانوں میں راک فیلر کے بعد ان کا شمار ہوتا تھا۔ نذرانوں کے ذریعے رقم جمع کرنا' صاحب حیثیت امراء عظام کی موت کے بعد ان کی دولت کو داخل خزانہ کر لینا' یہ ایک طویل تعارفی داستاں ہے جو بیسویں صدی کے متمول ترین لیکن کنگال بادشاہ کی ذات سے وابستہ کہانی ہے۔

ممالک محروسہ سرکار عالی کی ہر مسجد میں خلفا کے ناموں کے بعد سرکار عظمت مدار قاقان ابن قاقان' سلطان ابن سلطان نواب میر عثمان علی خاں کا نام لیا جاتا تھا۔

جمعہ کے خطبہ میں اس شخص کا نام لیا جاتا تھا جس کی بیویوں کی تعداد ان گنت تھی جس کے خواص لاتعداد تھے اور بن خواص (جو تمتع بیجا کے لئے محل میں لائے گئے مگر جن سے نظام کا جسمانی تعلق پیدا نہ ہوا۔ وہ بھول گئے کہ کسی کو پسند کر کے میں نے محل میں داخل کرنے کا حکم دیا تھا)

عام طور پر دعوتوں اور اجتماعات میں کسی عورت پر نظر پڑ جاتی تو حکم ہوتا کہ داخل محل کر دی جائے۔ دو سگی بہنیں بھی حرم سرا میں بیوی کی حیثیت سے شامل تھیں' ضعیفی کے دور آغاز میں گلبرگہ کی ایک طوائف کو شریک حرم فرمالیا۔ نظام کے خانگی معاملات میں انگریزوں نے بھی کبھی مداخلت نہیں کی اور رعایا میں کس کی مجال تھی کہ انگلی اٹھاتے' تحتانیہ سے فوقانیہ تک اسکول شروع ہونے سے قبل حمد باری تعالیٰ پڑھی جاتی تھی جو بعد میں یہ نظم۔

تاابد خالق عالم یہ ریاست رکھے
تجھ کو عثمان بصد اجلال سلامت رکھے

جیسے تو فخر سلاطیں ہے بفضل یزداں
یوں ہی ممتاز تیرا خانہ دولت رکھے

پڑھی جانے لگی۔

امراء دولت آصفیہ' اہل علم' علمائے اکرام سے ربط و تعلق کی اہمیت اور جنگ کے خطاب سے نوازنے' منصب اور وظیفہ مقرر کرنے' تعریفی کلمات اور تعریف و توصیف کے ذریعے اپنے تعلق خاطر کو ہمیشہ باقی و برقرار رکھا اور اندرونی طور پر ہر قابل ذکر شخص کے شخصی و خاندانی حالات اور اس کے اثرات سے انہوں نے ذاتی طور پر واقفیت رکھی۔ عام طور پر یہ درباریوں سے ''تو'' سے مخاطب ہوتے اور ذرا درجہ دینا ہوتا تو تم آپ کا لفظ مشکل سے ان کی زبان سے ادا ہوتا۔ گفتگو کا لہجہ نہایت کرخت تھا۔ مختصر یہ کہ:

ذات ایسی جیسے گناہ سڑتے ہوں
بات ایسی جیسے گنوار لڑتے ہوں

کنگ کوٹھی میں ان کا محل تھا (جو نذری باغ کہلاتا تھا) جس میں یہ رہتے تھے، ہر طرف کچرا پڑا ہوا۔ گرد، مکڑے کے جالے، لباس میلہ، کبھی لنگی اور گریبان کھلا ہوا قمیص، ان کے محل کا سراپا، خود ان کے وزیر کے قلم سے بیان ہوا ہے۔

''اسی زمانہ میں حضور نظام کچھ علیل ہو گئے اور میں بجائے دفتر پیشی کے نذری باغ میں حاضر ہوا۔ مجھے یہ بھی اجازت دیدی گئی تھی کہ بغیر دستار بکلوس حاضر ہوں۔ حیدر آباد کے آداب کا یہ حصہ تھا کہ نظام کے سامنے جو کوئی جائے وہ دستار بکلوس لگائے۔ مہمان اس سے مستثنیٰ تھے اور بغیر دستار بکلوس حاضر ہونے کی اجازت ایک طرح کا اعزاز خیال کیا جاتا تھا، میرا موٹر مہتابی تک گیا۔ میرے ۱۶/جون ۴۳ء کے روزنامچے میں درج ہے۔

سرکار نے علالتِ مزاج کی وجہ سے نذری باغ میں یاد فرمایا، میں نے موٹر سے اترتے ہی دیکھا کہ تمام کمرے، برآمدے اور مہتابیاں مختلف قسم کے سامان سے بھری پڑی ہیں۔ بکس، صندوق، بستے، پوٹلے، جملہ اقسام کی چیزیں انہی کے ساتھ بوتلیں اور مرتبان رکھے ہوئے ہیں، ان پر گرد چڑھی ہوئی ہے، مکڑیوں کے جالے لگے ہوئے ہیں، کبوتروں کی بیٹ پڑی ہوئی ہے۔ خدا جانے کتنے عرصہ سے یہ چیزیں اپنی جگہ پر رکھی ہوئی ہیں۔ آگے بڑھا تو ایک بڑا بکرا کھڑا ہوا پتے کھا رہا تھا۔ اس موقع پر اس کی شان نزول کی کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ بعد کو معلوم ہوا کہ اس بکرے کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی اس وجہ سے وہ بطور پنشن خوار یہاں رہتا ہے، یہ پہلا موقع تھا جو بغیر دستار بکلوس کے حاضر ہوا۔ چھوٹے برآمدے میں سرکار ایک کرسی پر بیٹھے تھے اور سامنے ایک کرسی گول سیٹ کی رکھی ہوئی تھی جس پر سلام کر کے میں بیٹھ گیا۔ میں نے آداب کے بعد امام ضامن پیش کیا، سرکار بہت کمزور نظر آتے تھے، فرمانے لگے کہ مجھے دست بھی آتے ہیں اور سو بخار بھی ہے۔

میں نے دیکھا کہ اس برآمدے میں بھی بہت سے مقفل سربمہر صندوق اور سربمہر زرد رنگ کی تھیلیاں رکھی ہیں۔

(حوالہ: یادِ ایام حصہ سوم نواب صاحب چھتاری، ص: ۱۳۹۔۱۴۰)

ہوش بلگرامی جو نظام کے ۲۰ سال تک درباری رہے (جن کا تذکرہ آئندہ صفحات پر

مطالعہ میں آئے گا) انہوں نے اپنی کتاب ''مشاہدات'' میں نظام کے درون خانہ کی بابت جو باتیں لکھی ہیں اس سے قبل دربار عثمانی کے زیر عنوان لکھا ہے کہ:

''بیس سال تک بلا ناغہ دربار عثمانی میں حاضر رہا اس نے وہاں دن کے اجالوں اور رات کی تاریکیوں میں کیا کچھ نہ دیکھا ہوگا۔'' (حوالہ: مشاہدات' از: ہوش بلگرامی: ص:۱۸۲)

اب ہم مشاہدات کی روشنی میں نظام کے حال واحوال سے آگاہی حاصل کریں گے۔

اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں بہادر:-

سال ۱۹۱۱ء مختلف تقریبوں کا گلدستہ بنا ہوا تھا اور کہیں ارضی وسمادی حادثات سے زیر وزبر ہو رہا تھا' دہلی میں جارج پنجم کی تاجپوشی ہو رہی تھی اور حیدرآباد میں نواب میر عثمان علی خاں بہادر آصف جاہ عاشر بن رہے تھے۔

مسند آرائے حکومت ہونے کے تین ہی سال کے اندر پہلی جنگ عظیم ہوئی اور برطانوی حکومت کے لئے موت وزیست کا سوال اس لئے پیدا ہو گیا کہ ترکی برطانیہ سے برسر پیکار ہو گیا تھا جس کے سلطان کو مسلمانان عالم اپنا خلیفہ مانتے تھے' ایسے نازک موقعہ پر اعلیٰ حضرت نے اپنے اثرات کو استعمال کر کے ہندی مسلمانوں کو سلطنتِ برطانیہ کی وفاداری پر ثابت قدم رہنے کی تلقین فرمائی اور تمام مالی ومادی ذرائع بھی برطانیہ کے لئے وقف کر دیئے۔ان خدمات کا صلہ یہ ملا کہ استرداد برار کے مسئلہ کا انکاری فیصلہ لارڈ ریڈنگ نے فریق اور جج دونوں حیثیتوں سے کر دیا۔ جب یہ مسئلہ کمیشن کے سپرد کرنے کے لئے لکھا گیا تو اس کو بھی اس استدلال سے نامنظور کر دیا گیا کہ اقتدار اعلیٰ کے مقابلہ میں ایک تابعانہ حیثیت رکھنے والی ریاست کو کب ایسا حق پہنچتا ہے۔اس کے باوجود اعلیٰ حضرت نے مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا گو کچھ نہ ہوا مگر اعلیٰ حضرت اپنے حق سے دستبردار نہیں ہوئے۔لارڈ ریڈنگ کے فیصلہ نے ایک عارضی خاموشی تو طاری کر دی مگر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ برار کا ملک تو نہ ملا مگر برطانیہ نے اتنی سیادت منظور کر لی کہ سالگرہ کے موقع پر پرچم آصفی لہرایا جائے' نواب اعظم جاہ بہادر کو 'ہز ہائی نس پرنس آف برار'' کے لقب سے پکارا جائے۔

آصفجاہ سابع (سلسلہ کے لحاظ سے عاشر) نے چوں کہ شاہی محل میں پرورش اور تربیت

پائی تھی، جہاں ''جوحکم'' کے سوااور کوئی الفاظ کانوں نے نہ سنے تھے اس لئے طبعیت کا اتار چڑھاؤ حکومت واقتدار کا تقاضا تھا۔شعور پیدا ہوتے ہی:-

اے زر تو خدا نیست و لیکن بخدا

ستار العیوب و قاضی الحاجات

ولیعہدی کے زمانے میں جو جیب خرچ ملتا تھا اس نے پس اندازی کی عادت ڈالی تھی۔ جب حکومت ملی اور دیڑھ کروڑ سالانہ کے صرف خاص پر بلاشرکت غیرے قابض ہوئے تو اس کو بڑی احتیاط سے صرف کیا۔

جیب خرچ :-

پرنس اعظم جاہ اور معظم جاہ کے لئے شادی سے قبل جیب خرچ اس لئے مقرر نہ کیا گیا تھا کہ کہیں یہ فضول خرچیوں کے عادی نہ ہوجائیں، بیویوں اور خواصوں کو بھی صرف ضروریات زندگی سے مطمئن رکھا گیا، یہ تو اولاد اور بیویاں تھیں، خود ذات اقدس نے کب ''چھکے پنجے'' کی زندگی بسر کی، کب امارت کی سنتوں پر عمل کیا اور کب شاہان سلف کی طرح دولت لٹائی۔ وہ راستہ اختیار کیا جو اپنا تلاش کیا ہوا تھا۔

انتخاب محلات:-

''اگر پدر نتواند پسر تمام کند'' کے ضرب المثل یہاں صادق نہ آسکی جس کے باپ کے محلات میں ڈھائی سو کی بھیڑ لگی ہو اس کے بیٹے نے صرف ''پون سو'' پر قناعت کر کے مقلد دنیا پر یہ ظاہر کردیا کہ بزرگوں کا ہر فعل قابل تقلید نہیں ہوا کرتا بلکہ حالات پر نظر کر کے قوت واستطاعت کا لحاظ کر کے عیش وراحت کی چاندنی راتوں کو دن کے آفتابی اجالے میں دیکھا جاسکتا ہے، یہ تاج و تخت کا ایک لوازمۂ عیش ہے جس کی زینت پری جمالوں کے بغیر ہوتی ہی نہیں۔

اولاد:-

ماشاءاللہ سے اعلیٰ حضرت کثیرالاولاد ہیں، آپ کی شادی شدہ محل حضرت دلہن پاشاہ (جو نواب جہانگیر جنگ مرحوم کی صاحبزادی اور نواب قدرت نواز جنگ بہادر کی ہمشیرہ محترمہ ہیں) کے بطن سے ہزہائی نس والاشان پرنس اعظم جاہ بہادر، والاشان پرنس معظم جاہ بہادر اور شہزادی

احمد النساء بیگم صاحبہ ہیں۔ دیگر محلات سے بھی متعدد و صاحبزادیاں اور صاحبزادے ہیں۔ لیلیٰ بیگم صاحبہ کے بطن سے بھی اس وقت ماشاءاللہ کئی صاحزادے اور صاحبزادیاں ہیں۔

پرنس اعظم جاہ بہادر کی شادی معزول خلیفہ ترکی کی صاحبزادی پرنسس درشہوار سے ہوئی جن کے بطن سے پرنس مکرم جاہ اور پرنس مفخم جاہ ہیں۔

پرنس معظم جاہ بہادر کی بھی شادی بڑے بھائی کے ساتھ ہی سلطان مراد ترکی کی پوتی پرنسس نیلوفر سے ہوئی جن سے کوئی اولاد نہ ہوسکی۔

ان دونوں بھائیوں کی پرورش اور تعلیم وتربیت خاندانی روایات کے مطابق ہوئی۔

اس کا افسوس ہے کہ شہزادی صاحبہ یا دوسری صاحبزادیوں کی شادیاں ابھی تک نہ ہوسکیں۔ پرنس معظم جاہ بہادر کو شاعری کا بہت ستھرا مذاق ہے جن کی صحبت میں کبھی جوشؔ بھی رہے ہیں اور فانیؔ بھی، اب نجم آفندی اپنا بڑھاپا گذار رہے ہیں، پرنس اعظم جاہ بہادر کی بھی طبعیت کبھی موزوں ہو جاتی ہے۔

بیداری:

اعلیٰ حضرت عموماً صبح چھ اور سات بجے کے درمیان سونے کے کمرے سے برآمد ہو جایا کرتے ہیں اور شہ نشین پر (ایک کرسی رکھی رہتی ہے) بیٹھ جاتے ہیں، منہ دھو کر چائے نوش فرماتے ہیں، کبھی کبھی میز خانے کے بنے ہوئے ایک دو بسکٹ کھا لیتے ہیں اس کے بعد افیون کی گولیاں چائے کے گھونٹ سے حلق میں اتار لیتے ہیں۔ گیارہ اور بارہ کے درمیان دوپہر کا خاصہ اور ساڑھے سات اور آٹھ کے درمیان رات کا خاصہ نوش فرماتے ہیں، اسٹاف کی حاضری سے قبل پہرہ کے سپاہیوں سے بھی باتیں کر لیتے ہیں، ایسے سپاہیوں میں حسین خاں سپاہی سے مختلف قسم کی باتیں ہوتی ہیں۔ اس سے دوسرے سپاہیوں کے خانگی حالات دریافت کئے جاتے ہیں۔ ان کے کھانے پینے کے حالات پوچھے جاتے ہیں، ان کے لڑکے لڑکیوں کی تعداد دریافت کی جاتی ہے، شادی بیاہ کے رشتے جڑوائے جاتے ہیں اور مذہب وسیاست کے مسائل بھی ان کو سمجھائے جاتے ہیں۔

جزئیات:

بیویوں، خواصوں اور لڑکے لڑکیوں میں جب کوئی بیمار پڑ جاتا ہے اور جن کا کھانا میز خانہ

سے مقرر ہے۔ سب سے پہلے جنس تولنے والے کے نام ایک پرچہ لکھا جاتا ہے کہ فلاں کا کھانا نہ پکایا جائے اور فلاں چیز پرہیزی اس مقدار میں پکائی جائے۔ دماغ کی ہمہ گیری دیکھئے کہ وہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی حافظہ سے محو نہیں ہونے دیتے۔

لباس:-

بہتر سے بہتر لباس توشک خانہ میں بھرا ہے خود کرتہ پائجامہ اور نیم آستین کا کوٹ پہنتے ہیں اور خاص موقعوں پر شیروانی۔

شہ نشین:-

شہ نشین کے چاروں طرف پوٹلے، پوٹلیاں، صندوق اور مختلف قسم کا سامان رکھا رہتا ہے۔ سگریٹ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ادھر ادھر پڑے رہتے ہیں جو کوٹھری بند ہوگئی وہ برسوں نہ کھلی۔ کمیاب قلمی کتابیں کیڑوں کی غذا بن گئیں اور محبوب شاہی توشک خانہ میں قیمتی تھان کے تھان دیمک چاٹ گئی۔

سردی میں ''سردیا'' رہے ہیں مگر نہ کوئی کشمیری دوشالہ اوڑھتے ہیں اور نہ کوئی گرم کوٹ پہنتے ہیں۔

موسیقی:-

آصف جاہ سابع کی انگلیاں پتلی پتلی ہیں اور یہ خود فرمایا ہے کہ یہ انگلیاں طبلہ بجانے کے لئے نہایت موزوں ہیں۔ ایک مرتبہ ہز ہائی نس آغا خاں کی فرمائش سے یہ محفل گرم ہوئی تھی جہاں امراء نے بطور تصدیق اپنی اپنی مقررہ نذریں پیش کیں اور آغا خاں نے بھی کاغذی تصدق پیش کی۔ مہاراجہ بہادر اس لطف سے اس واقعہ کو بیان کرتے تھے کہ سننے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، کبھی کبھی گنگناتے بھی ہیں اور کرسی پر انگلیاں بھی چلتی ہیں۔

تعلیم، شاعری اور مذہب:-

آصف جاہ سابع کو انگریزی تعلیم سر برائن سیجرٹن نے دی، علم ادب عماد الملک بلگرامی نے پڑھایا اور مذہبی درس نواب فضیلت جنگ نے دیا۔ دو استاد تو اپنے وقت اور اپنے زمانہ کے مشاہیر علماء میں سے تھے۔ دونوں نے پڑھایا اور دل لگا کر پڑھایا اور دوسرے فرمانروایان ملک کی طرح

کسی کا محتاج نہ رکھا اور اپنے مافی الضمیر کو ایک خاص طرز تحریر میں ظاہر کرنے کے قابل بنا دیا۔

مذہبی تعلیم تو ''حنفی المذہب'' طریقہ سے پائی اور ضرورتاً اس کی بہت کچھ پابندی بھی کی گئی۔ مگر ''بطنی مذہب'' کی خاموش چنگاریاں خانۂ دل میں ہمیشہ چمکتی رہتی تھیں' آخر ایک وقت ایسا آیا کہ وہ چنگاریاں شعلے بن کر بھڑک اٹھیں' ہر چند نماز میں حنفی طریق عبادت ہی کو جاری رکھا گیا مگر دکن کی مذہبی دنیا کو ان کے محرمی سلاموں سے مرتضوی منصبتوں سے اہل بیت کرام کی مدح وثنا سے اور ان کے مذہبی حرکات وسکنات سے معلوم ہو گیا کہ ماں اور منہ بولی نانی کے ابتدائی اثرات تربیت کو مولوی انوار اللہ (فضیلت جنگ) کی تعلیم متاثر نہ کر سکی اور تہور جنگ کی اتالیقی ''بطنی مذہب'' کا ادب سکھا کے رہی۔ اس میں شک نہیں کہ اعلیٰ حضرت اہل بیت کے پرستار ہیں اور اس عقیدے میں اس قدر پکے اور اپنے والہانہ جذبہ میں اتنے سچے ہیں کہ نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ کی طلائی ضریحوں کے سامنے بلا ناغہ سجدہ ریز ہوتے ہیں اور ''باپ بیٹے'' کی ارواح مقدسہ سے ''عرض معروض'' کر کے اپنے مضطرب قلب کو سکون پہنچاتے رہتے ہیں۔ ان کے ''اہل بیتی عقیدہ'' سے دکن کی مذہبی دنیا بظاہر تو کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کر سکی تھی مگر بباطن اس سے کچھ خوش نہ تھی' جس کے نتائج آنکھوں سے دیکھے بھی گئے اور کانوں سے سنے بھی گئے اس عقیدے کی پیروی نے اس ذات پر سر بازار آوازے کسوائے۔ خانہ باغ میں سازشیں کی گئیں یہ سب کچھ ہوا مگر اس عقیدے کو کوئی جنبش نہ دے سکا' یہ مذہبی کردار دوسرے کرداروں پر اس قدر چھا گیا تھا جس کو دیکھ دیکھ کر میرے انسانی عقائد کی کمزوریاں حیران بھی ہوتی تھیں اور شرمندہ بھی۔

میرے کانوں نے ''سلطان الشعراء'' کے کلام میں ایسے ادبی اخراعات سنے اور میری نظروں نے ایسے شاعرانہ اجتہاد دیکھے جو نہ متقدمین کے یہاں ملے اور نہ متاخرین کے یہاں نظر آئے' تعجب ہوتا تھا کہ حکمرانی کی مصروفیتیں ادب وشعر کے لئے بھی وقت نکال لیتی تھی اور نئی نئی ترکیبوں سے دنیائے شاعری کو روشناس کر دیتی تھیں۔

امراء ہوں یا عہدیدار' مصاحب ہوں یا ہم نشیں ہر ایک کی یہی کوشش ہوتی تھی کہ داد دینے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جائے۔ میرے زمانہ میں بعض حضرات داد دیتے دیتے شہ نشیں سے پھاٹک تک پہنچ جاتے تھے۔ موٹاپے سے ہانپتے ہانپتے سر سے پیر تک پسینہ میں نہا

جاتے تھے مگر داد دینے میں اپنے ساتھیوں سے پیچھے نہ رہنا چاہتے تھے۔

شاعری کا یہ شوق کچھ آصفجا ہوں ہی میں تنہا نہ تھا بلکہ قطب شاہوں کے تو رگ و ریشہ میں یہ شیرازی ذوق سرایت کئے ہوئے تھا' بہادر شاہ ظفرؔ بھی رنگون کی تنہائیوں میں اسی سے جی بہلایا کرتے تھے اور اودھ کے جان عالم بھی مٹیا برج میں نوحے مرثیے کہہ کر حسینؑ کے غم میں رولیا کرتے تھے۔ مرحوم حامد علی خاں فرمانروائے رامپور داغیوںؔ سے رشک کرتے تھے اور امیریوںؔ سے غبطہ رکھتے تھے۔ ان کے جانشیں رؔجا پیا نے کبیری شاعری سے اس وقت رشتہ جوڑا تھا جب اس کا وہم وگمان بھی نہ تھا کہ یہی زبان آئندہ ہندوستان کی حکومتی زبان قرار پائے گی۔ دوسرے سلاطین بھی جب رنگین محلوں سے جمائیاں لیتے ہوئے برآمد ہوتے تھے تو شب گذشتہ کے واردات کا پردہ شاعری کے چونچلوں سے فاش کرتے تھے اور جب تک مصاحبین اور درباریوں سے اپنے شاعرانہ راز و نیاز کی داد نہ لے لیتے تھے اس وقت تک امور مملکت کے رازداروں کو بازیابی کی اجازت نہ ملتی تھی۔

بادشاہ اگر صرف بادشاہ ہی رہتے اور شاعری میں اپنا وقت ضائع نہ کرتے' ملکی سیاست میں کمال پیدا کرتے۔ سعدیؔ سے اخلاق کے سبق لے کر رعایا کی بہتری کے مضامین سوچتے رہتے اور اپنے نفسانی خواہشات کو شاعرانہ نواسنجیوں سے تیز نہ کرتے تو یہ فرائض ان کو شاعری سے کہیں زیادہ محبوب خلائق بنا دیتے۔

ابتدائی زمانہ میں تو ''دیوان عثمانی'' سے عام نظریں مستفید نہ ہوسکتی تھیں مگر ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ مقامی اخباروں کا پہلا صفحہ کلام شاہانہ سے مزین رہتا تھا اور رائے استاد جلیلؔ بھی نیچے لکھی رہتی تھی' ابتدائی کلام میں ایسا مقطع بھی موجود ہے کہ:۔

سلاطین سلف سب ہوگئے نذر اجل عثماںؔ
مسلمانوں کا تیری سلطنت سے ہے نشاں باقی

مگر جب سے فارسی زبان میں طبعیت موزوں ہونے لگی تو اردو کی طرف سے توجہ ہٹ گئی' ہر لفظ کے معنی اس لئے لکھ دیئے جاتے تھے کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے طلبہ کو نہ پروفیسروں سے پوچھنا پڑے اور نہ ''غیاث اللغات'' دیکھنا پڑے۔

خاصہ :-

غذا بہت سادہ نوش فرماتے ہیں، جس میں ایک قسم کا سالن ایک قسم کے کباب، باریک چاولوں کا ''موتیا خسکر'' پراٹھے اور شیرمال بس! ہاں بالائی ضرور ہوتی اور بہت لطیف ہوتی۔ ایک شاہ کاسہ پانی سے بھرا ہوا پاس رکھا رہتا ہے جس سے بار بار انگلیاں دھوئی جاتی ہیں اور سر جھکائے ہوئے خاصہ میں مصروف رہتے ہیں، سیب وغیرہ کے مربوں سے منہ میٹھا کر لیتے ہیں اور بالائی تو جان ہے جس کو بہت رغبت سے کھاتے ہیں اور اسی خاصہ میں سے تھوڑا تھوڑا کبھی ان کو اور کبھی ان کو سرفراز کرتے ہیں۔

سلطان الشعراء :-

استاد جلیلؔ نے ٹاؤن ہال میں ایک جلسہ کر کے ''سلطان الشعراء'' کا لقب پیش کیا۔ اور اس لقب کی شاعرانہ مسرت میں حاضری نے ایٹ ہوم سے بھی لطف اٹھایا، حکمائے یونانی نے ''سلطان الحکمت'' سے مخاطب کر دیا۔

نماز :-

اعلیٰ حضرت نماز جمعہ ہاتھ باندھ کر مگر نماز جنازہ ہاتھ چھوڑ کر پڑھتے ہیں، محرم میں عزاخانہ زہراؑ میں اگربتی خود جلاتے ہیں۔ ۱۲ر محرم کو فولادی علم کا وزن بڑی عقیدت سے سنبھالتے ہیں۔

شگون :-

کوئی دن مشکل سے ناغہ جاتا ہوگا جس میں آیات قرآنی سے، فوجی پہروں کے سامنے سے گذرنے سے، میناری گھڑی کی ٹن ٹن آواز سے اچھے شگون نہ لئے جاتے ہوں۔ بلی آنے جانے کے راستے سے اگر گذر جائے تو اس کا ٹوٹکا اس راستے میں ایک لوٹا پانی ڈال کر کیا جاتا ہے، عزاخانہ زہراؑ میں اور خلوت کے بارہ اماموں کے کمرے میں حسینی معجزے دیکھے جاتے ہیں اور مسجد جودی کے ''جوادی صحن'' میں بھی نہ معلوم کس قسم کے جلوے نظر آتے ہیں۔

مذہبی عادات :-

کسی کے سوم اور چہلم کے بتاشے ہوں یا کسی مجلس کا تبرک اس کو عقیدتاً وہیں نوش فرما لیتے ہیں۔ مردہ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دعا پڑھتے ہیں، مقدس مقامات کے تبرکات (آب زمزم وغیرہ)

مرنے والوں کی نجات کے لئے تقسیم ہوتے ہیں۔ ''کتنی قبر روشن ہے''۔ کا فقرہ جب کسی قبر کو ملاحظہ فرماتے ہیں ضرور فرماتے ہیں۔ قبروں پر پھول چڑھاتے ہیں اور قبر پر ہاتھ رکھ کر شیعہ طریقے سے فاتحہ دیتے ہیں۔

لطیفہ :-

محرم کا مہینہ ہے ''عزاخانہ زہرا'' میں روزانہ شام کو مجلسیں ہو رہی ہیں، حسینؑ کی مجلس میں نہیں بلکہ حضور نظام کو صورت دکھانے کے لئے ہندو، مسلمان، شیعہ، سنی سب دور دور کی مسافت طئے کر کے آتے ہیں، اس زمانہ میں سر مرزا اسماعیل صدر اعظم تھے وہ بھی ایک مجلس میں آئے اور اپنے ساتھ اپنے ایک ایرانی مہمان کو بھی لائے جنہوں نے حضور نظام کو کبھی دیکھا نہ تھا، حضور نظام جب مجھ جیسے مصاحبوں کے ساتھ عزاخانہ میں داخل ہوئے تو سب تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ سر مرزا کے ایرانی مہمان نے حضور نظام کو نہ پہچانا اس کو محسوس کر کے سر مرزا نے اپنے ایرانی مہمان سے کہا کہ ''ایں شاہ دکن است'' تو ایرانی مہمان نے برجستہ جواب دیا کہ ''پناہ بخدا'' (اللہ پناہ میں رکھے) طنز۔ (حوالہ: ۲۱۶ تا ۲۲۹ مشاہدات، از: ہوش بلگرامی)

حضور نظام سے متعلق نواب صاحب چھتاری کے تاثرات :-

''مزاج باغباں'' کے تعارف کے بغیر نظام کی شخصیت کی اصلی تصویر ابھر کر سامنے نہیں آتی۔ اس خصوص میں اعلیٰ حضرت حضور پرنور کے عادات و خصائل، ان کے اوصاف اور ان کا مزاج، دروغ گوئی، سفلہ نوازی ...... سازشی ذہن، شکی مزاج، امور مملکت سے زیادہ ارباب نشاط، درباری سازشیوں کی قربت سے بے خبر اور اسی قبیل کی باتیں ہمیں یاد ایام جلد سوم میں بھی ملتی ہیں۔ ''یاد ایام'' اگرچہ زبان و بیان و طرز نگارش کے اعتبار سے کوئی قابل تذکرہ کتاب نہیں ہے لیکن دکن کے ایک اہم سیاسی دور کے وزیر اعظم کی یادداشت کی حیثیت سے اس کا حوالہ مناسب حال ہے۔ (یکم ستمبر ۱۹۴۱ء کو چھتاری صاحب ممالک محروسہ سرکار عالی کے صدر اعظم مقرر ہوئے۔) ان کے حضور نظام سے متعلق چشم دید واقعات پر مشتمل تاثرات درج ذیل ہیں:-

سر تھیوڈور ٹاسکر کو جو حکومت ہند کی طرف سے ایک وزیر تھے اور جو تیرہ چودہ برس سے مختلف عہدوں پر حیدرآباد رہے تھے میں نے لنچ پر بلایا تھا۔

میں۔سر تھیوڈور۔ برٹش حکومت کے انتظامی امور کا مجھے کم وبیش تجربہ ہے' مگر کسی ریاست اور خاص کر حیدر آباد کا مجھے کوئی تجربہ نہیں۔آپ کی ملازمت کا بڑا عرصہ یہاں گذرا ہے آپ کے تجربہ سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔

سر تھیوڈور ٹاسکر۔ سر احمد آپ میرے چیف ہیں' آپ کی پالیسی کو وفاداری کے ساتھ کامیاب بنانا میرا فرض ہے'اس میں کبھی کسی قسم کی کوتاہی نہ ہوگی۔میری رائے اور میرا مشورہ ہمیشہ آپ کے واسطے موجود ہے۔حیدر آباد کی حالت میں مختصراً دو باتیں فقروں میں بیان کردوں' ہم سب وزیر ہیں مگر ہماری مثال ایسی نرسوں کی ہے کہ جو ایک ایسے بچہ کی حفاظت کے واسطے مقرر کی گئی ہیں جس کا دل خودکشی کرنے کو چاہتا ہے ہمارا کام ہے کہ اسے خودکشی نہ کرنے دیں۔

(حوالہ: یادِ ایام ص ۶۹)

۶ رجون کو ریزیڈنٹ کے سکریٹری مسٹر کوک ویلس میرے پاس آئے اور بادشاہ کے بھائی ڈیوک آف گلوسٹر کا پروگرام جو ۲۰ رتاریخ کو آرہے تھے مجھے دیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

جب ڈیوک آئیں تو ہوائی جہاز کے اڈے پر حضور نظام شہزادگان اور میں موجود رہوں۔ وہاں سے وہ فلک نما نظام کے ساتھ جائیں۔وہیں لنچ ہوا اور شب کو نظام کی طرف سے ڈنر ہو اور اسی طرح رخصت ہوتے وقت نظام ہوائی اڈے تک پہنچانے جائیں۔میں نے علی یاور جنگ اور انصاری معتمد باب حکومت یعنی کیبنٹ سکریٹری کو بلا کر بذریعہ نیم سرکاری دفتر پیشی کو مطلع کردیا۔

آج ہی سرکار کو ان کے شاعری کے استاد جلیل نے ملک الشعراء کا خطاب دیا اور باغ عامہ میں جلسہ اور ایٹ ہوم ہوا۔ایڈریس کے جواب میں سرکار نے اس خطاب کو قبول کیا۔مجھ سے فرمایا کہ صبح تم علی یاور جنگ کو بھی ساتھ لانا' علی یاور جنگ نے مجھ سے یہ کہا کہ اگر سرکار ڈیوک کو رخصت کرتے وقت ہوائی جہاز تک پہونچانے سے انکار کریں تو میں اس پر زور نہ دوں ورنہ انہیں غلط فہمی ہوجائے گی۔میں صرف یہ کہوں کہ چوں کہ مسئلہ اہم ہے اس لئے کونسل کے مشورے کے بعد طئے کیا جائے۔نواب علی یاور جنگ کو غالباً ڈیوک آف ونڈسٹر کا واقعہ یاد آیا' جب وہ پرنس آف ویلز کی حیثیت سے حیدر آباد آئے تو نظام نے رخصت کے وقت اسٹیشن جانے سے انکار کیا۔جس سے حکومت ہند اور انگلستان کے شاہی خاندان کو ناگواری ہوئی۔

آج ہی غلام محمد صاحب نے مجھ سے کہا کہ ان سے اور سر تھیوڈر ٹاسکر سے گفتگو ہوئی اور سر تھیوڈر ٹاسکر نے منجملہ اور باتوں کے یہ بھی کہا کہ ''تم خود ہی یہ اندازہ کرو کہ اگر اعلیٰ حضرت کو اختیارات کامل دے دیئے جائیں تو جوان کی موجودہ کیفیت مزاج ہے اس میں وہ اس ریاست کا کیا حشر کریں۔'' جو کچھ ٹاسکر نے کہا یہ نہ صرف حکومت ہند کا خیال تھا بلکہ اس سے بہت سے حیدرآباد کے لوگ بھی متفق تھے۔

دوسرے روز میں اور علی یاور جنگ کنگ کوٹھی حاضر ہوئے۔ سرکار نے فوراً علی یاور جنگ کو نوٹ لکھانا شروع کر دیا جس کا منشا یہ تھا کہ چوں کہ بم باری کے خطرے سے فلک نما محل کا سامان ہٹا لیا گیا' لہذا ڈیوک ریزیڈنسی میں قیام فرمائیں۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مجھے سرکار کے اس فیصلہ پر کس قدر حیرت اور افسوس ہوا۔ شہنشاہ ہندوستان کا بھائی اور نظام حیدرآباد کا مہمان مگر اس کا قیام بجائے فلک نما محل کے ریزیڈنسی میں ہو' لیکن اگر میں اصرار کرتا تو ضد بڑھتی میں خاموش رہا۔ خیر مقدم اور الوداع کے موقع پر جانے کے لئے راضی تھے مگر الوداع کے متعلق یہ کہا کہ اگر'' ضروری ہو تو میں اس پر بھی تیار ہوں۔''

میں اس نوٹ کے ساتھ گیارہ بجے ریزیڈنٹ سے ملا اور جہاں تک مجھ سے ہو سکا ایک ناخوشگوار بات کو خوشگوار طریقہ سے کہہ کر انہیں یقین دلایا کہ ڈیوک کا قیام ریزیڈنسی ہی میں مناسب ہوگا۔ خیر مقدم اور الوداع کے سلسلہ میں ریزیڈنٹ نے کہا کہ دونوں مواقع پر سرکار کا تشریف لیجانا مناسب ہوگا۔

میں نے دوسرے روز ۸/جون کو سرکار سے وہ سب عرض کر دیا جو طئے کر آیا تھا جسے سرکار نے پسند فرمایا مگر میرے لئے ایک اور نزاکت پیدا ہوگئی۔ اسی روز شام کو سر تھیوڈر ٹاسکر کے رخصتی ڈنر میں ریزیڈنسی گیا' میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب ریزیڈنٹ نے کہا کہ سرکار نے انہیں خط بھیجا ہے جس کا مقصد یہ تھا کہ اگر ڈیوک فلک نما محل میں قیام کریں تو مناسب ہوگا۔ مجھ سے دریافت کیا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔

میں نے کہا کہ سرکار کی جب یہ خواہش ہے تو منظور کر لیجئے مناسب ہے لیکن بار بار یہ خیال آتا رہا کہ کل ہی جو دلائل و براہین میں نے ریزیڈنٹ سے اس تجویز کے خلاف پیش کئے

تھے اسے وہ بھول نہیں سکتا۔ کیا اسے یہ خیال نہ ہوگا کہ نظام تو چاہتے ہیں کہ ڈیوک فلک نما میں قیام کریں مگر صدر اعظم اپنی کسی مصلحت سے یہ نہیں چاہتے۔ حیدر آباد میں ایسے مواقع آ جاتے تھے اور صدر اعظم کی حیثیت سے میرے لئے بڑے خلجان کا باعث ہوتے تھے۔ اگر اپنی پوزیشن کو صاف کیا جائے تو آئین وفا شعاری کے خلاف اور خاموشی کی صورت میں غلط فہمی کا اندیشہ۔

(حوالہ: یاد ایام ص: ۱۰۳ تا ۱۰۵)

۲۱/ ڈسمبر ۴۳ء کو مجھ سے ریزیڈنٹ نے کہا۔ کیا یہ سچ ہے کہ علی یاور جنگ کو وزیر بنانے کے لئے سر عقیل نے بیس ہزار دیئے اور نواب ظہیر یار جنگ سے پچاس ہزار مانگے جا رہے ہیں۔ میں نے کہا۔ میرے خیال میں یہ خبریں بے بنیاد ہیں۔

۲۳/ ڈسمبر کو اعلیٰ حضرت نے کنگ کوٹھی میں لنچ دیا جس کے بعد فوٹو لیا گیا۔ لنچ کے بعد میں نے یہ عرض کیا کہ گرانی کی وجہ سے سرکار نے شاہزادگان کی سیول لسٹ میں ڈھائی ہزار روپیہ ماہوار اضافہ پرنس اعظم جاہ اور معظم جاہ کے واسطے منظور فرمالیا تو اس موقعہ پر گرانی کا کچھ الاؤنس بسالت جاہ کے لئے بھی منظور فرمایا جائے۔ یہ اعلیٰ حضرت کے سوتیلے بھائی ہیں مگر سرکار نے منظور نہیں کیا۔ سرکار کے فرمانے کا منشاء یہ تھا کہ بسالت جاہ کی ماہواری سول لسٹ کے سلسلہ میں حکومت ہند سے یہ طئے ہو گیا ہے کہ رقم مقررہ سے زیادہ کے وہ مستحق نہیں ہیں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے انہیں پانچ ہزار روپیہ ماہوار ملتے تھے۔ یہ غالباً نظام مرحوم میر محبوب علی خاں کے انتقال کے بعد ۱۹۱۱ء یا ۱۲ء میں حکومت ہند سے طئے ہوا ہوگا۔ مجھے افسوس ہوا۔ سوال حق کا نہ تھا یہ تو فراخدلی اور صلہ رحمی کا سوال تھا۔

۷/ مارچ ۴۴ء سر کلاڈ آکسن لیک جو کمانڈر ان چیف تھے میرے مہمان تھے۔ میں نے سرکار سے عرض کیا کہ انہیں چائے پر بلا لیں بہت پس و پیش کے بعد مان لیا۔

سرکار اتنے مشکوک اطزاج تھے کہ فرمانے لگے کہ مجھ سے کیوں ملنے آ رہا ہے۔ میں کیا کہتا کہ برٹش حکومت کا کمانڈراں چیف حیدر آباد آئے تو اسے نظام سے ضرور ملنا چاہئیے اور سرکار کو بھی کھانے یا چائے پر مدعو کرنا چاہئیے۔ (حوالہ: یاد ایامؔ ص: ۱۶۱/۱۶۰)

یکم اگست ۴۲ء کو سرکار نے فرمایا کہ بہادر یار جنگ اور ابوالحسن سید علی ان سے ملنے حاضر

ہوئے تھے اور اپنے غیر مطمئن ہونے کا اظہار کر رہے تھے۔ (یادِ ایام، ص:۱۱۴)

۵/اگست بہادر یار جنگ ملنے آئے، دوران گفتگو میں مجھے یہ معلوم ہو کر حیرت ہوئی کہ یکم اگست کو یہ اور ابوالحسن سید علی سرکار کے طلبیدہ حاضر ضرور ہوئے تھے مگر گفتگو صرف برار کے طرز حکومت کے متعلق تھی اور انہوں نے میری گورنمنٹ کے کام پر کسی غیر مطمئن ہونے کا اظہار نہیں کیا۔ اور کہنے لگے "یوں سرکار مالک ہیں جو فرماتے ہیں بجا اور درست کہنے کے سوا کیا چارہ ہے۔"

(حوالہ: یادِ ایام، ص:۱۱۵)

۱۵/اگست ۴۳ء کو میں ریزیڈنٹ سے ملا۔ ایک بات مجھے بہت سبق آموز اور دلچسپ معلوم ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ شہزادی نیلوفر (پرنس معظم جاہ کی ترکی بیگم) اپنے کسی عزیز کو تیس پونڈ ماہوار حکومت ہند کے ذریعہ سے مصر بھجواتی تھیں جن کا نام پرنس ہامی تھا۔ یہ غریب اپنا پیٹ کاٹ کر کسی اپنے مفلوک الحال غریب الدیار عزیز کو مصر سے اس تیس پونڈ میں سے پانچ پونڈ فرانس روانہ کر دیتی ہیں لہذا آئندہ سے پچیس پونڈ ماہوار جایا کریں۔

یہ مثال اس ذہنیت کی تصویر پیش کرتی ہیں جو ایک ترک جیسی شریف قوم کی ذہنیت ہے۔ ایک وہ شہزادی ہے جو اپنی روٹی میں سے ٹکڑا توڑ کر اپنے کسی غریب عزیز کو بھیجتی ہے اور ایک وہ حکومت ہے جو سزاءً اتنا ٹکڑا کم کر دیتی ہے۔

۳/فبروری ۴۴ر کو سرکار کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نظام فرمانے لگے کہ بہادر خاں کو ریزیڈنٹ نے کیوں بلایا۔ مجھ سے تو کہا تھا کہ میں انہیں انٹرویو نہیں دے سکتا۔ میں نے کہا کہ بہادر خاں کی خواہش پر بلالیا ہوگا۔ اسی روز دوپہر کو بہادر خاں (بہادر یار جنگ) مجھ سے ملنے آئے۔ ریزیڈنٹ سے جو بات چیت ہوئی تھی اسی کا ذکر کرتے رہے پھر مجھ سے کہا کہ سرکار نے مقصود علی خاں (سرکاری طبیب) کو ان کے پاس بھیجا تھا وہ یہ پیام لائے تھے کہ ریزیڈنٹ بہادر یار جنگ سے ملنے کو تیار نہ تھے۔ بہادر یار جنگ نے جو خط انٹرویو ریزیڈنسی سے آیا تھا وہ مقصود علی خاں کو دکھایا اور اس پر افسوس کرتے رہے کہ سرکار ایسی غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔"

(حوالہ: یادِ ایام، ص:۱۵۸)

نظام کی انتقام پسندی کا ایک اور واقعہ

مشاہدات میں ہوش بلگرامی کے قلم سے نظام کے عقیدے مذہبی کا تفصیلی ذکر مذکور ہے۔ اس خصوص میں ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔

علماء اہلسنت میں مولانا ابوالخیر شاہ حسین کنج نشیں المعروف مولانا ابوالخیر کنج نشیں (پیدائش ۶ رنومبر ۱۹۰۴ء وفات ۱۸راگست ۱۹۸۶ء) بڑے نڈر اور بے باک واقع ہوئے تھے' آخری دم تک اپنی مادر جامعہ (جامعہ نظامیہ) کے بےلوث خدمت گذار رہے۔

نظام کے اپنے آبائی مسلک کی تبدیلی کے خلاف مولانا نے صدائے احتجاج بلند کی اور ایک رسالہ تحریر فرمایا:-

''اور ایک وقت حیدرآباد میں ایسا بھی آیا جبکہ حضور نظام سابع نے اپنے آپ کو شیعی مسلک پر ہونا بتلایا اور حضرت الاستاذ مولانا سید شاہ محمد شطاری' صدر المدرسین نظامیہ نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں شیعی عقائد کا حق پر ہونا بتلایا۔ اس کی تردید میں شاہ صاحب نے ایک رسالہ لکھا۔ جس میں شیعی عقائد کی تردید اور حضرات خلفائے راشدین کا صحیح انتخاب ہونا اور ان سب کا راہ راست پر رہنا بتلایا اور یہ بھی بتلایا گیا کہ حضرت آصف جاہ اول نے خود کو حنفی اور ریاست کا مذہب حنفی ہونا وصایا میں بتلایا ہے' اس کے سوا آصف جاہی خاندان اپنے آپ کو امیر المؤمنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے ایسی صورت میں ہمارے حضور نظام سابع کو چاہئیے کہ وہ اپنے کئے ہوئے تصفیہ پر نظر ثانی کرے ورنہ اس کے خلاف مسلم عوام کی عالمگیر تحریک جاری ہوگی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ کسی شخص کو حکومت یا حکمرانی کے خلاف آواز اٹھانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی' ہر شخص کو خوف و ہراس تھا کہ اب کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور نظام نے شاہ صاحب کو شہر بدر کرنے کے سلسلے میں کونسل سے رائے پوچھی' خدا اختر احمد مینائی اختر یار جنگ معتمد امور مذہبی کو جوار رحمت میں جگہ دے' انہوں نے تفصیل سے کونسل میں رائے دی کہ یہ مذہبی مسائل ہیں۔ شاہ محمد صاحب نے اپنے رسالہ میں خلفائے راشدین کے متعلق غیر صحیح واقعات لکھنے سے شاہ ابوالخیر صاحب نے جواب لکھنے کی جرأت کی۔ اگر انہیں شہر بدر کیا جائے تو نہ صرف حیدرآباد میں ہیجان پیدا ہوگا بلکہ

سارے ہند میں حضور نظام کے خلاف مظاہرے ہوں گے چوں کہ ان مسائل کا تعلق عقائد سے ہونے کی وجہ سے ہر شخص کو اپنے عقائد کی حفاظت ضروری ہے' باوجود اس کے دوسرا فرمان یہ جاری ہوا کہ ان کے نام اگر انعامات وغیرہ ہوں تو بحق سرکار ضبط کر لیا جائے۔ چنانچہ ضلع بیدر کے نام احکام اجراء ہوئے' اور تعلقدار نواب نثار جنگ نے لکھا کہ ان کے والد بقید حیات ہیں' ان کے نام (مولانا ابوالخیر کنج نشیں) کوئی جائیداد نہیں ہے' بیٹے کی وجہ سے باپ کو متاثر کرنا ٹھیک نہیں' اس طرح پولیس ایکشن سے پہلے یہ کارروائی ختم ہوگئی۔'' (حوالہ: نام تھا جن کا کنج نشیں' از: الحاج سید شاہ نعمت اللہ قادری فاضل نظامیہ' سجادہ نشیں درگاہ رحمانیہ ضلع گلبرگہ' ص: ۴ تا ۶)

پہلی بار علامہ اقبال ۱۹۱۰ء میں حیدرآباد تشریف لائے تھے۔ اور دوسری بار ۱۹۲۸ء کے آخر میں مسلم اسوسی ایشن کی دعوت پر مدراس جارہے تھے ان کو عثمانیہ یونیورسٹی کی طرف سے فلسفہ پر توسیعی تقاریر کے سلسلے میں دعوت دی گئی تھی۔

۱۴ر جنوری کی صبح کو علامہ اقبال کا سکندرآباد اسٹیشن پر شاندار خیر مقدم کیا گیا' علامہ اقبال نے دیکھا کہ تین چار سو سے زائد چھوٹے بچے اور خوبصورت یونیفارم میں ملبوس قطار اندر قطار ان کا ملی ترانہ خوش الحانی سے پڑھ رہے ہیں۔

ان کا قیام نظام کے مہمان کی حیثیت سے بلادستہ (مہمان خانہ) میں رہا۔

عثمانیہ یونیورسٹی کے اساتذہ' طلبہ اور عہدہ داروں کے علاوہ سر اکبر حیدری خلیفہ عبدالحکیم' مسٹر انصاری' مولانا عبداللہ عمادی' ابراہیم ٹونکی' ڈاکٹر مظفرالدین قریشی اور دیگر اکابرین ان کے استقبال کے لئے اسٹیشن پر موجود تھے۔

علامہ اقبال نے حیدرآباد میں دو لیکچر (انگریزی زبان میں) دیئے۔ پہلے لیکچر کی صدارت مہاراجہ کشن پرشاد نے اور دوسرے لیکچر کی صدارت نواب اعظم جاہ ولی عہد سلطنت نے کی۔

پہلا لیکچر ۱۵ر جنوری کو باغ عامہ کے ٹاؤن ہال میں ہوا۔ مہاراجہ کشن پرشاد یمین السلطنت نے اپنی افتتاحی تقریر میں فرمایا کہ:

''آپ کی ذات تعارف سے مستغنی اور آپ کا کلام ستائش سے بالاتر ہے' ڈاکٹر اقبال جس مقصد حیات کو اپنے علم و عمل سے پورا کر رہے ہیں وہ انسانی ترقی کو دنیا کے لئے سودمند بنانے

اور روحانیت کے اعلیٰ مدارج کو حاصل کرنے کا راستہ بناتے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال تصوف اور عرفان کی آغوش میں پل کر حکیم ہوئے اور ان کے حکیمانہ خطبات سے ہم سب کو یکساں مستفید ہونے کا اب بالمشافہ موقع ملا ہے جس کی ہم عزت اور قدر کرتے ہیں۔"

علامہ اقبال کے اعزاز میں مشاعرہ :-

۱۵ر جنوری کو مہاراجہ کے مشاعرے میں جو علامہ اقبال کے اعزاز میں منعقد ہوا تھا' علامہ اقبال نے شرکت فرمائی اگرچہ اس زمانے میں اقبال نے مشاعروں میں پڑھنا ترک کر دیا تھا اور ان کی حیثیت ایک مفکر اور فلسفی کی حیثیت سے مسلم ہو گئی تھی لیکن مہاراجہ کی پاسداری اور لحاظ کی وجہ سے وہ مشاعرہ میں شریک ہونے سے انکار نہیں کر سکے۔

علامہ اقبال ابھی ....مشاعرہ سے لوٹے بھی نہیں تھے کہ رات کے نو بجے سر امین جنگ نے ان کی قیام گاہ پر ایک خط بھجوا دیا کہ حضور نظام نے کال بک پر آپ کا نام ملاحظہ فرمانے کے بعد ۱۸ر جنوری کی صبح گیارہ بجے کا وقت ملاقات کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

۱۷ر جنوری کو سر اکبر حیدری نے اقبال کو دوپہر کے کھانے پر مدعو کیا' اس دعوت میں اکابرین' ممتاز شہریوں کے علاوہ جملہ وزراء اور عہدہ دار حکومت شریک طعام تھے۔

سر امین جنگ کا استقبالیہ

جس دن علامہ اقبال سے نظام کی ملاقات ہونے والی تھی اسی رات سر امین جنگ نے جو حضور نظام کے پرائیویٹ سکریٹری تھے اقبال کے اعزاز میں ایک عشائیہ دیا' اس عشائیہ میں حیدر آباد کے بیشتر جاگیرداروں اور رؤسا نے شرکت کی۔ اس عشائیہ کا مقصد اس کے علاوہ کچھ اور نہیں تھا کہ اقبال کو حضور نظام کے آداب سے آگاہ کیا جائے اور بتایا جائے کہ ان سے ملاقات کے وقت کون کون سی باتیں ملحوظ رکھی جاتی ہیں۔ ساتھ ہی اقبال کو اس امر کی بھی مبارکباد دی گئی کہ ان سے پہلے کسی ہندوستانی شاعر کو حضور نظام نے اتنا بڑا اعزاز نہیں دیا ہے۔

۱۸ر جنوری کی صبح ۱۱ بجے اقبال کی نظام سے ملاقات ہوئی۔

علامہ اقبال نے پوری مشرقی تہذیب کے آداب کو ملحوظ رکھ کر ملاقات کی' لیکن نظام نے

رسمی انداز کی گفتگو کی' اور یہ ملاقات ایک رسمی ملاقات سے زیادہ اہمیت کی حامل نہ بن سکی' جس کی بڑی وجہ صرف یہی تھی کہ اقتدار کے نشہ میں نظام' اقبال کے مقام تک رسائی نہ پا سکے۔

نظام کی خدائی کی زکوٰۃ!

۲۱/اپریل ۳۸ء کو علامہ اقبال نے وفات پائی۔ علامہ اقبال کی وفات سے کچھ عرصہ قبل یعنی ۷/جنوری ۱۹۳۸ء کو پہلا جشن اقبال بمقام ٹاؤن ہال باغ عامہ عظیم الشان پیمانے پر منایا گیا۔

اس موقعہ پر حضور نظام کی جانب سے اقبال کی خدمت میں ایک ہزار روپئے کی رقم چک کی صورت میں بھجوائی گئی' جس چک کے ہمراہ بمد زکوٰۃ توشک خانہ عامرہ سرکار عظمت مدار کی سلپ بھی منسلک تھی۔

اس سلپ کو دیکھتے ہی اقبال نے دو قطعات کے ساتھ نظام کی خدائی کی زکوٰۃ (چک) کو غیرت فقر کی بارگاہ سے نکال باہر کیا۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں ۔

تھا یہ اللہ کا فرمان کہ شکوہ پرویز
دو قلندر کو کہ ہیں اس میں ملوکانہ صفات

مجھ سے فرمایا کہ لے اور شہنشاہی کر
حسن تدبیر سے دے آنی و جانی کو ثبات

میں تو اس بار امانت کو اٹھاتا سرِ دوش
کام درویش میں ہر رلخ ہے مانند نبات

غیرت فقر مگر کر نہ سکی اس کو قبول
جب کہا اس نے یہ ہے میری خدائی کی ذکات

قطعہ لکھنے کے چند روز بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا' اس طرح نظام کی اس غیر اخلاقی حرکت کا انہیں منہ توڑ جواب مل گیا۔

(''تلخیص اقبال اور بزم اقبال'' از: عبدالرؤف (۲) ''اقبال اور حیدر آباد'' از: نظر حیدر آبادی)

علامہ اقبال کے انتقال کے ۶ سال بعد نہ جانے کس ترنگ میں ایک فرمان نظام گزٹ میں شائع ہوا، جس کا مفہوم یہ تھا کہ:

''مجھے اس قدر یاد ہے کہ تقریباً ربع صدی قبل ایک بار اس جگہ آئے تھے، مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ بغرض سیر و سیاحت آئے تھے یا کسی کی دعوت پر یا کسی خاص کام کے تحت۔ ملاقات کی خواہش کے کتابچے میں اپنا نام خود درج کیا، میری حسب عادت اور تہذیب کے مطابق میں نے انہیں ملاقات کا موقع دیا۔''

(علامہ اقبال کو جامعہ عثمانیہ میں توسیعی لکچر کے لئے بطور خاص مدعو کیا گیا تھا اور سرکاری اعزاز کے ساتھ انہیں شاہی مہمان کی حیثیت سے رکھا گیا تھا۔ لیکن سطور بالا میں نظام نے کس تجاہل عارفانہ سے کام لیا ہے اور کس طرح علامہ اقبال کے مقام کو متاثر کرنے کی سعی ناکام کی ہے)

فرمان کے دوسرے حصے میں فرماتے ہیں:

ان سے گفتگو کے دوران میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ اہل اسلام کے معزز طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے دل میں قومی جذبات ہیں، اور یہ بھی کہ وہ انگریزی زبان سے واقف ہیں اور انہوں نے یورپ کا سفر بھی کیا ہے، بہرحال ان کا شمار مشاہیر بیرون ملک میں ہوتا ہے۔

میں اس سے زیادہ ان کے احوال سے ناواقف ہوں۔

(یہ وہ زمانہ تھا جب کہ چاردرانگ عالم میں اقبالؔ کے نام کا ڈنکا بج رہا تھا۔)

ایک دیسی ریاست کا فرمانروا یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ ملاقات کے بعد میں ان سے سرسری طور پر واقف ہو سکا، گویا اس سے قبل یا بعد وہ اس عظیم ہستی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

اس طرح کی نچلی سطح کی حرکتوں کے ذریعے وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔ متذکرہ باتوں پر مشتمل فرمان فارسی زبان میں جاری ہوا تھا جو درج ذیل ہے:-

نظام کا فرمان

''مارا ایں قدر یاد ہست کہ تخمیناً عرصہ ربع صدی گذشتہ است کہ ا یکبار ایں جا آمدہ بود مگر معلوم نیست کہ آیا او ازخود بغرض سیر و سیاحت آمدہ یا برو دعوت کسے یا برائے کار خاص آمدہ و ہم او چونکہ برما کال (Call) کردہ بود یعنے نام خودش در کتاب نوشتہ بود حسب عادت مطابق

ایبٹیکسٹ ماواورانٹرویودادہ بودیم ونتیجہ کہ ماازگفتگوئے اواخذ کردیم آں ایں بود کہ اودرنظر ماازمعزز طبقۂ اہل اسلام آمدوایں ہم ازطرز کلام او برما ہویدا کہ اوجذبۂ خدمت قوم وملت خویش دردل می داشت وایں ہم ظاہر شد کہ اوزبان انگریزی راخوب می دانست وسفر یورپ ہم کردہ بود۔

بہرحال شماراودرمیان مشاہیر بیرون ملک بود۔زیادہ ازاحوال او مانابلدہستیم۔‘‘

(نظام گزٹ۔۴؍مئی ۱۹۴۴ء روز پنجشنبہ)

خطاب محی الملّۃ والدین

تحریک خلافت کے سلسلے میں حیدرآباد میں اس تحریک سے وابستہ شخصیتوں کی گرفتاری اور جلسوں پر امتناع کی خبریں جب ہندوستان کے اخبارات میں شائع ہوئیں تو ہندوستان کے اخبارات نے نظام دکن کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا۔

(کچھ ہی عرصہ قبل ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دیگر تعلیمی اور دینی اداروں کے نامور مشائخین و علماء نے ایک مشترکہ جلسہ میں انہیں (پوری طرح ناواقفیت کی بناء پر) خطاب محی الملۃ والدین سے سرفراز کیا تھا (جس کے یہ اہل نہ تھے)

جس کے جواب میں نظام نے ایک فرمان کے ذریعے جواب دیا کہ:

’’اس خطاب کا نہ تو میں خواہشمند تھا اور نہ اس کی میری نظر میں کوئی اہمیت ہے۔میرے لئے تو اپنے ذاتی خطابات ہی کافی ہیں۔‘‘

اس طرح علمائے کرام ومشائخین عظام کی توہین وتحقیر کی۔

(تلخیص ماخوذ از رابطہ عالم اسلامی اور حیدرآباد دکن ص ۱۴۵۔از: مولوی حسام الدین غوری مرحوم۔کراچی)

اس طرح کے لامتناہی واقعات کا سلسلہ ہے جس کے لئے ایک علحدہ کتاب کی ضرورت لاحق ہے۔یہاں ان واقعات پر مشتمل یہ بات تحریر کرنے کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ

نبض چمن پہ بعد میں رکھیں گے انگلیاں
پہلے تیرا مزاج تواے باغباں ملے

اس بجھے بجھے سے نوشتہ دیوار کا ذکر جو بہادر یار جنگ کے حرف جنوں کو ٹال کر خود حرف

غلط کی طرح مٹ گیا۔ آوازِ دوست میں مختار مسعود نے ٹوپی کے میل سے دل کے میلے پن تک کا حال نوکِ نشتر سے لکھا ہے۔

''میر عثمان علی خاں کو میں نے بچپن میں پہلی بار اس وقت دیکھا جب وہ وائسرائے کے ساتھ علیگڑھ آئے تھے۔ وکٹوریا گیٹ سے سٹریچی ہال تک اسکول کے طلبہ کی قطار بندی تھی، میں ہال کے نزدیک قطار کے آخری سرے پر کھڑے ہونے والے سب سے چھوٹے بچوں میں شامل تھا۔ ایک پرشکوہ جلوس ہمارے سامنے سے گذرا۔ لوگوں کی نگاہیں ان شہزادیوں کی طرف اٹھ رہی تھیں جو خلافت عثمانیہ کے برباد ہونے کے بعد دولت آصفیہ میں آباد ہوگئی تھیں۔ سادہ لوح سمجھے کہ اس پیوند سے کوئی نجات دہندہ پیدا ہوگا حالانکہ مستقبل شہزادیوں کے بطن سے نہیں بلکہ بطن گیتی سے جنم لیتا ہے۔ لارڈ ولنگڈن اس سلطنت کا نمائندہ تھا جس کی وسعتوں پر سورج کبھی غروب نہ ہوتا تھا اور دکن کی حیثیت اس سورج کے سامنے چراغ سے زیادہ نہ تھی۔ غلامی کے دنوں میں ہمیں انگریز بہت گورا نظر آتا تھا۔ لہٰذا لارڈ ولنگڈن کے سرخ وسپید چہرے کے سامنے نظام بالکل سنولا گئے۔ کسی سے سنا کہ نظام دنیا میں سب سے امیر شخص ہیں تو ان کے ساتھ ہمدردی ہوگئی مگر وہ بھی زیادہ دیر تک قائم نہ رہی، جب کہ یہ خبر ملی کہ ان کی ترکی ٹوپی کے کناروں پر میل کی تہہ جمی رہتی ہے تو دل میں ان کی طرف سے میل آ گیا جو آج تک نہیں گیا۔ نواب بہادر یار جنگ کے ساتھ ان کے سلوک کو یاد کرتا ہوں تو کچھ اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ کئی بار چاہا کہ نظام کو عظمتِ رفتہ کا آخری چراغ قرار دوں یا روشن مستقبل کی پہلی کرن، مگر طبعیت اس پر کبھی راضی نہ ہوئی۔ دل نے کہا تاریخ میں جگمگاتے عنوان ہی نہیں بجھا بجھا سا نوشتۂ دیوار بھی ہوتا ہے۔ نظام نے بہادر یار جنگ کے حرفِ جنوں کو سن کر ٹال دیا اور خود حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ اگر نظام ان کی باتوں پر غور کرتے تو ریاست بہر حال چلی جاتی مگر نام رہ جاتا۔'' (آوازِ دوست، مختار مسعود ۱۸۲۔۱۸۱۔ کراچی)

مولانا عبدالماجد دریابادی نے ان انسان نما درندوں کے بارے میں لکھا:

''بادشاہوں کے حالات کتابوں میں آپ نے کثرت سے پڑھے ہوں گے۔ کیسے کیسے ظالم سنگدل بلکہ انسان نما درندے، اس طبقہ میں ہر ملک اور ہر زمانہ میں گذرے ہیں۔ شقاوت کی آگ بھڑکی تو باپ تک کو مار ڈالا، لختِ جگر تک کی آنکھیں نکال لیں، ''زہر کا پیالہ'' پلا دیا، بھائی،

بھتیجے، چچا، ماموں، خسر، داماد کا ذکر ہی نہیں، نفس پرستی کا ہیجان ہوا تو بہن، بیٹی اور ماں تک کی عصمتوں کی خیر نہ رہی، غرض کہ وہ، وہ کر گذرے ہیں جن کی طرف ذہن بھی ہمہ وشما کا پہنچنا مشکل ہے اور کسی ایک ملک یا قوم پر موقوف نہیں۔ چین وعرب، ہندوایران، روم وروس، برطانیہ وفرانس ایک سے بڑھ کر ایک۔''

ہم نے تو بڑھ کر الٹ دی ان کے چہرے سے نقاب
یہ ہمارا کام تھا آگے نظر کا کام ہے

◆◆◆

شہید ملت کی زندگی کی آخری صبح

۲۵ / جون ۱۹۴۴ء کی صبح آئی، طلوعِ فجر سے قبل اللہ کا بندہ ہر روز کی طرح نیند سے بیدار ہوا۔ حوائج ضروری سے فارغ ہو کر وضو بنایا اور روز کی طرح مسجد کا رخ کیا۔ اللہ کے نام اور کام سے صبح ہوئی

۳ / رجب ۱۳۶۳ھ بروز اتوار آپ کی تفسیر کا آخری دن تھا، سورۂ بقر کے چوبیسویں رکوع (پارہ دوم کے آٹھویں رکوع) کی ابتدائی چار آیتوں تک کی تفسیر بیان کی جا چکی تھی، آج پانچویں آیت زیر درس تھی، وقت مقررہ پر مسجد میں تشریف لائے تو تفسیر سے پہلے کہنے لگے کہ:

''آج میں زیادہ تیار نہیں ہوں۔ اور روزانہ جو مطالعہ رات میں کر کے یہاں آتا تھا وہ آج نہیں کر سکا، گزشتہ دو راتوں سے [1] سالگرہ کے عشائیوں میں وقت گزارا، اور یہ ہماری ایمانی کمزوری ہے کہ ہم کبھی کبھی اللہ کی طرف سے ہٹ کر اس طرح دنیوی کاموں میں لگ جاتے ہیں خدا ہمیں بھلائی کی توفیق دے۔

پھر قرآن کھولا اور یہ آیت تلاوت فرمائی :-

وقتلوهم حتى لاتكون فتنة ويكون الدين لله ط فان انتهوا فلا عدوان الا على الظالمين [2]

اردو ترجمہ کے بعد الفاظ و مطالب کی تشریح فرمانے لگے، لفظ فتنۃ'' کے متعلق فرمایا کہ اردو میں اس کے معنی شرارت اور خرابی کے لئے جاتے ہیں۔ مگر عربی میں اس کے اصل معنی ہیں

---

[1] واضح رہے کہ یکم رجب نظام دکن میر عثمان علی خاں کا یوم پیدائش ہے، اس زمانہ میں اس موقع پر سرکاری و غیر سرکاری بڑے پیمانے پر جلسے منعقد ہوتے تھے اور پارٹیاں دی جاتی تھیں۔

[2] اور لڑو ان سے یہاں تک کہ نہ باقی رہے فساد اور حکم رہے خدا تعالیٰ ہی کا، پھر اگر وہ باز آئیں تو کسی پر زیادتی نہیں، مگر ظالموں پر۔
(بالفاظ شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ)

''آزمانا اور امتحان کرنا'' اور اس مقام پر لاتکون فتنہ کے الفاظ کے ساتھ ویکون الدین للہ ط کے الفاظ اس حالت کو واضح کرتے ہیں کہ جس کو ''فتنہ'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی جب دین اللہ کے لئے نہ ہو، کفار برسر اقتدار ہوں، کفر کے احکام جاری ہو رہے ہوں اور مسلمان ان کے قہر و غلبہ کی وجہ سے خدا کے احکام پر پوری طرح عمل نہ کر سکتے ہوں تو یہ دراصل فتنہ کی حالت ہے، اس حالت کو ''فتنہ'' اس مناسبت سے کہا گیا ہے کہ فتنہ کا قطعی استیصال کرو اور اس کے قطعی استیصال تک لڑو، اس وقت تک لڑو جب تک اللہ کے نام اور حکام کا بول بالا نہ ہو جائے اور اس کی حمایت میں لڑنے والی قوتوں کو کامل غلبہ اور فتح حاصل نہ ہو جائے اس کے بعد اگر وہ باز آ جائیں تو ہاتھ روک لو اور زیادتی نہ کرو اور پناہ میں لو بجز ظالمین کے جن کے خمیر ہی میں شر موجود ہے، چنانچہ اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر حضور انورؐ نے فتح مکہ کے بعد تلوار میان میں ڈال دینے والوں، بوڑھوں، بچوں، عورتوں اور ابوسفیان کے مکان میں پناہ لینے والوں اور خانہ کعبہ و مسجد حرام میں گھسنے والوں کو پناہ دی، بجز پانچ یا چھ ظالمین کے جن کے متعلق حکم تھا کہ اگر وہ کعبہ کے پردوں کو بھی لپیٹ لیں اور حرم میں بھی گھس جائیں تو تب بھی ان کو وہاں قتل کر دو۔

اس سے آگے کی آیات میں چند حرام مہینوں کا ذکر ہے۔ تمہیدی طور پر اس کی تفسیر کرتے ہوئے کہنے لگے کہ :

عرب میں ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب مقدس مہینے سمجھے جاتے تھے چوں کہ ذی الحجہ کے مہینے میں لوگ حج کے لئے دور دور سے آتے تھے اور سفر میں تقریباً ایک مہینہ صرف ہو جاتا تھا اس لئے اس اثناء میں امن کا اعلان کر دیا جاتا تھا اور آپس کی خانہ جنگیاں موقوف کر دی جاتی تھیں، اسی طرح محرم کا مہینہ واپس ہونے کے لئے پرامن بنا دیا جاتا تھا اور رجب کا مہینہ عمرہ کے لئے خاص تھا اس لئے اس مہینے میں بھی جنگ ملتوی کر دی جاتی تھی اور اسی بناء پر ان چار مہینوں کو حرام (یعنی حرمت والے) مہینے کہا جاتا تھا۔ لیکن یہ نالائق عرب اگر کسی سے انتقام لینا یا غارت گری کرنا چاہتے تو حرام مہینوں میں بھی جنگ کا اعلان کر دیتے اور کہتے کہ ہمارے لئے یہ مہینے

---

[1] الشهر الحرام بالشهر الحرام والحرمات قصاص ط فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل مااعتدى عليكم ص واتقوا الله واعلموا ان الله مع المتقين ٥

مقدس نہیں ہیں۔ مقدس مہینے بعد میں آئیں گے جب ہم صلح کرلیں گے یا لڑائی ختم کردیں گے۔ اس طرح جب چاہتے مہینوں کو اوران کی ترتیب ہی کو بدل دیتے۔''

یہاں تک بیان کر کے فرمایا کہ:۔

''آج یہیں تک رہنے دیجئے، باقی انشاء اللہ کل بیان کریں گے۔''

لیکن آہ! وہ ایسا آج تھا کہ جس کی کل قیامت اور روز جزا ہی ہے یہ بات کس کے خیال میں آسکتی تھی کہ ''کل'' نمودار تو ہوگا لیکن اس ''کل'' میں چہچہانے والا عندلیب اور اپنی طرز میں بیان کرنے والا مفسر ہمیشہ کے لئے خاموش ہوجائے گا اور ''کل'' نمودار تو ہوگا لیکن ایک عالم کو جانے والے کے غم میں سوگوار دیکھے گا۔

ایک دن پہلے یعنی ہفتہ کے روز بارش ہورہی تھی اور مرحوم سمیت درس تفسیر میں صرف چار آدمی تھے، اس لئے وقاتلوهم والی آیت کی تفسیر ختم ہونے کے بعد گزشتہ دوآیتوں کی تفسیر کا خلاصہ بھی بغیر فرمائش بیان کردیا تاکہ سب لوگ مستفید ہوں اس سے حاضرین بہت خوش ہوئے لیکن یہ کسے معلوم تھا کہ یہ ان کی آخری تفسیر ہے، گزشتہ دوآیتوں کے الفاظ یہ ہیں۔

واقتلوهم حيث ثقفتموهم واخرجوهم من حيث اخرجوكم والفتنة اشد من القتل ولا تقاتلوهم عندالمسجد الحرام حتى يقاتلوكم فيه ج فان قاتلوكم فاقتلوهم ط كذالك جزاء الكافرين ٥ فان انتهوا فان الله غفور رحيم٥ [1]

ان آیات کے متعلق فرمانے لگے کہ ''کتنے کھلے اور صاف احکام ہیں، فرمایا ہے کہ جب لڑائی چھیڑدیں، معاہدہ توڑدیں اور خود ابتداء کردیں تو مارو ان کو جہاں وہ نظر آئیں اور اگر موقع ہو اور ضرورت محسوس ہو تو ان کو مکہ سے بھی نکال دو جہاں سے تم کو انہوں نے نکالا اور اب بھی نکالنے کی کوشش کررہے ہیں اور کیا اچھی بات فرمائی ہے کہ فتنہ قتل سے بری چیز ہے، اگر چند آدمیوں کو قتل

---

[1] ترجمہ :اور مار ڈالو ان کو جس جگہ پاؤ اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا اور دین سے بچلانا مار ڈالنے سے بھی زیادہ سخت ہے اور نہ لڑو ان سے مسجد الحرام کے پاس جب تک کہ وہ نہ لڑیں تم سے اس جگہ پھر وہ خود ہی لڑیں تم سے تو ان کو مارو، یہی ہے سزا کافروں کی، پھر اگر وہ باز آئیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔'' (بالفاظ شیخ الہند)

کر دیا جائے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں، لیکن ''فتنہ'' کی وجہ سے بہت سے لوگوں کے قتل ہو جانے کے خطرات پیدا ہو جاتے ہیں، اس لئے اگر وہ فتنہ برپا کریں اور اس فتنہ کو رفع کرنے کے لئے چند آدمیوں کو مسلمان قتل کر دیں تو یہ عین رحمت ہے، پھر سرسید کی تفسیر کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ''بعض فتنے ایسے اٹھے تھے کہ مسلمانوں کو ''جارحانہ'' اقدام کرنا پڑا، اگر وہ ایسا نہ کرتے تو نہ معلوم کتنے بڑے بڑے فتنے اٹھ کھڑے ہوتے، پھر ''مسجد حرام'' کے معنی بتاتے ہوئے فرمایا کہ کعبہ کے اطراف کی مسجد کو مسجد حرام کہتے ہیں، یہ حرمت والی مسجد بھی ہے اور یہاں بعض حلال اور جائز باتیں حرام بھی ہو جاتی ہیں۔ مثلاً شکار کرنا اور عوام الناس کے بقول ''جانوروں کے سید'' کبوتر تک کو مارنا جو وہاں بہت پایا جاتا ہے، گھاس اکھیڑنا وغیرہ۔ اس کے بعد کہنے لگے پھر حکم ہے کہ مسجد حرام میں اپنے ہاتھ کو ابتداء سے روکو، لیکن اگر وہ وہاں بھی لڑنے لگیں تو ان سے وہاں بھی لڑو اور کاٹ ڈالو کیوں کہ منکروں کی یہی سزاء ہے، ہاں اگر کفار باز آ جائیں اور لڑنا بند کر دیں تو ان سے کہو کہ اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ باری تعالیٰ کے ابر کرم سے سرسبز وادیاں اور خشک چٹانیں برابر برابر آب رحمت پاتی ہیں، چنانچہ ابوسفیانؓ، عکرمہؓ، ابن ابوجہل، ہندہ اور وحشی اسی حکم کے تحت معاف کئے گئے۔

تفسیر ختم ہوئی تو ایک صاحب نے مرحوم سے شیعہ سنی مسئلہ پر روشنی ڈالنے کی درخواست کی، آپ نے جواب دیا کہ میں واقعات و حقائق اور مختلف لوگوں کی رائیں بتا سکتا ہوں۔ لیکن آپ یہاں اس مسجد میں میری ذاتی رائے دریافت نہیں کر سکتے، یہاں مجھے بالکل غیر جانبدار رہنا پڑے گا اس کے بعد کہنے لگے کہ ''شیعہ حضرات حضرت علیؓ کو افضل اور دیگر خلفاء کو غاصب کہتے ہیں، حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ ہمیں کسی کو کسی پر فضیلت دینے کا کوئی حق نہیں ہے، چنانچہ حدیث شریف میں صراحت فرمایا گیا ہے کہ ''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں'' ان میں سے تم جس کسی کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے، رہا میرا ذاتی خیال تو میں تمام صحابۂ کرام میں حضرت عمرؓ سے زیادہ متاثر ہوں اور مجھے ان کی طرف خاص کشش ہے، بلکہ ان کے نام ہی سے مجھ پر خاص اثر ہوتا ہے، پھر بات کو مختصر کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اب جھگڑوں اور تو تو میں میں سے کیا فائدہ جبکہ جو ہونا تھا ہو گیا۔

مرحوم کا خیال تھا کہ آج سب حاضرین کا نام پوچھیں گے اور ضروری تعارف کرائیں گے اس سے پہلے ایک دن انہوں نے فرمایا تاکہ ہم لوگ ایک دوسرے کو نہیں جانتے، کسی دن آپس میں تعارف کرائیں گے، لیکن طبیعت کی ناسازی کے باعث سارے حاضرین سے نام نہ پوچھ سکے، صرف ایک شخص سے نام دریافت کیا، انہوں نے جواب دیا'' تفسیر علیؒ '' نام بڑا معنی خیز تھا لیکن کچھ عجیب سا۔ اس لئے اس پر ایک خفیف سا قہقہہ پڑا اور مرحوم نے بھی سنجیدگی سے تبسم فرمایا۔

ایک صاحب نے کہا ایسے بہت سے نام ہوتے ہیں، چنانچہ ایک شخص کا نام'' محمد عبدالرب العالمین'' ہے۔ مرحوم نے سنجیدگی کے ساتھ مسکرا کر کہا'' ایک عالمین بڑھا دیا گیا ہے، عبدالرب تو ہوا ہی کرتا ہے۔'' اس کے بعد دوسروں کا نام پوچھے بغیر سلام علیکم کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے، اس دن بارش کی وجہ سے مرحوم نے اپنا ہلکا جوتا مسجد کے اندر لا رکھا تھا، جب باہر نکلنے لگے تو چپکے سے جوتا ہاتھ میں اٹھایا اور باہر لے جا کر نیچے ڈال کر پہن لیا۔ میرے ایک دوست کا بیان ہے کہ میں جوتے کے بالکل قریب تھا لیکن اس پر میری نظر نہ پڑی، جب انہوں نے جوتا اٹھالیا تو مجھے بڑا افسوس ہوا کہ ہائے اتنا اچھا موقعہ کھودیا، کاش! میں جوتا لے کر باہر رکھ دیتا، تاہم میں نے فوراً ارادہ کر لیا کہ آئندہ کسی روز ضرور کوشش کر کے جوتا اٹھانے کی سعادت حاصل کروں گا مگر آہ! یہ کسے خبر تھی کہ وہ موقع آخری اور بالکل آخری تھا۔

مسجد کے باہر دو مسلمان طالب علم سامنے آ گئے اور کتابیں طلب کیں، مرحوم نے پوچھا کیا آپ لوگوں کا امتحان ہو گیا؟ کیا پہلی کتابیں واپس کر دیں؟ طالب علموں نے جواب دیا، جی ہاں، فرمایا، چلو میرے ساتھ! کتابیں ضرور ملیں گی۔

ارے بھئی یہ بچے بڑے اچھے ہیں، پھر حاضرین کی طرف دیکھ کر کہا'' یہ بچے تو مجھ سے زیادہ قابل ہیں۔'' یہ کہہ کر بچوں کو ساتھ لئے گھر کی طرف چلے گئے مگر بارہ پندرہ گھنٹوں کے اندر دنیا ہی سے چلے گئے۔ رحمۃ اللہ وطاب ثراہٗ۔ (حوالہ: ایک ایمان افروز یادداشت، از: ابو منظور شیخ احمد)

۲۵ رجون ۱۹۴۴ء کو صبح تفسیر کے بعد ناشتہ فرمایا اور باہر تشریف لائے۔ ساڑھے دس بجے تک خطوط کے جوابات لکھوائے۔

قائدملت کی آخری تحریر

حیدرآباد ۲۸ر جون قائدملت کی آخری تحریر بھی مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ سے ہی متعلق تھی۔ ۲۵ر جون کی شام بزم اقبال میں آخری تقریر کے لئے تشریف لے جانے سے قبل آپ نے جس آخری خط پر دستخط ثبت فرمائے تھے۔ وہ ایک ریاست کے مسلمانوں کی شکایت کے جواب میں تھا جس میں آپ نے اپنی ممکنہ امداد کا وعدہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو اپنی اندرونی تنظیم مکمل کرنے کی ہدایت فرمائی تھی اس یادگار خط کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

بخدمت شیخ عبدالرشید عبدالقدوس صاحب صدیقی

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ کا خط مورخہ ۱۶ر مئی مسلسل دورہ اور مصروفیت کی وجہ سے میری نظر سے آج گزرا، واقعات معلوم کر کے سخت رنج اور افسوس ہوا، آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ ریاستی مسلمانوں کی یقیناً مدد کرسکتی ہے، بشرطیکہ وہ اپنی آپ مدد کرنے کیلیے تیار ہوں یعنی کہ وہ پہلے اپنی اندرونی تنظیم مکمل کریں۔ ریاست میں مسلم لیگ یا کسی اور نام سے ایک ادارہ قائم کریں اس کے گرو مسلمانوں کو جمع کریں اور پھر اس ادارہ کا آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ سے الحاق ہو، جس واقعہ کا آپ نے ذکر کیا ہے، ایسے بہت سے واقعات آئے دن ہندو ریاستوں میں پیش آتے رہتے ہیں، اس انفرادی مقدمہ میں بھی آپ کی ممکنہ مدد کروں گا، لیکن مستقل علاج وہی ہے جو میں نے اوپر درج کیا ہے، میں ۱۵ر جولائی تک حیدرآباد میں ہی رہوں گا، اگر آپ یا آپ کا کوئی وفد یہاں اگر مجھ سے ملنا چاہے تو مجھے ان سے مل کر مسرت ہوگی۔ فقط

آپ کا مخلص

محمد بہادر خاں

(حوالہ: روزنامہ رہبر دکن، حیدرآباد دکن ۲ر جولائی ۱۹۴۴ء)

قائدملت نے دوسری رجب کو دن میں ساڑھے گیارہ بجے پہلی اور آخری بار مدرسہ عربیہ نسواں کا دو گھنٹے تک معائنہ فرمایا اس موقعہ پر بیگم قائدملت بھی موجود تھیں، طالبات مدرسہ عربیہ نسواں حیدر گوڑہ کی تیار کردہ سوزن کاری کو دیکھ کر جو مقوے پر تیار کی جارہی تھی، بے حد اظہار

خوشنودی فرمایا، معائنہ کے بعد جماعت مولوی میں حسب ذیل مضامین کا پس پردہ امتحان لیا۔

قرآن مجید، ادب، تاریخ اسلام، صرف ونحو، ترجمہ، آپ سوال کرتے جاتے اور طالبات جوابات دیتیں اور آپ بار بار ''شاباش بیٹی جیتی رہو'' فرماتے جاتے، صرف ونحو، ترجمہ اور مضمون نویسی کی کاپیاں دیکھیں، عربی میں زبانی ترجمہ کروایا، طرز تعلیم اور لڑکیوں کی ترقی پر اظہار پسندیدگی فرمایا، آخر میں طالبات نے ایک عربی ترانہ سنایا، واپسی سے قبل ہر دلعزیز قائد اپنی موت سے چند گھنٹے قبل جو نصیحت فرمائی درج ذیل ہے۔

قوم کی بیٹیوں کو آخری نصیحت :- قائد ملت نے کہا تھا کہ

''میں تمہاری تعلیم سے بیحد خوش ہوا، اب کچھ نصیحت کی باتیں مجھ سے سن لو، علم کو خدا نے بہت فضیلت دی ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے [1] علم آدم الاسماء کلھا ثم عرضھم علی الملائکۃ فقال انبئونی باسماء ھولاء ان کنتم صداقین ٥ اسی طرح حدیث نبویؐ میں مروی ہے ''طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ'' [2] شائد تمہیں معلوم ہوگا کہ علم کی دو قسمیں ہیں، ایک علم ادیان اور دوسرا علم ابدان، علم دین کو دیگر علوم پر فضیلت حاصل ہے، یہ تمہارے سوچنے اور عمل کے طریقوں کو درست بناتا ہے، خدا کا خوف اور سچی محبت سکھاتا ہے اور روحانی ترقی میں مدد دیتا ہے، یہ سچ ہے کہ اس کا سیکھنا شروع میں کچھ غیر مانوس سا معلوم ہوگا لیکن کچھ دشوار نہیں، امید ہے کہ آپ ہمت سے کام لیں گی، کیا وجہ ہے کہ آپ سات سمندر پار والوں کی زبان سیکھتی ہیں۔ اور آپ کو آجاتی ہے اور عربی زبان جو آپ کی قرآن کی زبان ہے آپ کو مشکل معلوم ہو، کوشش کرنے سے کیا کچھ حاصل نہیں ہوتا، اب آپ خود دیکھئے، مسز صوفی جو حیدرآباد کی لائق ترین خواتین میں سے ہیں ان کو عربی، فارسی، اردو، انگریزی سب زبانیں آتی ہیں۔

عزیز بیٹیو! مجھے تم سے جو تمنا ہے وہ یہ ہے کہ تم ماں باپ کی اچھی بیٹی بنو، بھائیوں کی اچھی بہن بنو، بچوں کی اچھی ماں بنو، تمہاری گودوں میں قابل قدر قوم پل کر بڑی ہوگی یہ اس وقت

---

[1] ترجمہ : آدمؑ کو تمام چیزوں کے نام سکھادیا پھر ان ناموں کو فرشتوں پر پیش کیا اور کہا کہ تم ان چیزوں کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔

[2] ترجمہ حدیث : علم کا حاصل کرنا ہر مرد و عورت پر فرض ہے۔

تک ممکن نہیں جب تک تم پوری طرح اپنے کو اس لائق نہ بناؤ۔

وہ عورت کیا جس کو گھر سے زیادہ باہر رہنے میں مزہ آئے، جلسوں اور کلبوں میں اکثر وقت کاٹے، ایسی تعلیم سے بہتر ہے وہ تعلیم جو تم کو یہاں دی جارہی ہے۔ مجھے تمہاری ترقی دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی، امید ہے کہ تم خوب پڑھوگی اور جو پڑھوگی کہوگی اور یادرکھوگی اس پر عمل بھی کروگی، وہ علم کیا جس پر عمل نہ کیا جائے، یادرکھو میں تمہیں امام شافعی کا ایک مقولہ سناتا ہوں اسے یاد کرلو اور ہمیشہ کے لئے یادرکھنا۔ ع

شکوت الیٰ وکیع سوء حفظی فاوصانی الی ترک المعاصی
فان العلم نور من الهی ونور الله لا یعطنی لعاصی [1]

خدا کرے تم اچھی بیٹی، اچھی بہن اور اچھی بیوی بنو، پھر تم ہر قسم کی معاصی کو ترک کردوگی، بے جا نذاق معاصی میں داخل ہے، چغلی، ایک دوسرے کی برائی کرنا معاصی میں داخل ہے، ماں باپ سے بدزبانی کرنا معاصی میں داخل ہے، خدا والدین کی شان میں فرماتا ہے کہ تم انہیں "اف تک نہ کہو" اس لئے نافرمانبرداری بھی معاصی ہے، چھوٹوں پر شفقت سے پیش آو، بڑوں کی اطاعت اور ادب کرو، جھوٹ اور غیبت سے بچو، سمجھ لو کہ ترک نماز گناہ ہے لوگ کہتے ہیں نماز نہ پڑھنا گناہ ہے میں کہتا ہوں کہ نماز کو ترک کرنا گناہ ہے ان سب پر عمل کرو ورنہ تمہاری تعلیم سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں، امید کہ تم ان دو چار باتوں کو یادرکھوگی اور عمل کرکے دوسروں کو عمل کی ترغیب دلاؤ گی۔

میں تم کو اور تمہارے اساتذہ کو اور اس کمیٹی کو جو اس ادارہ کی ترقی میں کوشاں ہے مبارکباد دیتا ہوں۔

"اچھا بیٹیو خدا حافظ"

(حوالہ: روزنامہ صبح دکن حیدرآباد ۲۱ر جولائی ۱۹۴۴ء)

دوپہر میں گھر لوٹے، بیگم صاحبہ کے ساتھ کھانا تناول کیا پھر لیٹ گئے جیسا کہ عادت تھی،

---

[1] میں نے وکیع (امام شافعی کے استاد) سے اپنے سوء حافظہ کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا تم گناہوں کو ترک کردو کیوں کہ علم انوار الٰہی میں سے ہے اور اللہ کا نور کسی گناہ گار کو عطا نہیں کیا جاتا۔"

لیٹتے ہی سو گئے، چار بجے اٹھے تو دیکھا، بیگم صاحبہ ہنوز محو خواب ہیں، کپڑے تبدیل کر کے چاہا کہ ہاتھ میں جوتے لئے دبے پاؤں باہر نکل جائیں لیکن بیگم صاحبہ کی آنکھ کھل گئی، ٹھٹھک کر مسکرایا اور کہا ''ارے تم اٹھ گئیں اتنے برس تک تو تم ہی برابر جوتے پہناتی رہی ہو، آج ارادہ تھا کہ میں خود پہن لوں گا۔'' اتنے میں چائے آ گئی، چائے پی اور درس اقبالؔ میں شرکت کے لئے چلے گئے۔ اقبال کی مثنوی ''پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق'' زیرِ درس تھی اور حکمت کلیمی کے اس شعر پر گفتگو تھی۔

مرد حق ، افسوں ایں دیر کہن
از دو حرف ربی الاعلیٰ شکن

کہنے لگے بعض مقامات جلد گزرنے کے نہیں ہوتے، آج یہیں ٹھہر جائیں، بزم برخواست ہوئی، نماز مغرب باجماعت ہوئی، اہل محفل رخصت ہوئے، اقبال کا ایک مصرعہ ورد زبان تھا۔ ع

حیات ذوق سفر کے سوا کچھ اور نہیں

اب قائد ملت جسٹس ہاشم علی خاں کے یہاں دعوت میں جانے کی تیاری میں تھے، جہاں شہادت، ان کی زندگی کے دروازے پر دستک دینے کے لئے انکا انتظار کر رہی تھی۔

◆◆◆

منصب قیادت کی ذمہ داری

حیدری دورِ وزارت

مجلس اتحادالمسلمین کی صدارت کی گراں باز ذمہ داریاں ایک ایسے پرآشوب زمانے میں ان کے کندھوں پر آئی جب کہ برطانیہ ہند سے اٹھنے والی سیاسی تحریکوں کی سیلابی موجوں کا رخ پوری طرح ساحل دکن کی طرف تھا اور دوسری طرف یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو جرمن، پولستان پر حملہ کر کے دوسری عالمگیر جنگ کا آغاز کر چکا تھا۔ جنگ کے دوران سیاسی بازی گری نے مصالحت کے پہلو نکالے۔

ہندوستان کو مابعد جنگ مقبوضاتی درجہ دینا طئے پایا۔ ایسی صورت میں حیدرآباد کی سابقہ خودمختار حیثیت کی بنیاد پر مفوضہ علاقوں کے استرداد اور حلیف برطانوی حکومت کے درمیان خود مختاری کے مسائل کا سوال تھا۔

نظام والی ریاست اس نازک سیاسی موڑ پر جب کہ ابنائے وطن کو انگریزوں نے سیاسی ہتھیار کے لئے سیاسی مضراب فراہم کئے تھے۔ مصلحت وقت کے تقاضوں کو اپنا رہے تھے اور ان کو اپنی ذات اور دولت کے تحفظ کی طمانیت کافی تھی، ایک مسلمان فرمارواکی اس ناعاقبت اندیشی سے دکن کے مسلمانوں میں اپنی بے بسی کا احساس جاگا۔ اب وہ منزل آچکی تھی جب ریاست کے مستقبل کی صیانت کی کامل ذمہ داری منصب قیادت کا فرض بن چکی تھی۔

منصب قیادت کی ذمہ داری کا تقاضہ یہ تھا کہ مستقبل کی صیانت کے لئے مسلک اور نصب العین کو استوار کر کے قومی و سیاسی جدوجہد کی ایسی راہ عمل متعین کی جائے جو وقت کے سیاسی تقاضوں کا ساتھ دے سکے، قائد ملت اس نازک سیاسی صورتحال میں پورے جوش عمل اور تنویر یقیں کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے چوں کہ مستقبل کی صیانت کی جوابدہی کی تاریخی ذمہ داری اس مدحر

کے شانوں پر تھی۔

قائد ملت نے نظام اور حکومت برطانیہ کو دکن کے مسلمانوں کے احساسات و جذبات سے آگاہ کرتے ہوئے دکن کی آزادی کے تعلق سے جرأت' صداقت اور پوری دیانت کے ساتھ عوامی احساسات کی ترجمانی فرمائی۔

''دوسری عالمگیر جنگ آج صفات انسانیت کی تباہی کا سامان پیدا کر رہی ہے۔ مجھے اس وقت اس سے بحث نہیں کرنی ہے کہ دو متحارب فریقوں میں کون برسرِ حق ہے لیکن مجھے یہ ضرور دیکھنا ہے کہ اس عظیم الشان جنگ کے نتائج و عواقب ہندوستان اور حیدرآباد پر کیا مرتب ہوں گے۔

جو سوال کبھی کبھی حیدرآبادی مسلمان کے دل میں کھٹک جاتا ہے اور اس کو بے چین کر دیتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ان کی بے ریا' مخلصانہ اور وفادارانہ دوستی کا تاریخ کے ہر دور میں ان کو کیا صلہ ملا اور آئندہ وہ کیا توقع رکھ سکتے ہیں۔

اگر اس جنگ عظیم کا نتیجہ یہی ہے کہ دو سو سال کا غلام ہندوستان دنیا میں پھر ایک مرتبہ زیر سرپرستی تاج برطانیہ آزادی کی سانس لے تو اس کا دوسرا لازمی نتیجہ یقیناً یہ ہونا چاہیئے کہ حیدرآباد نے جتنے اقتدارات ذمہ داریاں اور جتنے علاقہ جات اور مقبوضات تاریخ کے مختلف ادوار میں اپنے حلیف کے تفویض کئے تھے وہ سب بلا کسی شرط کے اس کو واپس کر دیئے جائیں اس کے دوسرے الفاظ میں یہ معنی ہوں گے کہ ایک طرف حیدرآباد کے جغرافیائی حدود میں برار شمالی سرکار اور مچھلی پٹن داخل ہوں گے اور دوسری طرف حیدرآباد ایک آزاد اسلامی سلطنت کی حیثیت سے آزاد ہندوستان اور دنیا کے دوسرے آزاد ممالک سے اپنے سیاسی تعلقات قائم کرنے کا مجاز ہوگا۔ (حوالہ: خطبات بہادر یار جنگ ص ۹۲' ۹۳' ۹۵' ۹۷ دارالاشاعت سیاسیہ حیدرآباد)

ایک طرف مسلمانوں کے قائد کی یہ مساعی کہ حیدرآباد اپنے پورے شاندار ماضی اور سابق جغرافیائی موقف کے ساتھ ایک اسلامی حکومت کی صورت میں آزاد و خودمختار حکومت کی حیثیت سے باقی رہے تو دوسری طرف نام نہاد ناخدا کی ناعاقبت اندیشی کا یہ حال کہ بیرونی طوفان کو دعوت نامہ لکھنے اور دام موج کے پہنچنے سے پہلے وہ کشتی حیات کو غرق کر دینے پر مائل تھے۔

ناعاقبت اندیش نام نہاد ناخدا کے حال زار پر تبصرہ کرتے ہوئے قائد ملت نے ارشاد

فرمایا:۔

''ہندوستان کے وسیع سمندر میں موجیں اٹھ رہی ہیں' طوفان آ رہے ہیں' سطح مرتفع دکن کے خاک کے ذرے ان طوفانوں کو خود آگے بڑھ کر دعوت دے رہے ہیں اور کشتی دکن کے نام نہاد ناخدا ان طوفانوں کو اٹھتا ہوا دیکھ کر لرزہ براندام حیات سے مایوس اور دام موج کے پہنچنے سے پہلے کشتی حیات کو غرق کر دینے پر مائل نظر آتے ہیں۔

حیدر آباد کی انفرادیت اور استقلال کی بقاء ضروری ہے۔

(حوالہ: خطبات بہادر یار جنگ' دارالاشاعت سیاسیہ حیدر آباد)

''برطانوی حکومت نے جب ہندوستان کو قلمروی مرتبہ دینے کا اعلان کیا تو بہادر یار جنگ کے سمند رناز کو ایک اور تازیانہ لگا' انہوں نے پیرا موشی کے تار و پود بکھیرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور اس مطالبہ میں شدت پیدا کر دی' سیاسی بصارت کا تقاضا یہی تھا اور اس خصوص میں قائد ملت کو فوری فیصلہ کر کے دکن کے سیاسی مستقبل کی صیانت کی ضمانت حاصل کرنا تھا۔

سیاست سے زیادہ کسی اور شعبہ حیات میں فوری فیصلوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(حوالہ: دکن کی ایک کثیر جہتی شخصیت' از: ڈاکٹر حمید اللہ' ص:۴' روح ترقی ۱۳۶۷ء)

حیدر آباد کی خود مختار حیثیت کی بنیاد پر مفوضہ علاقوں کے استرداد اور حلیف برطانیہ کی حیثیت میں ریاست کی کامل خود مختاری کے مسائل کے حل میں مسٹر گڈنی ریزیڈنٹ کے علاوہ سر فرانسس وائیلی مشیر حکومت ہند سے ملاقاتیں کیں ۔ صدر اعظم باب حکومت کو ایک جامع یادداشت پیش کی' جس میں وزیر اعظم باب حکومت کو لکھا کہ:

اب جب کہ سر اسٹافورڈ کرپس کے ہندوستان بھیجے جانے کا اعلان ہوا ہے' مجلس جناب کی توجہ کو اس طرف منعطف کرانا ضروری تصور کرتی ہے۔ یہ امر یقیناً جناب کے پیش نظر ہوگا کہ حیدر آباد کی حیثیت ہندوستان کی دوسری ریاستوں سے بالکل مختلف ہے۔ حیدر آباد کا معاہداتی موقف ہمیشہ ایک آزاد اور خود مختار سلطنت کا رہا ہے اس لئے مجھے اور مجلس کو یقین ہے کہ اس کے مسائل پر عام ریاستی مسائل سے ہٹ کر خصوصی حیثیت میں غور کیا جائے گا۔ حیدر آباد نے اپنے حلیف کی ہر آڑے وقت میں جس کشادہ پیشانی اور وسعت قلب کے ساتھ امداد کی ہے اس کے

حقیقی اعتراف کا اگر کوئی وقت ہو سکتا ہے تو وہ یہی ہے۔

(حوالہ: مکتوب نمبر ۲۶۹ مورخہ ۱۹/ مارچ ۱۹۴۲ء بنام صدر اعظم مملکت اسلامیہ آصفیہ)

قائد ملت کے اس اعلان آزادی کے مطالبہ سے حکومتی حلقہ میں زلزلہ آ گیا۔ کنگ کوٹھی سے ریزیڈنسی تک دہلی اور شملہ میں ایک ہلچل پیدا ہو گئی۔

نواب صاحب کی سیاسی سرگرمیاں' ساتھ ہی ریاست حیدرآباد سے باہر ان کی غیر معمولی مقبولیت و شہرت کے باعث حیدری حکومت جو اس موقعہ پر لرزاں و ترساں تھی چاہتی تھی کہ نواب صاحب کے خلاف معاندانہ حربے استعمال کئے جائیں مگر عواقب و نتائج بھیانک تصور سے خائف بھی تھی' اس خصوص میں حکومت ہند کے پولیٹکل ڈپارٹمنٹ سے مشاورت کی کہ وہ نواب صاحب کو گرفتار کرنا چاہتی ہے۔

سر فرانسس وائیلی حکومت ہند کے سیاسی مشیر کی حیثیت سے پولیٹکل ڈپارٹمنٹ کے انچارج بھی تھے۔ جنہیں نواب صاحب کی قیادت کی روز افزوں مقبولیت کا اندازہ تھا۔

پولیٹکل ڈپارٹمنٹ نے جواباً مطلع کیا کہ ریاستی حکومت نواب صاحب کو اپنی ذمہ داری پر گرفتار کر سکتی ہے اس جواب سے اسٹیٹ پولیٹکل ڈپارٹمنٹ کے معہود ذہنی کا پتہ چلا تو حیدری حکومت مجبوراً اس ارادے سے دست بردار ہو گئی۔

اصلاحات کے دور سے سر اکبر کی نواب صاحب کے تعلق سے معاندانہ کارروائیوں کا در پردہ سلسلہ چلتا رہا' نظام کے اطراف ان کے خوشامدی سازشی درباریوں سے سر اکبر نے ایک ایسا حلقہ بنا دیا جو سر اکبر کی سازشوں کو کامیاب بنانے میں ان کی معاونت کرتا رہا۔ خود نظام کے ذہن میں یہ بات بیٹھا دی گئی کہ نواب صاحب کی بے پناہ مقبولیت سے اس امر کے آثار پیدا ہو گئے ہیں کہ اٹلی کے مسولینی اور جرمنی کے ہٹلر کی طرح وہ دکن میں آمریت اختیار کر لیں گے' مرحلہ اول تو ختم ہو گیا مگر مرحلہ دوم میں پھر ایک اور سیاسی بساط بچھائی گئی۔

دوسری بساط سیاست

۱۹۴۱ء

جاگیر و خطاب سے دست برداری ۸/ ستمبر ۱۹۴۱ء کو جریدہ غیر معمولی میں نظام کا ایک

فرمان شائع ہوا جس کی رو سے معاشداروں کو سیاست میں حصہ لینے پر امتناع عائد کردیا گیا۔اس طرح اگر وہ معاشدار (جاگیردار منصب دار وغیرہ) اپنی معاش سے دست بردار ہو کر سیاست میں حصہ لینا چاہیں تو وہ اپنے فیصلے میں آزاد تھے۔

یہ فرمان قائد ملت کو سیاست کے میدان سے ہٹانے کے لئے سراکبر اور درباری سازش کا آخری وار تھا' والی ریاست یہ سمجھتے تھے کہ اس طرح بہادر یار جنگ کو اپنے خطاب' جاگیر اور لوازمہ سے محروم ہونے کا تصور ہی سیاست سے دست بردار ہونے پر مائل کردے گا۔دوسری طرف قائد ملت مزاج باغباں سے پوری طرح واقف تھے اور انہیں اس بات کا بھی احساس تھا کہ ان کے قومی وملی کاموں میں جو ریاست کی بقاء کی ضمانت تھے' حیدری حکومت اور نظام والی ریاست کی بصارت سیاسی سے محرومی کے باعث قدم قدم پر رکاوٹیں پیدا کر رہے ہیں' نظام اور ان کے سازشی درباریوں کی سازشوں سے وہ پوری طرح واقف تھے اور اس سازش و آزمائش سے مقابلے کے لئے تیار و آمادہ بھی' انہوں نے اس رکاوٹ کے خلاف جو مجلس کے راستے میں پیدا کی جارہی تھی اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''مجلس کے راستے میں ہر قسم کی رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے' ملازمین سرکار کو اس میں شرکت کی ممانعت کی گئی اور اب معاشداروں' خطاب یافتہ' اور صاحب مناصب و اعزاز مسلمانوں کو بھی اس کی شرکت سے ممنوع قرار دیا جارہا ہے۔''

قائد ملت کو نظام کے تعلق سے اس بات کا پورا اندازہ تھا کہ

''جن کو ہم اپنا سمجھتے ہیں وہ فی الحقیقت ہمارے نہیں۔''

(حوالہ: مکاتیب بہادر یار جنگ جلد دوم ص ۶۴)

نظام کے فرمان کی روشنی میں قائد ملت نے ۳ر اکتوبر ۱۹۴۱ء کو جاگیر خطاب' جمعداری سے اپنی دست برداری کا استعفی راست نظام کی خدمت میں پیش کردیا۔اس طرح قائد ملت نے جاگیر' جمعداری' موروثی اعزازات پالکی' میایہ چتر' آفتاب گیری' بھالا برچھا' بلم اور ڈنکہ نشان سے سبکدوش ہوگئے۔

نظام نے ہر سطح پر کوشش کی کہ قائد ملت اپنی دست برداری سے دست بردار ہوجائیں مگر

یہ ممکن نہ ہوسکا، والی ریاست نے اس خصوص میں فرمان جاری کیا۔ یہ فرمان اپنی خفت مٹانے اور یہ ظاہر کرنے کے لئے جاری کیا گیا کہ یہ اتفاق ہے کہ اس قانون کا اطلاق بہادر یار جنگ پر بھی ہوتا ہے کیوں کہ وہ بھی معاش دار ہیں۔ ویسے نظام والی ریاست انہیں اپنا خیر خواہ سمجھتے ہیں اور عقلمند و فہیم بھی۔

''ہم نہیں چاہتے کہ کسی خاص وجہ کے بغیر ان کو خاندانی اعزاز سے محروم کردیا جائے اور وہ بلاشبہ ہمارے خیر خواہوں میں سے ہونے کے علاوہ عقلمند اور فہیم ہیں۔''

قائد ملت کو اس بات کا بڑا دکھ تھا کہ نظام والی ریاست کو ان کی وفاداری پر شک تھا اور وہ سازشیوں کے ذریعے قائد ملت کی راہ وفا میں جو ریاست کی صیانت کی ضمانت تھی، کانٹے بچھا رہے ہیں۔

''میں اپنے مالک کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے معاشدار رہنے یا سیاست میں حصہ لینے کا انتخاب خود ہماری صوابدید پر چھوڑا۔

اب سوچنا چاہئیے کہ آیا میں بحیثیت معاشدار ہر قسم کی سیاسی کوشش سے الگ رہ کر اپنے مالک کا حق نمک ادا کرسکوں گا یا وقت آ گیا ہے کہ سیاست حاضرہ سے متعلق رہ کر میں اس نمک خواری کا حق ادا کروں جس کا شرف میری پانچ پشتوں کو نصیب رہا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ امتحان وفا کا وقت ہے۔ مجھ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی خود غرض تن آساں، بندہ زر اور نمک حرام نہ ہوگا، اگر میں اس زمانہ میں محض اپنی جاگیر اور اعزاز کے خیال سے مالک اور ملت و ملک کی خدمت گذاری سے روگردانی کروں۔ یہ تو بہت مبارک ہوا کہ اب دیوانہ کوئے محبت جیب و دامن کی فکر سے بھی آزاد ہو رہا ہے۔ میں اس کو اپنے لئے نہ کوئی پابندی سمجھتا ہوں نہ سزاء بلکہ یہ تو میرے لئے پروانۂ آزادی ہے، پابندی بھی ایک سزا ہوتی ہے۔ اور میں کسی سزاء کا مستحق نہیں ہوں۔

کسی شاعر نے میرے ہی لئے کہا ہے۔

وفا خطا تھی خطا میں نے زندگی بھر کی
اب اس کے بعد جو مرضی ہو بندہ پرور کی

میں آج اپنی پانچ پشتوں کے کھائے ہوئے نمک کو حلال کر رہا ہوں اور نہایت مسرت

کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ ۔

بیا جاناں تماشہ کن کہ در انبوہ جاں بازاں
بصد سامان رسوائی سر بازارمی رقصم

تو آں قاتل کہ از بہر تماشہ خون من ریزی
من آں بسمل کہ زیر خنجر خوں خوارمی رقصم

انشاء اللہ زمانہ خود بتادے گا کہ میں کیا ہوں اور میں نے کس طرح اقتدار شاہی کا تحفظ کیا ہے۔

اس خصوص میں ایک اور تقریر میں فرمایا :-

میرے آشیانے پر بجلی چمک رہی ہے اس کو جل جانے دو، تمہارے لئے یہ مبارک فال ہے، یہی ابر تمہارے گلشن حیات پر برسیں گے اور بہت جلد اس میں بہار آئے گی، میں اپنے اجڑے ہوئے آشیانہ کی خاکستر پر بیٹھا اس بہار کا لطف اٹھاؤں گا، ہوائیں چل رہی ہیں۔ابر چھٹیں گے، آفتاب امید چمکے گا اور دنیا دیکھے گی کہ حق ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے اور باطل کے پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح اڑتے ہوئے نظر آئیں گے۔(حوالہ بہادر یار جنگ کی سیاسی تقریریں، مرتبہ نذیر الدین احمد (ص:۲۷۴ تا ۲۷۹) ناشر بہادر یار جنگ اکیڈیمی، حیدرآباد۔انڈیا)

جب جاگیر سے دست برداری کرلی تو ایک قریبی شخصیت نے پوچھا یہ کیا کیا ؟ تو مسکراتے ہوئے نواب صاحب نے جواباً ارشاد فرمایا:

آ گئے تھے برق کی زد میں تمام اہل چمن
ہم نے اپنے آشیانے کو مقابل کردیا

''جب بہادر یار جنگ کی شہرت کا سورج اوج پر اور خطابت کا سمندر موج پر تھا تو انہیں ایک روز نظام دکن کی طرف سے دو فرمان ملے۔جن کے عنوان عطا اور سزاء تھے۔بہادر یار جنگ نے طبعیت مشکل پسند اور حق پسند پائی تھی اس لئے سزاء والے فرمان کی رسید لکھ دی، خطاب واپس ہوا اور جاگیر ضبط ہوئی، فقر میں اضافہ ہوا، عزت اور توقیر بڑھ گئی۔''

وہ آنکھ جو جذبوں کے سمجھنے سے قاصر ہوتی ہے وہ اس حقیقت سے آشنا نہیں ہوتی کہ

جب ظلمتیں، سحر کے جلوؤں کے درمیان حائل ہونا چاہتے ہیں تو قانون قدرت کے مطابق سحر کے جلوے پوری آب وتاب سے ظلمتوں پر چھا جاتے ہیں اور حادثے جب ظرف ونظر کا امتحان لیتے ہیں تو مردان حر کے حوصلے پست نہیں ہو جاتے۔ یہ مشکلات ان کے دل کا حوصلہ بڑھانے کا وسیلہ بن جاتے ہیں، جاگیر وخطاب کے چھین لئے جانے کی دھمکی اور شہر بدر کر دیئے جانے کی بابت اس عظیم انسان نے جواباً کیا کہا تھا۔

''مجھے دھمکایا جا رہا ہے کہ میری جاگیرات وخطابات چھین لئے جائیں گے۔ مجھے ڈرایا جا رہا ہے کہ شہر بدر کر دیا جائے گا' جہاں تک جاگیرات کا تعلق ہے میں بتلا دینا چاہتا ہوں کہ نہ جان میری ہے اور نہ مال میرا۔ سب اللہ کا ہے۔ ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین رہا خطاب کا سوال' جب میں پیدا ہوا تھا میرا نام ماں باپ نے محمد بہادر خاں رکھا اور آپ کی عنایت سے ۱۸ سال سے نواب بہادر یار جنگ کے خطاب سے پکارا جا رہا ہوں اور محمدؐ کی وابستگی سے محروم کر دیا گیا ہوں' بڑا اچھا ہوا کہ وہ محبوب ومتبرکؐ نام پھر سے میرے ساتھ ہے۔ (''آواز دوست'' مختار مسعود)

''جال پھینکے گئے' دام بچھائے گئے' اقبال کا شاہین کوہساروں کی بلندیوں کی طرف مائل بہ پرواز رہا۔ قصر سلطانی کی گنبد کا کبوتر نہ بن سکا۔ آزمائشوں میں عشق فائز المرام ہوا۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

حکومت برطانیہ کی طرف سے ولیعہد کو خطاب کی سرفرازی

۱۹۴۲ء

اس خطاب کی سرفرازی کے دو ہی دن بعد ایک بیان شائع ہوا اور ساتھ ہی ولیعہد کے نام ایک خط بھی مبارکباد کا روانہ کیا' اس خط میں اپنے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا۔

''یہ موروثی وابستۂ دامن دولت اجازت چاہتا ہے کہ خواجہ حافظ کے ایک شعر میں اپنے مسلک زندگی کی وضاحت اپنے آقا زادہ پر کرے۔ خواجہ حافظ فرماتے ہیں۔

تو بندگی کن و از خواجہ التماس مکن

کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

قائد ملت کے ۲۶ رجنوری ۱۹۴۳ء کے بیان نے حیدر آباد سے دلی اور دلی سے لندن تک سیاسی اضطراب کی ایک لہر دوڑا دی، حکومت برطانیہ نے اس بیان کو اپنی توہین متصور کیا جس کے جواب میں قائد ملت کو مزید ایک وضاحتی بیان جاری کرنا پڑا جو پہلے بیان سے زیادہ واضح اور سخت تھا۔

پہلے بیان میں نواب صاحب نے صرف اس قدر فرمایا تھا کہ ''پرنس کے واسطے یہ خطاب وجہ ناز نہیں، یہ تو محکومی کی دلیل ہے۔'' لیکن دوسرے وضاحتی بیان میں سیاسی مسلک کو بروقت پیش کر کے طوق غلامی سے آزادی کی بات صاف صاف بیان فرمادی۔ اب ان بیانات کا اثر طبع نازک پر کتنا گراں گذرا۔

سیاسی اضطراب نے نظام والی ریاست کو حالت پینک سے جگایا کونسل کی میٹنگ ہوئی۔ گرگسن کا خیال تھا کہ بہادر یار جنگ پر مقدمہ چلایا جائے، اسی دوران ریزیڈنٹ کی خفگی نے اس مسئلہ کو سختی سے حل کرنے کے لئے دہلی سے ہدایت حاصل کی۔

۲۲ رجنوری ۴۳ء کو سر ہنری کریگ سیاسی مشیر حکومت ہند نے سزاء کے طور پر یہ تجویز پیش کی۔

◆◆◆

وزارت کا جال

۱۹۴۳ء

خطاب و جاگیر واپس کر کے وہ اپنا ذہنی بوجھ اتار چکے تھے مگر نواب میر عثمان علی والی ریاست حیدر آباد کو اپنی مجرمانہ طرز فکر کے باعث یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ جاگیر و خطاب کی زنجیروں سے رہا ہو کر یہ میرے لئے اور بھی خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس لئے انہیں وزیر بنا دیا جائے تو وزارت کی یہ بیڑی انہیں پابہ وفا بنائے رکھے گی۔ چنانچہ قائد ملت کو ۱۹۴۴ء تک ۳ مرتبہ وزارت کا خود والی ریاست نظام کی جانب سے پیش کیا گیا لیکن اس مرد حر نے صاف صاف کہہ دیا:-

''میں کرسی وزارت پر بیٹھ کر مہمات سلطنت پر غور کرنے کے لئے نہیں بلکہ گرد کوچہ و بازار بن کر قلوب کی دنیا میں طوفان برپا کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ میرا مقام صرف دامن کوہ اور وسعت صحرا ہے' میں وہ مزدور ہوں جو راستہ تیار کرتا ہے کہ ملت کی گاڑی آسانی سے منزل مقصود تک پہنچ جائے اور میرے لئے یہی فخر کافی ہے کہ میں وابستہ دامنِ محمدیہ سے ہوں۔'' (حوالہ بہادر یار جنگ کی سیاسی تقریریں۔ مرتبہ نذیر الدین احمد ناشر بہادر یار جنگ اکیڈیمی' حیدر آباد۔

جاگیر اور خطاب کی واپسی
ایک اور سیاسی چال

۱۹۴۴ء میں پھر نظام نے یہ طئے کیا کہ نواب صاحب کا خطاب و جاگیر وغیرہ واگذاشت کردی جائے جو بعنوان ''نذر پیش کردہ بہادر یار جنگ قبول کردہ محفوظ در خاندان او (یعنی برائے او) کا ذکر ۱۰/ربیع الثانی ۱۹۶۳ء مطابق ۱۶/اپریل ۱۹۴۳ء کو نظام گزٹ میں شائع ہوا۔

۱۹۴۴ء میں سر سعید الملک نواب صاحب چھتاری صدر اعظم تھے انہیں نظام نے اس خصوص میں کہا ''سرکار نے فرمایا کہ سالگرہ کے موقعہ پر بہادر یار جنگ کی جاگیر واپس کردی جائے'

ریزیڈنٹ سے کہنا کہ میری بھی یہی رائے ہے۔‘‘

(حوالہ: یادایام حصہ سوم از: نواب صاحب چھتاری ص:۱۶۱۔ ۷ر مارچ ۱۹۴۴ء)

۱۶ر مارچ ۱۹۴۴ء کو نواب صاحب چھتاری نے اس خصوص میں ریزیڈنٹ سے ملاقات کی‘ ’’ریزیڈنٹ سے بہادر یار جنگ کی واپسی جاگیر کے متعلق گفتگو کی۔‘‘ (یادایام ص:۱۶۲)

یہ اعلان صرف یہ جاننے کے لئے کیا گیا تھا کہ اس اعلان کے بعد بہادر یار جنگ کا سیاسی رویہ تبدیل ہوتا ہے یا نہیں۔ قائد ملت کو واپسی جاگیر و خطاب سے کوئی دلچسپی باقی نہ تھی جب نظام نے دیکھا کہ اس فرماں عطا کا کوئی اثر نہیں ہوا ہے تو منشاء فرماں جاری ہو چکا تھا جس کی تعمیل بھی فرمارواپر واجب تھا۔

بالآخر یکم رجب ۲۳ر جون ۱۹۴۴ء کا دن آ گیا جس دن والی ریاست کی سالگرہ تھی‘ خطابات سے نوازے جانے والے نوازے گئے مگر قائد ملت کی نہ تو جاگیر بحالی کی گئی اور نہ ہی خطاب اور اس خصوص میں کوئی فرمان بھی جاری نہیں کیا گیا۔

البتہ ۳ر رجب ۱۹۶۳ء ‘ ۲۵ر جون ۱۹۴۴ء سالگرہ کے تیسرے دن والی ریاست کی ایماء پر (چوں کہ نظام کی مرضی اور منشا کے بغیر نظام کے مطلوب سازشی اتنا بڑا اقدام کرنے کی جرات تو بڑی بات ہے‘ سوچنے کی ہمت بھی نہیں کر سکتے تھے۔) ریاستی سیاست اور درباری سازش نے‘ ہاشم علی خاں رکن عدالت العالیہ کے گھر پر ایک خصوصی دعوت کا اہتمام کیا گیا جس میں دو کے سوا باقی سب ہی اس سازش میں شریک افراد تھے‘ اعلی حکمۃ الحق کا جو خمیازہ علامہ جمال الدین افغانی کو ترکی میں بھگتنا پڑا‘ وہی بہادر یار جنگ کے لئے (ہاشم علی خاں کے گھر) حیدرآباد میں مقدر تھا۔

جمال الدین افغانی کو زہر آلود خلال کے ذریعے ختم کیا گیا اور بہادر یار جنگ کو دعوت طعام میں کھانے سے قبل حقہ میں زہر دیا گیا‘ بہادر خاں کی آواز سے خسروی دبدبۂ شہنشاہی پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ اعیان مملکت اور عمائدین سلطنت پر غشی طاری ہو جاتی تھی‘ ان کی سیاسی بصیرت اور آواز حق سے شاہی کاخ وایوان کی بنیادیں ہل گیئں تھیں۔ بالاخر نظام نے سازش کا ایک جال بچھایا اور طئے پایا کہ اس کا راستہ روک دینا چاہئیے‘ اس کا گلا گھونٹ دینا چاہئیے۔ وہ مرد مومن ان حربوں سے واقف تھا‘ نظام کی سانس کے ہلکے سے ہلکے زیر و بم کا نفسیاتی پس منظر بھی نواب

صاحب کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہا۔ وہ مزاج باغباں سے خوب واقف تھے' لیکن وہ اپنی زندگی کی پرواہ کیئے بغیر امتحانوں اور آزمائشوں سے گذرتے رہے۔

بہادر یار جنگ ریاست حیدرآباد کے والی اور ریاست کے عوام کے لئے شمع راہ وفا تھے مگر نظام نے انہیں راہ کا پتھر سمجھا' کیا خبر تھی کہ شراروں میں تلے گی شبنم۔ انہوں نے نظام کی راہ وفا کی دھوپ میں اپنی جان' جان آفریں کے سپرد کر دی اور۔

یوں جاں دی وفا میں کہ قاتل تمام عمر
دل کی عدالتوں میں سزاء ڈھونڈتا رہا

◆◆◆

حکومت برطانیہ کی طرف سے ولیعہد کو خطاب کی سرفرازی

۱۹۴۳ء

یکم جنوری ۴۳ء کو اعلیٰ حضرت حضور نظام کے لخت جگر کو'' نائٹ آف دی گرانڈ کراس آف دی موسٹ ایکسلنٹ آرڈر آف دی برٹش امپائر''

جس کا مخفف .G.B.E ہے' انگریز کی طرف سے عطا ہوا۔

تفصیلات سے قبل پس منظر اس خطاب کے عطا کا یہ تھا کہ سر سعید الملک نواب صاحب چھتاری سے (جو انگریزوں کی GOOD... BOOK میں سرفہرست لوگوں میں شامل تھے اور نظام کے وزیر اعظم تھے)۔ نظام نے خواہش کی تھی کہ ولیعہد کو خطاب ملنا چاہیئے۔ نواب صاحب کی کوشش سے یہ خطاب ولیعہد کو ملا۔ اب آگے کی کہانی سعید الملک کی زبانی مزہ دے گی

'' یکم جنوری ۴۳ء کو ولیعہد پرنس آف برار کو G.B.E کا خطاب مل گیا۔ حضور نظام کو مبارکباد کا عریضہ بھیجا۔ جمعہ کی نماز جو مسجد میں (باغ عام) میں سرکار پڑھتے تھے اور میں حاضر ہوتا تھا' سرکار آئے۔ بہت خوش تھے۔ پوچھا یہ کیا خطاب ہے۔ میں نے عرض کیا جو سرکار کے پاس بھی ہے وہی یہ ہے۔ شام کو پرنس نے چائے پر بلایا۔ وہ شکر گزار تھے اور بہت مسرور تھے۔ ۳/جنوری ۱۹۴۳ء کو سرکار کا مطلوبہ حاضر ہوا۔ .G.B.E کے متعلق کچھ اس طرح فرمایا کہ یہ کوئی چیز نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ جیسا حضور نے حکم دیا کہ یہ خطاب پرنس کو ملنا چاہیئے اس کی تعمیل ہوئی اور بہت سے والیان ملک تو اس پر رشک کرتے ہوں گے۔ اس کے دو ہی ایک روز بعد بہادر یار جنگ کی طرف سے'' رہبر دکن'' میں ایک مضمون شائع ہوا۔'' (حوالہ: یاد ایام حصہ سوئم از نواب صاحب چھتاری ص: ۱۲۸)

قائد ملت کا وہ بیان (۶/جنوری ۱۹۴۳ء) جس کا ذکر نواب صاحب چھتاری کے حوالے میں مذکور ہے۔ اس بیان کی وضاحت میں نواب صاحب کا ایک اور بصیرت افروز بیان ۲۰/مارچ

۱۹۴۴ء کے رہبر دکن میں شائع ہوا۔''

''شہزادہ والا شان ہر ہائی نس آف برار کی خطاب یابی کی تقریب پر میں نے ایک بیان جاری کیا تھا۔ میرے اس بیان کے الفاظ کو وجہ اعتراض بنایا گیا۔ اوراس کی روح نظر انداز کر دی گئی۔ میرے اس بیان کا مقصد یہ تھا کہ میں حکومت برطانیہ کواس امر کی طرف متوجہ کروں کہ حیدرآباد کی وفادارانہ دوستی کے بدلہ میں وہ جن طریقوں سے حیدرآباد کو خوش کرنا چاہتی ہے وہ کافی نہیں ہیں۔ حیدرآبادی حکومت برطانیہ کے ساتھ اپنی تاریخی دوستی کا صرف ایک معاوضہ سمجھتے ہیں کہ حکومت برطانیہ حیدرآباد کے معاہدات کا احترام کرے اوراس کی آزادی کو تسلیم کرے۔ میں نے اس حقیقت کو بار بار دہرایا ہے کہ ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط کی تاریخ کا ہر باب حیدرآباد کی دوستی کا رہین منت ہے اوراس کے معاوضہ میں ہم حکومت برطانیہ سے اپنے ساتھ صرف اس برتاؤ کی توقع کرتے ہیں جس کا اس نے اپنے بدترین دشمنوں سے وعدہ کیا ہے۔ حکومت برطانیہ کوئٹ انڈیا کا نعرہ لگانے والوں، مساعی جنگ میں رکاوٹیں پیدا کرنے والوں، ریل کی پٹریاں اکھاڑنے والوں ڈاک کے ڈبے جلانے والوں اور حکومتی محکمہ جات پر بم پھینکنے والوں سے جنگ کے ختم ہوتے ہی مقبوضاتی مرتبہ کا وعدہ کر رہی ہے اوراس مقبوضاتی مرتبہ کواس کا وزیر ہند سب سے بڑی آزادی کہہ رہا ہے۔ کیا اس حکومت برطانیہ سے ہم اپنی دوستی کے بدلے میں یہ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ حیدرآباد کے معاہداتی حقوق کے تحفظ اوراس کی آزادی کامل کا غیر مبہم الفاظ میں ہم کو یقین دلائے۔ شہزادہ والا شان کی خطاب یابی پر میرے بیان کا اس کے سواء کوئی مفہوم نہ تھا۔ لیکن افسوس کہ آج کی دنیا حق وصداقت کو برداشت نہیں کر سکتی اور میرے بیان کو غلط مفہوم میں لیا گیا۔''

پہلے بیان میں نواب صاحب نے صرف اس قدر فرمایا تھا کہ ''پرنس کے واسطے یہ خطاب وجہ ناز نہیں، یہ تو محکومی کی دلیل ہے۔ لیکن دوسرے وضاحتی بیان میں سیاسی مسلک کو بروقت پیش کر کے طوق غلامی سے آزادی کی بات صاف صاف بیان فرمادی۔ اب ان بیانات کا اثر طبع نازک پر کتنا گراں گذرا، یہ مضمون بھی نواب صاحب چھتاری کی زبانی سننا ہے۔

''سرکار نے اس مضمون کی طرف وزراء کی کونسل کو نیم سرکاری خط کے ذریعہ سے متوجہ

کیا۔ ادھر گرگسن نے خود اس معاملہ کو اٹھایا اور یہ خیال ظاہر کیا کہ بہادر یار جنگ پر مقدمہ چلایا جائے۔ میں نے اس کی مخالفت کی کہ یہ غلط علاج ہوگا اور جو بہادر یار جنگ نے کہا وہ ان کی پارٹی کے ممبران بھی دہرائیں گے۔ اس طرح ستیہ گرہ شروع ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں کس دفعہ کے تحت مقدمہ چلے گا۔ یہ کہنا کہ میری رائے میں یہ خطاب شہزادے کے واسطے کوئی عزت نہیں کسی جرم کی تعریف میں نہیں آتا۔ کونسل نے یہ طئے کیا کہ اعلیٰ حضرت ایک فرمان کونسل کو بھیجیں جس میں اس خطاب پر طمانیت کا اظہار فرمائیں' میں نے کابینہ کی اس رائے کو پسند کیا۔ اس لئے کہ اعلیٰ حضرت ایسے خطاب کے ملنے کے متعلق کئی بار فرما چکے تھے اور ان ہی کے حکم کی تعمیل میں اس خطاب کی تحریک میں نے کی تھی۔

۹/جنوری ۴۳ء کو میں دفتر پیشی میں حاضر ہوا اور کونسل کی اس قرارداد کو سرکار میں پیش کیا۔ مجھے سخت حیرت ہوئی کہ اعلیٰ حضرت ایسا فرمان لکھنے سے گریز فرماتے ہیں اور مجھ سے فرمایا کہ تم ریزیڈنٹ سے مل لو اور یہ کہو کہ اس بیان کی طرف سرکار نے کونسل کی توجہ دلائی مگر کونسل کی یہ رائے ہے کہ اس وقت اعلی حضرت کا اس بیان کی تردید کرنے سے غلط فہمی پیدا ہوگی۔ میں نے عرض کیا کہ کونسل کا فیصلہ میں پیش کر چکا ہوں کونسل ایسی تردید کی موافقت میں ہے اور کونسل کی قرارداد کوئی راز نہیں جو ریزیڈنٹ کے علم میں نہ ہو۔ فرمایا اچھا تم ریزیڈنٹ سے کہنا کہ سرکار کی یہ رائے ہے' میں نے عرض کیا کہ تعمیل ہوگی۔

دوسرے روز میں ریزیڈنٹ سے ملا۔ وہ بہادر یار جنگ کی تقریر کا ترجمہ لئے ہوئے نہایت برہم بیٹھے تھے میں نے انہیں کونسل کا ریزولیوشن دکھایا وہ اسے ناکافی خیال کرتے تھے' میں نے اس تمام گفتگو کا نوٹ تیار کرالیا' جس کا منشاء یہ تھا کہ نہ صرف کونسل کی رائے کے مطابق سرکا سر فرمان جاری کریں بلکہ سرکار کو حکم دینا چاہیئے کہ بہادر یار جنگ معافی مانگیں میں نے دوسرے روز اپنی ملاقات کا نوٹ پیش کیا۔ سرکار نے حکم دیا کہ کونسل کی رائے کے مطابق جریدے میں فرمان شائع ہو' میں نے سرکار سے عرض کر دیا کہ وہ بہادر یار جنگ کو حکم دیں کہ اب کوئی مضمون نہ لکھیں۔ چنانچہ کاظم یار جنگ کے ذریعہ ایسا حکم چلایا گیا۔

پرنس کا خطاب .G.B.E میرے واسطے ایک دردسر بن گیا جس کا قضیہ عرصہ تک چلتا

رہا۔ ریزیڈنٹ نے اس معاملے کو دہلی بھیجا تا کہ وہاں کی ہدایات حاصل کرے۔

۲۲ر جنوری ۴۳ء کو سرہنری کریگ سیاسی مشیر حکومت ہند سے ملا' یہ بہادر یار جنگ کے مضمون پر بہت برہم تھے' گفتگو کے بعد یہ طئے پایا کہ اعلیٰ حضرت خود بہادر یار جنگ کو بلا کر فہمائش فرمائیں اور سزاء کے طور پر ۶ ماہ کے واسطے وہ نظام کے پاس حاضر نہ ہوسکیں۔ (جسے حیدرآبادی زبان میں دیوڑی بند ہونا کہتے ہیں) اور کسی جلسہ میں ۶ ماہ تک کوئی تقریر نہ کریں۔"

(حوالہ: ص ۱۲۸' ۱۲۹' ۱۳۰ یاد ایام)

۱۲ر مارچ کو میں گرگسن علی یاور جنگ اور رینڈرسن (انسپکٹر جنرل پولیس) ریزیڈنٹ سے ملے۔ وہ چاہتا تھا کہ جتنی سختی ممکن ہو بہادر یار جنگ پر کی جائے۔ میں نے کہا آپ کیا چاہتے ہیں ریزیڈنٹ نے کہا کہ:

۱۔ بہادر یار جنگ کی دیوڑھی چھ ماہ کے واسطے بند کردی جائے یعنی وہ نظام کے پاس حاضر نہ ہوسکیں۔

۲۔ چھ ماہ تک کوئی تقریر نہ کریں اور نہ کوئی مضمون لکھیں۔

۳۔ انہیں ان کی جاگیر میں محبوس کردیا جائے۔

میں نے کہا کہ جاگیر میں محبوبس کرنے پر شورش کا اندیشہ ہے' وہ بولے کہ میں تو اپنی ہدایات کے مطابق کہوں گا' اب آپ کو اختیار ہے۔

شام کو سرکار نے طلب فرمایا میں نے ریزیڈنٹ کی گفتگو کا ذکر کیا۔" نظام اس پر تیار ہوئے کہ چھ ماہ کے لئے وہ حکم دیں گے کہ وہ تقریر نہ کریں۔ وہ خود بہادر یار جنگ کو نہیں بلائیں گے مگر کونسل اس کی سفارش نہ کرے۔" (۱۳۲ ایام)

(نوٹ: نواب صاحب چھتاری نے ۶ ماہ کی زبان بندی کا ذکر کیا ہے۔ غالباً یہ کتابت کی غلطی ہے' کیوں کہ زبان بندی ایک سال کے لئے کی گئی تھی)

نواب صاحب کی آہنی شخصیت اور عوام میں ان کی غیر معمولی مقبولیت سے نظام آف حیدرآباد پوری طرح واقف تھے' انگریزوں کے اثر سے بھی مجبور تھے۔

بالآخر ایک نرم فرمان کے ذریعے حکومت برطانیہ کے خرمن ناز پر جو بجلی گری تھی مداوے

الم کرنے' طئے پایا کہ نواب صاحب کی ایک سال کیلئے زبان بندی کردی جائے ۔ چنانچہ اس خصوص میں ۲۲؍ مارچ ۴۳ء فرمان زبان بندی سے قبل نواب صاحب چھتاری اور اراکین کونسل کے نام جو فرمان جاری ہوا وہ تحریر متذکرہ کی تائید کرتا ہے۔

۲۲؍ مارچ ۴۳ء کی شام کو سرکار کا ایک فرمان منسٹر پیشی کے خط کے ساتھ آیا۔ یہ بہادر یار جنگ کے متعلق تھا' میں اسے انہیں الفاظ میں نقل کرتا ہوں ۔ تا کہ اس زمانہ کی طرز تحریر اور عبارت کا اندازہ ہو سکے۔ یہ اعلیٰ حضرت کے الفاظ تھے۔ منسٹر کو دخل نہ تھا۔

''بخدمت شریف عالی جناب نواب سر محمد احمد سعید خاں۔ صدر اعظم باب حکومت''

''ایک فرمان مبارک کی نقل بھیج کر آپ کو تحریر کرنے کو سرکار کا جو حکم ہوا ہے وہ حسب ذیل ہے۔''

''کونسل کی عرضداشت مورخہ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ کو میں نے غور سے دیکھا اور آج بالمشافہ نواب صاحب چھتاری سے بھی گفتگو تفصیل سے کی ۔ چوں کہ میری پوزیشن بحیثیت حکمراں ہونے کے اپنی حد تک بڑی ذمہ داری رکھتی ہے۔ لہذا جو کچھ میرا فرمان اس بارہ میں ہو (جو کہ طبع ہوگا) وہ میری پوزیشن اور (DIGNITY) کے مطابق ہو نہ کہ ایسا جس پر ممکن ہے کہ چوطرف سے نکتہ چینی شروع ہو جائے (اندرون و بیرون ملک) لہذا اس کو بچانا ضروری ہے۔ بس میں نے سب امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک جامع مسودہ تیار کیا ہے۔ وہ سب امور پر حاوی ہے۔ جس کا تذکرہ عرضداشت میں ہے ۔ بس اگر کونسل کو یہ منظور ہے کہ میں اپنے (PREROGATIVE) کو استعمال کرتے ہوئے فرمان جاری کروں تو میں بخوشی اس مسودہ کے مطابق فرمان جاری کرنے کو تیار ہوں۔ (یاد ایام ص: ۱۳۵'۱۳۶)

نقل فرمان

ممالک محروسہ سرکار عالی میں جتنی سیاسی انجمنیں ہیں اس سے بحث نہیں کہ کسی قوم اور ملت کی ہیں۔ ان کو حکم دیا جاتا ہے کہ دوران جنگ میں کسی قسم کی شر انگیز تقاریر نہ کریں۔ نہ مضامین لوکل اخبارات میں شائع ہوں تا کہ کسی قسم کا نقصان امن یا ملک میں بے چینی پیدا نہ ہو۔ ورنہ اس کے خلاف عمل ہوگا تو گورنمنٹ خاطیوں کے ساتھ سخت تدارک کرنے پر آمادہ ہو جائے گی۔

ہاں۔ وہ بات اور ہے اگر کسی فریق کو اپنی جائز شکایات یا مطالبات کے متعلق لب کشائی کی نوبت آئے تو اس کو درست طریقہ پر اور آئینی طریقہ پر کرسکتا ہے۔ جب کہ یہ ہمہ قسم کی گرفت سے خالی ہو اور اس صورت میں اس پر گورنمنٹ غور کرسکتی ہے۔ نظر برآں دنیا کے اس مقولہ پر نظر رہے کہ صلح و آشتی سے بیگانے اپنے ہوجاتے ہیں اور جنگ و جدال سے دوست دشمن بن جاتے ہیں۔

بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ بہادر یار جنگ جب تقریر کرنے اسٹیج پر کھڑے ہوتے ہیں تو ان کی زبان قابو میں نہیں رہتی۔ یعنی حدود معینہ سے باہر ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے پیچیدگیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ جو موجودہ سیاسی فضاء کو مکدر بناتی ہیں۔ لہذا ان کو بھی چاہیئے کہ حزم و احتیاط سے کام کریں۔ ورنہ کسی وقت ہلچل پیدا ہوجائے تو اس کی ذمہ داری مقرر پر ہوگی اور میرا بحیثیت حکمراں ہونے کے یہ فرض ہوگا کہ جو کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرے اس کا سد باب کروں۔ نظر برآں میری دانست میں یہی مناسب ہے کہ ایک سال تک بہادر یار جنگ کسی قسم کی تقریر نہ کریں یا کسی قسم کا بیان اخبار میں شائع نہ کریں تاکہ اپنے ہاتھوں نہ خود کو مشکلات میں ڈالیں اور نہ دوسری طرف گورنمنٹ کو ان امور کی وجہ دردسری اٹھانی پڑے۔ جیسا کہ شیخ سعدیؒ نے کہا ہے ؂

مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

میرا یہ حکم پبلک کی اطلاع کی غرض سے جریدہ غیر معمولی میں شائع کیا جائے۔

(یادِ ایام ص: ۱۳۶،۱۳۷)

متذکرہ صدر فرمان جو ۱۵؍ ربیع الاول شریف ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۲؍ مارچ ۱۹۴۳ء اخبارات میں شائع ہوا۔ اس میں کونسل کو روانہ کردہ فرمان میں مزید ایک فقرہ کا اضافہ کیا گیا۔ اخبارات میں شائع شدہ فرمان حسب ذیل ہے۔

فرمان مبارک

ممالک محروسہ سرکار عالی میں جتنی سیاسی انجمنیں ہیں اس سے بحث نہیں کہ کس قوم و ملت کی ہیں ان کو حکم دیا جاتا ہے کہ دوران جنگ میں کسی قسم کی شرانگیز تقاریر نہ کریں یا مضامین لوکل اخبارات میں شائع نہ ہوں تاکہ کسی قسم کا نقض امن یا ملک میں بے چینی پیدا نہ ہو ورنہ اس کے

خلاف عمل ہوگا تو گورنمنٹ خاطیوں کے ساتھ سخت تدارک کرنے پر آمادہ ہوجائے گی''۔

۲۔ ہاں وہ بات اور ہے کہ اگر کسی فریق کو اپنے جائز شکایات یا مطالبات سے متعلق لب کشائی کی نوبت آئے تو اس کو درست طریقہ پر یا آئینی طریقہ پر کرسکتا ہے جبکہ یہ ہمہ قسم کی گرفت سے خالی ہو اور اس صورت میں اس پر گورنمنٹ غور کرسکتی ہے۔

نظر برآں دنیا کے اس مقولہ پر نظر رہے کہ صلح و آشتی سے بیگانے اپنے ہوجاتے ہیں اور جنگ و جدال سے دوست دشمن بن جاتے ہیں۔

۳۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ بہادر یار جنگ جب تقریر کرنے اسٹیج پر کھڑے ہوتے ہیں تو ان کی زبان قابو میں نہیں رہتی ہے، یعنی حد معینہ سے باہر ہوجاتی ہے یا گرد و پیش کے حالات پر ان کی نظر نہیں رہتی ہے۔ جس کی وجہ سے پیچیدگیاں پیدا ہوجاتی ہیں جو موجودہ سیاسی فضاء کو اور مکدر بناتی ہیں لہذا ان کو بھی چاہئیے کہ حزم و احتیاط سے کام کریں ورنہ کسی وقت کسی قسم کی ہلچل پیدا ہوجائے تو اس کی ذمہ داری مقرر پر ہوگی اور میرا بہ حیثیت حکمراں ہونے کے فرض ہوگا کہ جو کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرے اس کا سد باب کروں۔

نظر برآں میری دانست میں یہی مناسب ہے بلکہ میری ہدایت ہے کہ ایک سال تک بہادر یار جنگ کسی قسم کی تقریر اندرون و بیرون ملک نہ کریں یا کسی قسم کا بیان اخبار میں شائع نہ کریں تاکہ اپنے ہاتھوں نہ خود کو مشکلات میں ڈالیں اور نہ دوسرے طرف گورنمنٹ کو ان امور کی وجہ دردسری اٹھانی پڑے۔

آخر میں اس قدر اور کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ مسئلہ زیر بحث کی کافی توضیح ہوجائے وہ یہ ہے کہ تمام بہی خواہان سلطنت کی وفاداری اس نوع کی ہونی چاہئیے کہ یہ سرکار کے باہمی دوستانہ تعلقات پر یا اہم بین الاقوامی مسائل پر مضر اثر نہ ڈالے ورنہ یہ خوبی اس میں موجود نہ ہوگی تو پھر اس کے معنی و مفہوم اس کے برعکس سمجھا جائے گا۔ اور اس وقت اس کو کسی طرح جائز نہیں رکھا جاسکتا کہ حکمراں ہو یا اس کی گورنمنٹ ہو وہ بھی اپنی اپنی حد تک فرائض منصبی رکھتے ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

لہذا اس نکتہ کو پیش نظر رکھ کر کام کرنا چاہئیے کہ یہی طریقہ کار تمام عقلاء یا مدبرین زمانہ

کا رہا ہے۔

میرا یہ حکم پبلک کی اطلاع کی غرض سے مع ترجمہ انگریزی جریدہ غیر معمولی شائع کر دیا جائے۔

''شرحِ دستخط مبارک اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی مدظلہم العالی''

۱۵/ربیع الاول شریف ۱۳۶۲ھ

مطابق ۲۲/مارچ ۱۹۴۳ء

زبان بندی کے دور کے ختم پر پندرھویں جلسہ سالانہ مجلس اتحاد المسلمین منعقدہ ورنگل میں ۲۴/مئی ۱۹۴۴ء کو ولیعہد کے خطاب کے مسئلہ پر نواب صاحب نے اپنے خطبہ صدارت میں اس مسئلہ پر سخت الفاظ میں صاف صاف مجلس کی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

شہزادہ والا شان ولیعہد بہادر سلطنت آصفیہ کی خطاب یابی پر میں نے جو بیان دیا تھا اور جس پر نمائندہ تاج اس قدر چراغ پا ہوئے اس کا مفہوم اور اس کی اسپرٹ بھی یہی اور صرف یہی تھی۔ میں آج بھی بلا خوف لومۃ لائم اس بات کا اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ حیدرآباد کے باشندوں کو حکومت برطانیہ اور شریف برطانوی قوم سے یہ بجا شکایت ہے کہ وہ حیدرآباد کی دوستی اور اس کے احسان کا صحیح صلہ حیدرآباد کو نہیں دے رہے ہیں اور جو طریقے حیدرآباد کو خوش کرنے کے لئے استعمال کئے جا رہے ہیں حیدرآبادی نہ ان سے مطمئن ہو سکتے ہیں نہ خوش۔ اب حیدرآباد کا شعور عامہ اتنا بیدار ہو چکا ہے کہ حکومت برطانیہ ان کھلونوں سے حیدرآبادیوں کے دل نہیں لبھا سکتی۔ حیدرآباد ایفاء عہد کے شریفانہ جذبہ کے تحت صلہ کی تمنا یا ستائش کی خواہش کے بغیر حکومت برطانیہ کی امداد کر رہا ہے لیکن بجا طور پر اس سے اس مطالبہ کا حق رکھتا ہے کہ ایک شریف دوست کی حیثیت سے اس کی ان دوستیوں کا بدلہ دے۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ:

(۱) دوران جنگ میں حیدرآباد کے اندرونی معاملات میں مشورہ' ایما یا اشارہ کے طور پر مداخلت کے مذموم طریقہ کو یکلخت اور بلا تاخیر بند کرے۔

(۲) جلد سے جلد اعلان کرے کہ حیدرآباد از روے معاہدات آزاد ہے اور بعد از اختتام

جنگ اس کو کامل اختیار ہوگا کہ ہندوستانی حکومت کے ساتھ جس قسم کے تعلقات چاہے بذریعہ معاہدات قائم کرے۔ نیز جو معاہدات اس وقت تک حیدرآباد نے حکومت برطانیہ کے ساتھ کئے ہیں جنگ کے ختم ہوتے ہی بعجلت ممکنہ ان کی نظر ثانی اور تجدید کی جائے گی اور حیدرآباد کو حق ہوگا کہ برطانیہ کے ساتھ اپنی دوستی اور تحالف کو زیادہ مضبوط سے باقی رکھتے ہوئے دنیا کی دوسری آزاد حکومتوں سے سفارتی تعلقات پیدا کرے۔

(۳) صاف اور غیر مبہم اعلان کرے کہ تاریخ کے مختلف ادوار میں حیدرآباد کے جو علاقے حکومت برطانیہ نے جاگیر۔ اخراجات۔ ترتیب فوج یا پٹہ کے طور پر حاصل کئے ہیں وہ ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ ملتے ہی حیدرآباد کو واپس کر دیئے جائیں گے تاکہ حیدرآباد اپنی اصلی حالت پر عود کر سکے اور ساحل سمندر تک وسیع ہو کر اپنے ملک کی خوشحالی کو بڑھا سکے۔

میں حکومت برطانیہ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس کے یہ اعلانات نہ صرف اس کی دوست شناسی اور شرافت کا مظاہرہ ہوں گے بلکہ حیدرآباد کی مساعی جنگ کو تیز تر کرنے کا باعث ہوں گے اور ان دس کروڑ مسلمانوں کے قلوب کو اس کی طرف متوجہ کرلیں گے جو ہندوستان میں حیدرآباد کو اپنی عظمت گزشتہ کا آخری نشان تصور کرتے ہیں۔ ان مطالبات میں جو نئے نہیں ہیں اور مجلس اتحاد المسلمین کے پلیٹ فارم سے بارہا دہرائے گئے ہیں میں نے عدم مداخلت کو سب سے پہلا درجہ دیا ہے۔ میں حیدرآباد میں برطانوی حکومت کی مداخلت کے مفروضہ نتائج سے خوب واقف ہوں لیکن میں حکومت برطانیہ کو یقین دلاتا ہوں کہ اب حیدرآباد ربع صدی قبل کا حیدرآباد نہیں ہے۔ اب حیدرآباد میں شعور عامہ بیدار ہو چکا ہے۔ حیدرآبادی عوام میں بھلے برے کی تمیز پیدا ہو چکی ہے اور حیدرآباد کے ارباب حل وعقد احتساب دام محسوس کرنے لگے ہیں اس لئے ہم خوب سمجھ کر اصرار کرتے ہیں کہ اب آپ اپنی مداخلت سے ہمارے قلوب کو زیادہ مجروح نہ کریں اور ہم کو اپنی قسمت کی خو تعمیر کرنے کا موقعہ دیں۔ میں نمائندہ تاج سے ان کے کامل احترام کے ساتھ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا کسی نوبت پر وہ اس کو برداشت کر سکتے ہیں کہ ان کی حلیف حکومت امریکہ ان کو اس بات پر مجبور کرے کہ وہ اپنی حکومت کے بعض سررشتوں کو امریکی عہدہ داروں کے لئے مخصوص کر دیں۔ امریکی عہدہ داروں کی ساری قابلیت وصلاحیت کے باوجود کیا انگریز قوم کی

غیرت قومی اس کو قبول کرے گی کہ برضا ورغبت نہیں، بر بنائے ضرورت و احتیاج نہیں بلکہ کرہاً و مجبوراً وہ چند خاص سر رشتے امریکی عہدہ داروں کے تفویض کردے جو انگریزی حکومت سے تنخواہ پائیں۔ لیکن اپنا رشتہ عقیدت و وفا امریکہ سے وابستہ رکھیں۔ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو پھر حیدرآباد کو ایسی ہی صورتحال پر کیوں مجبور کیا جارہا ہے۔ میں اس امر کو واضح کردینا چاہتا ہوں کہ میں صرف اصول سے گفتگو کررہا ہوں۔ اشخاص سے مجھے کوئی مخالفت نہیں اور ان میں سے بعض میرے بہترین دوست ہیں۔ میں ممنون ہوگا اگر سر آرتھر لوتھیان میری طرف سے اپنی حکومت کو یہ پیام دیں کہ ''آنچہ برخدنہ پسندی برائے دیگراں نہ پسند''

الحمد للہ اب حیدرآباد اپنے فرزندوں کی ترتیب میں اتنا کامیاب ہو چکا ہے کہ وہ اپنے ملک کی بڑی سے بڑی ذمہ داری کو برداشت کرنے کے قابل ہیں۔ میں سب سے زیادہ زمانہ کی اس کجروی سے نالاں ہوں کہ سچی بات کو عقل کی ترازو میں تولنے کی بجائے جذبات کے ہتوڑے سے توڑنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

۳۰۱ تا ۳۰۵

پندرھویں جلسہ سالانہ خطبہ صدارت

۲۴ رمئی ۱۹۴۴ء

''مہم اصلاحات کے بعد ''زبان بندی'' کا دور ''بہادر خاں کی زندگی کا دوسرا ہنگامہ پرور دور ثابت ہوا............... ان کے پائے استقلال کو کبھی لغزش نہیں ہوئی، ہر مناسب وقت اور موقع سے انہوں نے فائدہ اٹھایا اور اس تحریک کو پوری قوت کے ساتھ آگے بڑھایا۔''

(حوالہ: ۹۵، ۹۶ ہمارا قائد، محترم مولوی محمد احمد خاں صاحب)

جوں ہی لسان الامت کی زبان بند ہونے کی اطلاع عام ہوئی۔ سارے شہر اور اضلاع میں مکمل ہڑتال کی گئی۔ لوگوں میں جوش و اضطراب پھیل گیا اور نہ جانے یہ اضطراب کیا صورت اختیار کرتا۔ اگر مجلس اتحاد المسلمین کی عاملہ نے بروقت رہنمائی نہ کی ہوتی۔ مجلس عاملہ نے زبان بندی کے احکام پر اظہار تعجب کرتے ہوئے عامۃ المسلمین کو پرسکون رہنے کی ہدایت کی۔

(حوالہ: ص ۹۸ ہمارا قائد از: محترم مولوی محمد احمد خاں صاحب)

زبان بندی کے بعد جلسوں کی خاموش صدارت بھی فرمائی اور زبان بندی کے زمانے میں قائداعظم کی خواہش پر نظام نے نواب صاحب کو حیدرآباد سے باہر سرحد کے انتخابات کے تعلق سے تقاریر کرنے کی اجازت دی تھی (ان ہی تقاریر کا نتیجہ تھا کہ مسلم لیگ کو بھاری اکثریت سے کامیابی نصیب ہوئی)۔

اپنی زبان بندی پر نواب صاحب نے اعلان فرمادیا کہ ''یہ خاموشی بھی اس وقت تک ہے جب تک کہ ملت کا مفاد اس سے متاثر نہ ہو رہا ہو۔''

نواب صاحب کی زبان بندی کے خلاف عوامی جذبات واحساسات کی ترجمانی دکن کے جوان فکر شاعر نظؔر حیدرآبادی کے'' قائد ملت کے نام'' منظوم احساسات سے ہوتا ہے۔ یہ صرف نظؔر حیدرآبادی کے جذبات نہ تھے بلکہ سارے دکن کے نوجوانوں میں۔ تیری خاطر زندگی سے بھی گذر جائیں گے ہم کے آئینہ دار تھے۔

نواب صاحب نے اور مجلسی رفقاء نے اقتضائے وقت کی نزاکت کے پیش نظر عوامی احساسات پر پوری طرح قابو پالیا ورنہ قائد ملت کے چاہنے والے گو بجلیوں کو رقص فرمانے اور آشیاں پر مسکرا کر آگ برسانے کی دعوت دے رہے تھے۔

قائد ملت کے نام

کیا کہا ! تو اور پابندی ' خدارا رحم کر
دیکھ سینوں میں دھڑکتے دل مچلتے اشک تر

رحم فرما رحم اب تاب و تواں باقی نہیں
بیخودی طاری ہے فکر دو جہاں باقی نہیں

تیرے صدقے تو نے ہم کو جانے کیا کیا کردیا
خاک کے دروں کو ہمدوش ثریا کردیا

ساغر عیش و مسرت پی سکیں تیرے بغیر
کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اور جی سکیں تیرے بغیر
تیرے خوابوں کو بروئے کار یوں لائیں گے ہم
تیری خاطر زندگی سے بھی گزر جائیں گے ہم

اب قدم راہ طلب میں ڈگمگا سکتا نہیں
کوئی طوفاں دل کی شمعوں کو بجھا سکتا نہیں
جا سنا دے بجلیوں کو رقص فرمایا کریں
آشیاں پر مسکرا کر آگ برسایا کریں

جا بڑھا دے اور بھی کچھ بادو باراں کا جلال
اب تو وجہ زندگی ہے جان دینے کا خیال
سن ذرا اے رازدار صبح و شام زندگی
دیکھ اپنی قوم کے چہروں کی اب تابندگی

قلب عالمگیرؒ کی دھڑکن نہاں رکھتے ہیں ہم
سطوت ٹیپو کی تیغ خوں فشاں رکھتے ہیں ہم
آج بھی دل میں مچلتا ہے وہ جوش انقلاب
جس نے پیری سے بدل ڈالا تھا قوموں کا شباب

دے ہمارے ہاتھ میں ذوق جنوں کا ساز دے
اے امیر کارواں آواز دے آواز دے

پورے ایک سال کی زبان بندی کے بعد۔
خاموشی ٹوٹ گئی، نطق کے عنوان جاگے

وزارت کا لالچ

۱۹۴۳ء

''ملک دکن آزاد ہے'' کا نعرہ جو جذبوں میں بدل گیا تھا۔ وہ عوامی احساس کی امانت تھا۔ وہ احساس جو قائد ملت کے دلوں میں پیدا کیا تھا' مگر نظام' انگریزوں کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے' ایک وزیر کا تقرر بھی ان کے اختیار میں نہ تھا۔

اس خصوص میں قائد ملت نے مجلس کی تاریخی یادداشت کی وضاحت کرتے ہوئے حکومت کو جن امور کی جانب متوجہ فرمایا اس میں ایک مسئلہ یہ بھی تھا ''ہم اعلیٰ حضرت بندگان عالی سے بکمال ادب درخواست کرتے ہیں کہ وہ وزارت کی اس مشنری کو تبدیل فرمائیں جس کی نگاہیں کنگ کوٹھی مبارک سے زیادہ بلارم کی طرف لگتی رہتی ہے۔ جب میں وزارت کی تبدیلی کا بار بار مطالبہ کرتا ہوں تو یہ گمان ہوسکتا ہے اور میں نے سنا کہ پیدا ہو رہا ہے کہ میں یا میرے رفقاء وزارت چاہتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ کوئی سیاسی جماعت حکومت کو صحیح راستہ پر نہیں چلاسکتی جب تک وہ حکومت میں دخل نہ پائے۔ لیکن حیدرآباد میں یہ سوال اس لئے پیدا ہی نہیں ہوسکتا کہ ہم وزراء کے تقرر و تعطل و علحدگی کا کامل اختیار اپنے بادشاہ عالی وقار کے دستِ مبارک میں دیکھنا چاہتے ہیں اور کسی کو اس کا مجاز نہیں سمجھتے کہ وزراء کے انتخاب میں اس کو مشورہ دے۔''

(حوالہ: بہادر یار جنگ کی سیاسی تقاریر مرتبہ نذیر الدین احمد ناشر بہادر یار جنگ اکیڈیمی' حیدرآباد انڈیا' ص: ۲۶۰' ۲۶۱)

قائد ملت ۱۹۴۴ء تک ۳ مرتبہ وزارت کا پیشکش کیا گیا' خود نواب صاحب نے اپنے ایک خط میں اس کا ذکر فرمایا ہے کہ ''جمادی الثانی کے نصف آخر میں مجھے ڈرایا بھی گیا اور تیسری مرتبہ وزارت کا لالچ بھی دیا گیا۔'' (حوالہ: خط موسومہ بشیر احمد علی مورخہ ۱۴؍ جولائی ۴۳ء خط نمبر ۴۴۲' ص: ۴۵۱۔ مکاتیب بہادر یار جنگ۔ بہادر یار جنگ اکیڈیمی' کراچی)

اس خصوص میں اس وقت کے صدر اعظم کی یادداشت بھی قابل مطالعہ ہے ۔ بہادر یار جنگ مجھ سے ملے' پھر کہنے لگے کہ اب تیسری بار مجھے پھر وزارت کا OFFER کیا گیا ہے۔ کیا آپ سے اور سرکار سے ایسا ذکر آیا تھا۔ میں نے کہا کہ آپ کا نام لے کر میں نے ذکر نہیں کیا لیکن یہ اکثر عرض کیا ہے کہ حیدرآباد کی گورنمنٹ اگر.................RESPONSIBLE نہ ہوتی .... RESPONSIVE تو ہوا اور پبلک کے نمائندوں کو موقعہ ملنا چاہئیے کہ وہ حکومت میں حصہ لے سکیں ۔ بہادر یار جنگ مرحوم نے مجھے نام نہیں بتایا کہ انہیں وزارت کی دعوت کس نے دی مگر جیسا کہ میں نے اس زمانہ میں سنا تھا' غلام محمد صاحب مرحوم نے ان سے ایسی بات چیت کی ۔ اس لئے کہ نظام تو ایسا نہیں کر سکتے تھے کہ بغیر میرے مشورے کے کسی کو وزارت کی دعوت دیں' چوں کہ حکومت ہند سے بھی دریافت کرنا ہوتا ہے۔ اس واسطے صدر اعظم کا اتفاق ضروری تھا........... (حوالہ: یاد ایام' ص: ۱۴۴' ۱۴۵ نواب صاحب چھتاری۔ ۷ر جولائی ۴۳)

۱۵ر جولائی کو صرف آٹھ دن کے بعد نواب صاحب چھتاری خود فریبی .... سے بیدار ہوئے ۔ '' میں متحیر رہ گیا جب آج نیم سرکاری سے مجھے معلوم ہوا کہ نظام نے خود بہادر یار جنگ سے وزارت کے متعلق کہا۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا'' ۔

(حوالہ: یاد ایام ۱۵ر جولائی ۴۳ء ص: ۱۴۷)

'' غلام محمد صاحب وزیر فینانس نے اپنے طور پر بھی کوشش کی کہ نواب صاحب وزارت کی پیشکش کو قبول فرمالیں ۔ ان کا اصرار اس بنیاد پر تھا کہ ساری کابینہ اور نظام کے لئے وزارت میں ان کی شمولیت' موجب پریشانی ہو جائے گی ۔ اور انگریز آقاؤں کی نیندیں حرام ہو جائیں گی' لیکن نظام کی جال کا پس منظر ان کے مدنظر نہیں تھا۔ دراصل قائد ملت کو ان کے مشن سے ہٹانے کے لئے بہت سی ترغیبات دی گئیں ۔ ان میں وزارت کی پیشکش بھی تھی ۔ غلام محمد وزیر فینانس نے قائد ملت پر زور ڈالا کہ وہ اس پیشکش کو قبول کر لیں ۔

قائد ملت نے فرمایا کہ اگر وہ کابینہ میں شامل بھی ہو جائیں تو کتنے دن تک اس کو نبھا سکیں گے ۔

غلام محمد نے کہا کہ نواب صاحب آپ کا کابینہ میں داخل ہونا اتنا اہم نہیں جتنا وہاں سے

واپس جانا۔'' (حوالہ: مکتوب شگا گو از: محمد مولوی عبدالرحمٰن سعید (سعید صدیقی)

خطاب و جاگیر واپس کر کے وہ اپنا ذہنی بوجھ اتار چکے تھے مگر نظام آف حیدرآباد کی مجرمانہ طرز فکر کے باعث' یہ فکر دامن گیر ہوگئی کہ جاگیر و خطاب کی زنجیروں سے رہا ہو کر یہ میرے لئے اور بھی خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس لئے وزارت کی بیڑی' انہیں پابہ زنجیر رکھے گی۔

لیکن اس مرد حر نے صاف صاف کہہ دیا:

''میں کرسی وزارت پر بیٹھ کر مہمات سلطنت پر غور کرنے کے لئے نہیں بلکہ گرد کوچہ و بازار بن کر قلوب کی دنیا میں طوفان برپا کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ میرا مقام صرف دامن کوہ اور وسعت صحرا ہے میں وہ مزدور ہوں جو راستہ تیار کرتا ہے کہ ملت کی گاڑی آسانی سے منزل مقصود تک پہنچ جائے اور میرے لئے یہی فخر کافی ہے کہ میں وابستہ دامن محمدیہ سے ہوں۔''

(حوالہ: بہادر یار جنگ کی سیاسی تقریریں' مرتبہ: نذیر الدین احمد ناشر بہادر یار جنگ اکیڈیمی حیدرآباد)

◆◆◆

بہادر یار جنگ کی زندگی

موت کے دروازے پر

''۲۵ جون ۴۴ء کو اتوار کا دن تھا۔ اسی دن حسب معمول عصر اور مغرب کے درمیان ان کی کوٹھی پر درس اقبال کی محفل آراستہ ہوئی، معلمین اور متعلمین جمع تھے اور وہ خود عروس محفل بنے ہوئے تھے۔ مثنوی ''پس چہ باید کرو اے اقوام مشرق'' زیر مطالعہ تھی۔ حکمت کلیمی نظم کا درس شروع ہوا۔ پروفیسر رشید نے ترجمہ کیا، معانی و مطالب بیان کئے، دیگر اساتذہ نے بھی تشریح و توضیح کی، خود بہادر یار جنگ نے اپنے درہائے بے بہا لٹائے، ایک شعر کے بعد دوسرا شعر پڑھا جاتا رہا، یہاں تک کہ پروفیسر رشید نے یہ شعر پڑھا:

مرد حق افسوں ایں دیر کہن
از دو حرف ربی الاعلیٰ شکن

پھر اس کے معنی و مطالب کو بیان کیا اور آگے پڑھنا چاہتے تھے کہ بہادر یار جنگ نے انہیں روک دیا۔ کہنے لگے ''رشید صاحب۔ بس یہاں ٹھہر جایئے یہ مقام یوں ہی گزر جانے کا نہیں ہے'' اور محفل برخواست ہوگئی۔ انہوں نے نماز مغرب بہ جماعت ادا کی اور معاً بعد اپنے ایک دوست ہاشم علی خاں رکن ہائیکورٹ کے گھر دعوت میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے۔

''رات میں پونے نو بجے باہر سے انہوں نے پان منگوائے۔ مجھے یہ نہ معلوم تھا کہ میں ان کے لئے آخری پان تیار کر رہی ہوں، مجھے ہمیشہ اس پر ناز تھا وہ میرے سوا کسی کے لگائے ہوئے پان نہیں کھاتے۔''

انہوں نے پانچ بجے ہی یہ کہلا بھیجا تھا کہ آج دعوت میں جا رہے ہیں اور میرے ساتھ کھانا نہ کھائیں گے، پھر بھی میں انتظار میں تھی کہ جاتے ہوئے اندر آئیں گے لیکن تھوڑی دیر بعد

موٹر کی آواز آئی اور میں نے اوپر سے دیکھا کہ میرے سرتاج جاچکے تھے۔"

(حوالہ: سہاگ لٹنے کی کہانی بیگم بہادر یار جنگ کی زبانی۔ مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر وطن کی نظر میں، ص:۱۲۰۔ مرتبہ نذیر الدین احمد، ناشر بہادر یار جنگ اکیڈیمی۔ حیدر آباد)

نواب صاحب اپنے میزبان کے بنگلے پر پہنچے، ڈاکٹر رضی الدین صدیقی بھی موجود تھے، ان ہی کے برابر والی کرسی پر تشریف فرما ہوئے۔

اب پھر موضوع سخن اقبال ہی تھے، اسی دوران حقہ پیش کیا گیا صرف ایک کش لیا۔ ایک ہی جھٹکے میں نوائے سوختہ درگلو اپنے رب اعلیٰ سے جا ملے۔

"ڈاکٹر رضی الدین صدیقی اور سکندر علی وجد سے اقبال کے اس شعر

ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات ذوق سفر کے سوا کچھ اور ہیں

کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کر رہے تھے کہ حقہ کے پہلے ہی کش کے ساتھ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

مگر شاہین بلند پرواز کا ذوق سفر اسے ہر ایک مقام سے آگے لیکر چلا گیا۔

(حوالہ: اقبال اور حیدر آباد، ص: ۲۲۷۔ از: نظر حیدر آبادی۔ کراچی)

یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب کہ میں خواجہ اسد اللہ خاں کے ساتھ ان کی کوٹھی واقع بنجارہ ہل میں رہا کرتا تھا۔ ایک شام کھانے کے بعد خواجہ اسد اللہ خاں، ان کے چھوٹے بھائی خواجہ حشمت اللہ خاں اور میں مکان کے ورانڈے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ سامنے ہی حیدر آباد ہائی کورٹ کے جج ہاشم علی خاں کی کوٹھی تھی۔ کوٹھی کے آس پاس اور صحن میں موٹریں کھڑی تھیں، کوٹھی میں رونق اور چہل پہل تھی۔ کسی دعوت کا اہتمام تھا۔ تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ ہم نے دیکھا کہ چہل پہل اور رونق انتشار میں بدل گئی۔ موٹریں تیزی کے ساتھ آنے جانے لگیں۔ لوگ بھی پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر بھاگتے نظر آئے، یہ حالت دیکھ کر ہمیں تشویش ہوئی اور ہم صورتحال معلوم کرنے کے لئے جا پہونچے، انتشار کا یہ عالم تھا کہ کسی کو جواب دینے کا ہوش نہ تھا۔ ہر طرف بدحواسی تھی۔ ایک مہمان نے بمشکل نواب بہادر یار جنگ کا نام لیا اور اس کے آگے اس کی زبان

سے کچھ نہ نکل سکا۔ اتنے میں ایک ڈاکٹر آیا۔ ہم بھی کوٹھی کے اندر پہنچ گئے، ڈاکٹر نے نواب صاحب کا معائینہ کیا او کرتا ہی رہا، لوگ ڈاکٹر سے یہ سننے کے لئے بے تاب تھے کہ "کوئی خطرہ نہیں" پھر ایک اور ڈاکٹر آیا وہ بھی معائنے میں مصروف ہوگیا۔ دونوں ڈاکٹروں نے ایک دوسرے کو دیکھا، کچھ اشارے ہوئے، پھر دونوں کی گردنیں جھک گئیں، چہروں پر انتہائی ملال کے آثار نمایاں ہوگئے۔

چھ فٹ کا قد آور، موٹا تازہ صحت مند ملت کا سپاہی، نجی محفلوں کا چہکتا ہوا بلبل ہزار داستاں، سیاسی پلیٹ فارم کا گرجتا ہوا شیر اور میلاد کی محفلوں کا مردِ مومن یک لخت داغ مفارقت دے چکا تھا۔

کھانے سے پہلے دوستوں سے گفتگو کر رہے تھے، سامنے حقہ آیا۔ انہوں نے کش لیا کہ نے ہاتھ سے چھوٹ گئی، حلق بند ہوا، منکا ڈھلا گر پڑے اور روح پرواز کر گئی۔ ان کی بیگم اطلاع پا کر فوراً بحالت زار پہونچیں اور سب سے پہلا فقرہ جوان کی زبان سے نکلا یہ تھا کہ "وہ حقہ مجھے بھی پلا دو"

(حوالہ: بلبل ہزار داستاں، از: سید بادشاہ حسین، ص: ۹۵، ۹۶۔ مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں)

میرے لئے کھانا چنا گیا لیکن نہیں معلوم کیا بات تھی مجھ سے کھایا نہ جارہا تھا۔ عجیب بے چینی محسوس ہو رہی تھی، نوکروں نے مجھے بے حد مجبور کیا لیکن میری حالت غیر ہوتی جارہی تھی، میں نے جوں توں ختم کیا اور پان کھانے کے لئے تخت پر آ کر بیٹھی۔ ابھی میں نے پاندان کو ہاتھ لگایا تھا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا میرے حلق میں پھندا پڑ گیا ہے کہ اتنے میں اطلاع آئی کہ دعوت میں میرے سرتاج بے ہوش ہوگئے۔

نہ جانے کیوں میری زبان سے نکلا "جب گولی لگی تب بے ہوش نہیں ہوئے میرے ہاں سیدھے چلے آئے اور آج کیا ہوا۔"

میرا دل مسوس رہا تھا، کلیجہ منہ کو آرہا تھا۔ یہ اطلاع ملتے ہی میری دو بھاوجیں آ گئیں اور میں نے ان سے کہا کہ ہاشم علی خاں صاحب کے مکان جارہی ہوں۔ مجھے چین نہیں آرہا ہے۔ میری بے چینی بڑھتی جارہی تھی، ان دونوں نے مجھ سے کہا کہ وہ میرے ساتھ چلیں گی، میں نے

سمجھا کہ ڈرائیور نہ ہوگا اور مجھے جانے میں بڑے دقت ہوگی۔ لیکن معلوم ہوا کہ ڈرائیور سے سرکار نے کہا تھا کہ "ممکن ہے مجھے واپسی میں دیر ہو جائے، تمہیں دیر ہوگی میں خود موٹر چلا لوں گا۔"

میری دونوں بھاوجیں اور میں ہاشم علی خاں صاحب کے گھر پہونچے، میں دوڑی ہوئی اپنے سرتاج کے پاس پہونچی۔ جن جوتیوں کے نہ پہنانے سے مجھے آج یہ دن دیکھنا نصیب ہوا، انہیں میں نے اپنے سینے سے لگا لیا۔ میں نے سرتاج کے سینے اور پیشانی کو محسوس کیا۔ ان میں اب بھی گرمی تھی، روح قفس عنصری سے کچھ عرصہ قبل پرواز کر چکی تھی۔ میرا سرتاج میرا سہاگ اپنے ساتھ لیتا چلا گیا۔ خدا انہیں جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔

(حوالہ: سہاگ لٹنے کی کہانی بیگم بہادر یار جنگ کی زبانی، ص:۱۳)

ایک رات نواب صاحب چھتاری (جو اس وقت حیدر آباد کے وزیر اعظم تھے) کے گھر دعوت میں مدعو تھا کہ وہاں نواب صاحب کے اچانک انتقال کی خبر ملی۔ ہم میں سے کسی کو اس خبر پر یقین نہ آیا۔ اس خبر کی تصدیق کروائی گئی اور جب تصدیق ہوگئی تو سب دعوت چھوڑ کر نکل پڑے، میں اور ملک غلام محمد (وزیر خزانہ حیدر آباد) وہاں سے جائے وقوع پر پہونچے، وہاں کافی لوگ جمع ہوگئے تھے، بعض لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے، میزبان پر سکتہ طاری تھا اور ان کی حالت بڑی ہی قابل رحم تھی۔ بعض زبانوں پر سازش کے امکانات کا ذکر تھا، میں اور غلام محمد کوئی ایک گھنٹے تک وہاں کھڑے رہے۔ مگر ہماری زبانوں سے ایک لفظ نہیں نکل سکا، اس اچانک حادثے نے گویائی سلب کر لی تھی۔

(حوالہ: مخلص انسان، از: میر لایق علی، ص:۲۶۳۔ مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں۔ کراچی)

مگر وہ جس تیزی سے افق سیاست پر طلوع ہوا اسی تیزی کے ساتھ غروب ہو گیا، اس نے اس دنیا کی صرف بہاریں دیکھی تھیں اس کو ابھی اور جینا تھا۔

وہ آسمان سیاست پر جس حیرت انگیز طریقے سے بلند ہوا بالکل اسی پر اسرار انداز میں دنیا سے چلا گیا۔ حیدر آباد کے ایک نواب کے حقہ (تمباکو میں زہر ملا دیا گیا تھا) کے ایک ہی کش کے ذریعہ اس کی ساری صحت مند زندگی قید جسم سے آزاد ہوگئی۔

سارا حیدر آباد غم و غصہ سے گھروں سے باہر نکل آیا، ہر سڑک پر میلوں تک انسان ہی

انسان کھڑے یہ پوچھ رہے تھے کہ:

''کیا بہادر یار جنگ جیسا قوی ہیکل انسان حقہ کے ایک کش سے مرسکتا ہے؟ جواب نظام کے قصر ''کنگ کوٹھی'' کی اونچی دیواروں میں چھپا ہوا تھا۔'' (حوالہ: بہادر یار جنگ، از: ابراہیم جلیس: ص: ۱۵،۱۶۔ مشمولہ بہادر یار جنگ اہل دانش کی نظر میں۔ مرتبہ: نذیر الدین احمد، ناشر بہادر یار جنگ اکیڈمی۔ حیدرآباد دکن)

ڈاکٹروں نے جب روح کے قفس عنصری سے پرواز کر جانے کی اطلاع دی تو سفید چادر سے قائد کی نعش کو ڈھانک دیا گیا اس وقت تک بیگم قائد ملت آ چکی تھیں، یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی کہ:

ہو گیا تاریکیوں میں گم دکن کا آفتاب

بنجارہ ہل سے کوئی پون بجے نعش بیت الامت لائی گئی، سامنے کی لاری میں ضخیم ملت گہری وابدی نیند سو رہا تھا، بیگم قائد ملت اور خاندان کے لوگ ماتم کناں تھے، پیچھے موٹروں کا ایک مختصر قافلہ بیت الامت کی طرف رواں دواں تھا۔

لاش بیت الامت آنے سے قبل ہی بیگم بازار اور اس سے ملحقہ سارے راستوں پر سوگواروں کی آہ وبکا کی دلخراش صدائیں، اپنے قائد کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کر رہی تھیں۔

نواب نصیب یاور جنگ کی دیوڑھی کی پھاٹک ہی نہیں بلکہ دکن کے ہر گھر کا در صبح تک کھلا رہا، صبح تک ہر سمت سے آنے والا راستہ بیگم بازار پر ختم ہو رہا تھا۔

مردانی دیوڑھی کی بیٹھک میں پلنگ پر وہ سو رہا تھا جس نے دو سو سال سے سوئے ہوئے انسانوں کو جگایا تھا۔ جسم پر چادر تھی، چہرہ کھلا تھا، فضاء سوگوار تھی۔ میر کارواں کا آخری دیدار کرنے کے لئے کون تھا جو وہاں نہ تھا۔ امیر، غریب، ہندو مسلمان، سکھ پارسی، امراء عظام، علماء اکرام، طالب علم، پروفیسر، بادشاہ وقت ان کے وزراء سب ہی حاضر تھے۔ آج سارا دکن آفتاب دکن کے آخری دیدار اور جلوس جنازہ میں شرکت کے لئے بیت الامت میں جمع تھا، کسی کو اپنا ہوش نہ تھا، رونے کی آوازیں عرش تک جا رہی تھیں، آنسوؤں اور آہوں کے سوا ماتم گساروں کے پاس کچھ نہ تھا، آج وہ زبان خاموش تھی! ''مدحت رسولؐ میں گل افشانی کرنے والی زبان، مسلمانوں کے درد پر بے تابانہ شکوہ کرنے والی زبان، سیاست وتمدن کے عقدہ ہائے مشکل کو حل کرنے والی زبان،

ادب وشعور کی روشنیاں بکھیرنے والی زبان، تاریخ اسلام کی داستاں سرا زبان اور دل کی گہرائیوں سے بولنے والی زبان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چپ ہوگئی۔ پھر گویا نہ ہوئی۔"

(حوالہ: مکاتیب سے پہلے۔ از: صمدانی نقوی، ص: ۵۷۔ مشمولہ مکاتیب بہادر یار جنگ، کراچی)

جلوس جنازہ

ساڑھے چار بجے بیت الامت سے جب پلنگ پر قائدملت کا جنازہ نکلا تو ایک کہرام مچ گیا، دیوڑھی سے جنازہ معظم جاہی مارکٹ سے دارالسلام پہنچا، راستے میں مکانوں اور بنگلوں کی چھتوں سے عورتیں اپنے محبوب قائد کا آخری دیدار کرنے کے لئے جمع تھیں۔

آج قائدملت زندہ باد کے نعرے بلند نہیں ہو رہے تھے، ساری فضاء حمد باری تعالیٰ میں، سبحان الله و الحمد لله و لا اله الا الله ، الله اکبر کی صداؤں سے فضاؤں میں ارتعاش پیدا ہو رہا تھا، ہر شخص کاندھا دینے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ دارالسلام میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور یہاں بھی آخری دیدار کروایا گیا، نماز جنازہ مولانا عبدالقدیر بدایونی نے پڑھائی، تقریباً چھ بجے دارالسلام سے جلوس جنازہ معظم جاہی مارکٹ سے سلطان بازار سے ہوتا ہوا مشیر آباد تک کا سفر ڈھائی گھنٹے میں طئے کیا۔

میت ۹ بجکر ۱۵ منٹ پر قبر پر لائی گئی۔ جلوس جنازہ میں دو لاکھ آدمیوں کا اژدھام تھا۔ میت کو کاندھا دینے کی کوشش میں میت کا پلنگ متعدد بار ٹوٹا۔ ہر بوڑھے آدمی نے یہی کہا کہ اس نے اپنی زندگی میں کسی جنازے میں نہ اتنے آدمی دیکھے اور نہ ہی اپنے بڑوں سے سنا۔

تدفین

رات ساڑھے دس بجے حضرت شاہ قاسم مجتہد گروہ مہدویہ رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مقدس کے جانب غرب مدفون ہوئے، ان کی مرقد[1] میں اترنے والوں میں جنہوں نے اس مرد مجاہد کو

---

[1] مرقد کے معنی قبر کے نہیں ہیں جیسا کہ اردو شعراء اس کو استعمال کرتے ہیں بلکہ بستر خواب کے ہیں، کیوں کہ رقاد کے حقیقی معنی نیند کے ہیں، قرآن کریم میں اصحاب کہف کے قصہ میں یہ لفظ آیا ہے۔

وتحسبهم ایقا ظاوهم رقود۔ اور تو ان کو بیدار خیال کرے گا

۱۸/۱۸ حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں۔

اس کے آخری اور دائمی بستر استراحت پر لیٹنے میں اس کی خدمت کی مولوی کرم علی خاں صاحب مرحوم (ایل۔ایل۔بی) اور نواب صاحب کے عزیز جناب سرور خاں صاحب (سابق میونسپل کونسلر مرحوم) کے نام شامل ہیں۔انا للہ و انا الیہ راجعون۔

قائد ملت کا مادی جسم حظیرہ مشیر آباد کے مرمریں روضہ میں مستور ہے۔

"میں اپنے دل حزیں کو کچھ سکون پہنچانے کے لئے شہر خموشاں کی طرف جہاں وہ ابدی نیند سو رہے ہیں چل کھڑا ہوا۔سامنے کیا دیکھتا ہوں کہ ایک صاف ستھرا سادگی میں یکتا گنبد آرائشی پچی کاری سے بے نیاز۔پرجلال وشوکت ہیبت میں سامنے موجود ہے،قریب پہنچکر میں نے محسوس کیا کہ ہر چہار سو روحانیت ہی روحانیت بکھری ہوئی ہے آنکھوں کے پردوں پر مجاہد اعظم سلطان شہید حضرت ٹیپو سلطان کے مزار کا منظر ابھر آیا۔جنوبی ہند کے دورہ کے موقع پر سرنگا پٹم فاتحہ خوانی کے لئے گیا تھا وہاں بھی یہی روحانی کیفیت طاری وساری تھی، کیونکہ سلطان شہید نے بھی اپنی جان عزیز اسلام کی سربلندی اور حق کا بول بالا کرنے کے لئے دی تھی۔محمد بہادر خاں شیر دل مجاہد جن کے ادنیٰ اشارے پر ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مسلمان سربکف ہو جاتے،منوں مٹی تلے آرام فرما رہے تھے۔

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

(مولانا عبدالماجد دریابادی)

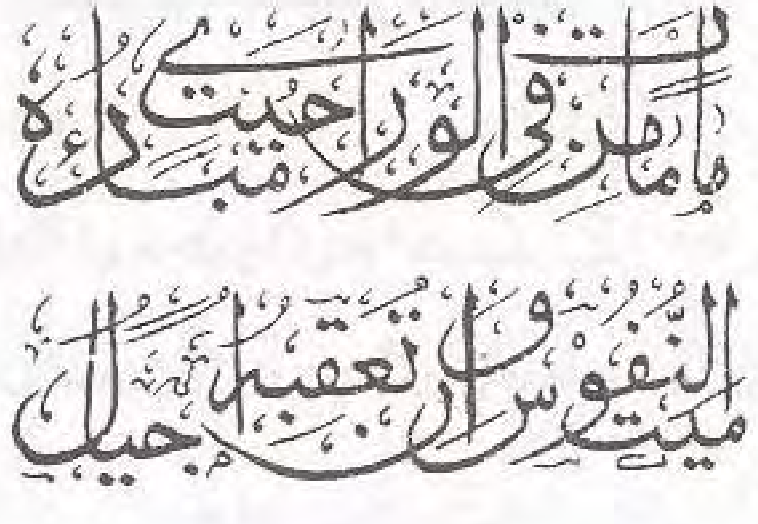

(محمد عبدالمنعم ضیف اللہ مصری)

ترجمہ :وہ شخص کبھی نہیں مرتا جس کے اصول مردہ دلوں کو زندگی اور توانائی بخش دیتے ہیں اور جو آنے والی نسلوں کے لئے بھی پیغام حیات ہو۔

◆◆◆

عالم برزخ

رسالت مآب حضور میں رسول اکرم صلعم کے غلام محمد بہادر خاں شہید کا جنازہ

قبر دنیاوی زندگی کے بعد آخرت کی پہلی منزل ہے۔ گویا قبر عالم برزخ میں داخل ہونے کا دروازہ ہے۔ یہاں بندہ اپنے اعمال و عقائد کے بموجب راحت یا تکلیف میں مبتلا رہتا ہے۔

برزخ کا مفہوم :-

لغت کے اعتبار سے برزخ کا مفہوم دو چیزوں کے درمیان جو چیز واقع ہو اور ان کو باہم ملنے سے روک دے یا ان کو الگ الگ کر دے وہ عربی زبان میں برزخ کہلاتی ہے۔ خواہ وہ پردہ یا اوٹ ہو' یا زمانہ یا کوئی اور شئے ۔ بينهما برزخ لايبغيان اور برزبينهما برزخاً وحجرامحجورا میں برزخ سے مراد وہ روک ہے جو دو سمندروں کو ملنے سے باز رکھتی ہے ایک دوسری حدیث میں وساوس کو برازخ الایمان کہا گیا ہے یعنی شک اور یقین کے درمیانی حالت مفسرین ائمہ لغت نے برزخ کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ البرزخ الحاجزو المعلة متقاريات المعنى :- (ابن جرير) البرزخ مابين كل شيئن من حاجز (نهاية ابن اثير) البرزخ الحاجز الحدبين الشيئن (راغب)

اصطلاحی معنی :-

اس لفظ کو قرآن مجید نے اصطلاحاً اس مدت یا اس حالت کے لئے استعمال کیا ہے جو انسان کی موت سے لے کر قیامت کے دن تک ہے جس آیت میں یہ لفظ وارد ہے وہ خود اس کے اصطلاحی معنی کو واضح کرتی ہے۔

حتی اذا جاء احدهم الموت قال رب ارجعونی لعلی اعمل صالحا فیما ترکت کلا انها کلمة هوقائلها ومن وراء هم برزخ الی یوم یبعثون۔

(۲۳/۶)

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آتی ہے وہ کہتا ہے کہ پروردگار مجھے واپس کردیجئے۔ امید کہ میں اس زندگی میں جس کو چھوڑ آیا ہوں نیک عمل کروں گا ہرگز نہیں یہ تو ایک بات ہے جو وہ کہتا ہے اور ان کے آگے ایک برزخ ہے اس دن تک جبکہ وہ اٹھائے جائیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت سے روز قیامت تک جو کچھ ہے اس کا نام برزخ ہے۔

(حوالہ برزخ' از: مولانا ابواعلی مودودی' ص: ۳۰' ۳۱)

برزخ کا لفظ قرآن میں روک یا آڑ کے معنی میں مستعمل ہے۔

وجعل بینهما برزخاو حجرا معجورا۔ (۲۵/۵۳)

اور اللہ نے ان دونوں شور و شیریں سمندر میں آڑ رکھ دی اور رکاوٹ کی اوٹ۔

دوسری جگہ بجائے برزخ کے حاجز کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

وجعل بین البحرین حاجزاً۔ (۲۷/۶۱)

اور اللہ نے دونوں سمندروں میں آڑ رکھ دی ہے۔

تاکہ وہ دونوں اپنے اپنے حدود سے آگے نہ بڑھیں'

بینهما برزخ لایبغیان۔ (۵۵/۲۰)

دونوں (سمندروں) کے درمیان' آڑ ہے جس سے وہ آگے نہیں بڑھتے۔

یعنی معنی برزخ کے اس آیت میں ہیں

ومن وراء هم برزخ الی یوم یبعثون۔ (۲۳/۱۰۰)

اور ان (مرنے والوں) کے آگے آڑ ہے اس دن تک کہ جس دن وہ اٹھائے جائیں گے۔

یعنی برزخ کی مدت مرنے والوں کی موت سے لے کر حشر تک ہے کہ اس میں وہ اپنے

رب کی حضوری سے آڑ میں رکھے جائیں گے۔اور' جب حشر ہوگا اللہ کے سامنے حاضر کردیئے جائیں گے۔

ان کانت الا صیحة واحدة فاذا هم جمیع لدینا محضرون ٥۔ (۳۶/۵۳)

بس ایک شور ہوگا اور ہمارے پاس وہ سب کے سب حاضر کردیئے......جائیں گے۔

(حوالہ: عالم برزخ' از: مولانا اسلم جیراج پوریؔ۔ص:٦'٧)

دنیا کا برزخ سے بہت قریب کا رشتہ ہے کہ ہرایک کا ایک نصف حصہ دنیا میں ہے اور ایک نصف حصہ برزخ میں۔

اہل برزخ اوراہل دنیا کے درمیان باہم واقفیت احوال کے پانچ طریقے:۔

حق تعالیٰ کی بالغ حکمت نے جب' ان دونوں جہانوں میں اس تقسیم اجزاء کی وجہ سے یہ خواہش فطرتوں میں ڈال دی ہے تو اسی کی فیاض... قدرت کا یہ بھی تقاضا تھا کہ وہ اس خواہش کی تسکین کا سامان بھی.. پیدا فرمائے' اور ایسے وسائل و ذرائع پیدا فرمادے کہ برزخ والے دنیوی مقامات واحوال سے اور دنیا والے برزخی مقامات واحوال سے خود بلا واسطہ بھی باخبر ہوتے رہیں اوران مقامات کی معرفت حاصل کرتے رہیں۔

یہ وسائل وطریق کیا ہیں؟ کتاب وسنت کی روشنی میں پانچ' طریقے سامنے آئے جن سے براہ راست برزخی مقامات واحوال کا فی الجملہ علم ہوسکتا ہے۔

پانچوں طریقوں کا اجمالی تعارف :۔

ایک عینی شاہدہ' دوسرا مخبر صادق کی خبر' تیسرے صاحب واقعہ کی اطلاع دہی' چوتھے انکشاف قلبی' پانچویں قیاس واستنباط۔

پانچوں طریقوں کے فنی اوراصطلاحی عنوانات :۔

انہی پانچ مقامات کو اگر قدرے ترتیب بدل کر اور اصطلاحی لفظوں میں لاتے ہوئے حجتوں کے انداز سے بطور فنی ترتیب کے ادا کیا جائے تو ذیلیل کے عنوانات سے ادا کرسکیں گے۔ پہلا استدلال شرعی' دوسرا کشف باطنی' تیسرا رویائے صادقہ' چوتھا عبرت واعتبار' پانچواں ایان و مشاہدہ۔

پہلا مقام علماء کا ہے دوسرا عرفاء کا ہے، تیسرا اصلاح کا ہے، چوتھا عقلا کا ہے اور پانچواں ہر کس و ناکس کا ہے۔

پھر ان مقامات کی نوعیت یہ ہے کہ پہلا مقام اختیاری اور یقینی ہے، دوسرا اکتسابی ظنی ہے، تیسرا غیر اختیار ظنی ہے۔ چوتھا اختیاری ظنی ہے اور پانچواں کلیۃً غیر اختیاری مگر یقینی ہے جو محض موہبت من اللہ ہے۔ ان پانچوں طریقوں سے لوگوں نے برزخی مقامات تک علمی اور عرفانی رسائی حاصل کی ہے۔

طریق اول۔ استدلال شرعی کی روحانی تفصیل و تقسیم :-

(۱) اولین مرتبہ استدلال شرعی کا ہے کہ اللہ و رسولؐ برزخ کے بارے میں خود خبر دیں اور امت اس سے استدلال کر کے اس پر ایمان لائے۔

استدلال کا شخصیاتی درجہ :-

(الف) استدلال شرعی کے درجہ میں ایک درجہ شخصیاتی ہے کہ کسی شخص معین کا نام لے کر اللہ و رسولؐ اسے جنت مقام یا برزخ میں عالی مقام ظاہر فرمائیں تو ظاہر ہے کہ یہ معرفت یقینی اور واجب الاعتقاد ہوگی۔ (عالم برزخ از علامہ طیب قاسمی دیوبندی، ص:۱۲، ۱۳)

زیر نظریات میں متعلقہ موضوع خواب کے عالم برزخ کی نسبت کا.. اظہار ہے اور یہ استدلال کے شرعی باب میں آتا ہے اس لئے یہاں اختصار کے مدنظر استدلال شرعی کے مزید عنت کو صرف نظر کیا جا رہا ہے۔

اس لئے اگر شخصی خوابوں کو حجۃ کلیہ نہیں کہا جائے گا جو سب کے لئے قانون بن جائے تو حجۃ کاشفہ یا حجۃ موضحہ یا حجۃ مؤیدہ ضرور کہا جا سکے گا اسی لئے سلف سے لے کر خلف تک اہل علم خوابوں سے ... اس قسم کی تائیدات اور تفاولات کا اثبات کرتے آئے ہیں، آخر سچے خواب کو چھیالیسواں حصہ نبوت کا فرمایا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ اس کا تعلق فرضیات سے نہیں واقعات سے ہے، نبوت کی ابتداء ہی سے سچے خوابوں سے ہوتی ہے کہ آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے وہی چیز واقعہ بن کر سامنے آجاتی۔ اسی طرح نبوت کے بعد نبوت کے اس چھیالیسویں حصہ کے... باقی رہنے کی بھی خبر دی گئی ہے:-

لم یبق من النبوة الا المبشرات او الرؤیا الصالحة ؟ — نبوت میں سے کچھ بھی باقی نہیں بجز مبشرات اور سچے خوابوں کے (الحدیث)

(حوالہ عالم برزخ، از: علامہ محمد طیب قاسمی دیوبندی، ص: ۴۷، ۴۸، ۴۹)

تواتر و تعدد کی صورت میں سچے خواب کو حجیت شرعیہ بھی بتایا گیا ہے :-

اگر کسی ایک شخص یا ایک واقعہ کے بارے میں کئی سچے خواب جمع ہو جائیں تو ان میں تو حجیت کی شان کچھ بڑھ ہی جانی چاہئیے اور نبوت میں تو ایسے منامات کو شرعی حجۃ تک کا درجہ دے دیا گیا ہے۔

لیلۃ القدر کو جب کہ متعدد صحابہؓ نے رمضان کے آخر عشرہ ہی میں خواب میں دیکھا تو نبی کریمؐ نے بھی اس کے عشرہ اخیرہ میں ہونے کا حکم فرمایا اور اس کی علت یہ فرمائی کہ:

انی اری رؤیا کم قد تواطئت علی انهار فی العشر الاواخر — میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے کئی خواب اس پر متفق ہو گئے ہیں کہ لیلۃ القدر عشرہ اخیرہ میں ہوتی ہے۔

جس سے واضح ہوتا ہے کہ خوابوں کی یکسانیت اور تواتر و تعدد کذب پر محمول نہیں کیا جا سکتا پس جیسے مؤمنین کا تواتر روایت' کو واجب القبول ......اور مورث ظن غالب یا بعض حالات میں مورث یقین بنا دیتا ہے اور جس طرح علماء کا تو طور رائے (کہ وہ کس چیز کے استحسان یا استہجان پر اجتماع کرلیں تو وہ اسے واجب العمل بنا دیتا ہے کہ۔

ماراه المومنون حسناً فهوعنده الله حسن ۔ — جسے مومنین اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہی ہے۔

فرد واحد کا سچا خواب بھی حجت قرار دیا گیا ہے:-

اسی طرح اگر مؤمنین کے تواتر رویت منام کو بھی واجب القبول کہا جائے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ اور اگر ایک حد تک شرعیات میں بھی بطور حجت اس کا اعتبار کرلیا گیا ہو تو اس میں کیا قباحت ہے بلکہ بعض اوقات قرن نبوت میں صرف ایک ہی سچے خواب کو شرعی حکم کی بناء قرار دیا گیا ہے۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کی مشروعیت کے بارے میں عبداللہ ابن

زید ابن عبدربہ کے خواب کو اذاں کی مشروعیت کی بناء قرار دیا اور ارشاد فرمایا کہ انھا لرویا حق قم یا بلال فاذن یہ خواب عبداللہ ابن عبدربہ کا سچا خواب ہے اس لئے اے بلال اٹھ اور اذاں دے۔

نبیؐ کی توثیق خواب کے فی نفسہ حجت ہونے کی دلیل ہے :-

یہ الگ بات ہے کہ وہ دور نبوت تھا اور آپ کی توثیق سے خواب موجب ثبوت مسئلہ بن گیا لیکن توثیق تو بہرحال خواب ہی کی کی گئی جس سے اتنا واضح ہو گیا کہ مؤمن کا سچا خواب کسی نہ کسی درجہ میں حجیت کی شان ضرور لئے ہوئے ہے ساقط الاعتبار نہیں۔

اب اگر آج بھی کوئی شخص یا چند اشخاص نعیم قبر کے بارہ میں کوئی قدر مشترک خواب میں دیکھتے ہیں تو اسے ظن غالب کے طور پر تسلیم کر کے بطور حجت کے تسلیم کیا جائے گا کہ فلاں شخص انشاءاللہ ضرور نعمتوں میں ہے اور مقبول ہے جیسا کہ اس قسم کے خوابوں کے متعدد واقعات عرض کئے گئے اور ان سے برزخی نعمتوں یا مصیبتوں کے جو وقائع خوابوں کے سامنے آئے ان کی تکذیب نہیں کی جا سکے گی۔ (حوالہ: عالم برزخ' از: مولانا محمد طیب قاسمی دیوبندی' ص:۵۱'۵۲'۵۳)

تمہید کا مفہوم و منشا اس حقیقت سے آگاہ کرنا تھا کہ عالم برزخ سے ہدایت' بشارت' مقام قرب کا انکشاف' منامی ملاقات کے واقعات' ظن غالب کے باب سے بطور حجت کے تسلیم کئے جاتے ہیں اس خصوص میں چند واقعات' جو اہل اللہ سے متعلق ہیں۔ مزید واقفیت و آگاہی کا وسیلہ ہیں۔

جویریہ بنت آسماء کو خواب میں برزخ سے ہدایت :-

سنید ابن داؤد کہتے ہیں کہ جویریہ ابن اسماء نے بیان کیا کہ شدید گرمی کے موسم میں کوفہ کے ایک نوجوان عابد کی وفات ہوئی تو میں نے ارادہ کیا کہ بعد ظہر وقت ٹھنڈا ہو جانے پر دفن کریں گے' اور میں سو گیا تو خواب میں دیکھا کہ میں قبرستان میں ہوں اور جواہرات کا ایک حسین و جمیل قبہ اور محل ہے جو چمک رہا ہے اور ٹکٹکی باندھے حیرت سے اس کے حسن اور صناعی کو دیکھ رہا ہوں کہ اچانک وہ کھلا اور اس میں سے ایک ایسی حسین و جمیل عورت نکلی کہ میں نے کبھی ایسا حسن و جمال نہیں دیکھا تھا وہ میری طرف بڑھی اور کہا کہ تمہیں خدا کی قسم کہ اس نوجوان کو ظہر تک ہم سے

جدا نہ رکھو اور ہرگز نہ روکو' تو میں گھبرایا ہوا اٹھا اور اسی وقت کفن دفن کا سامان کیا اور اسی جگہ کی قبر میں دفن کیا' جہاں وہ قبہ دار محل نظر پڑا تھا۔

امام احمد بن حنبلؒ کا خواب میں اپنے مقام قرب کا اظہار :-

احمد بن محمد لبدی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا حضرت حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ فرمایا کہ میری مغفرت فرمادی اور یہ فرمایا کہ اسے احمد بن حنبل تیرے چہرے کو ستر ستر کوڑوں کی ماردی گئی تھی؟ عرض کیا ہاں یا اللہ ماردی گئی تھی: حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے احمد یہ میرا چہرہ تیرے لئے مباح ہے جب چاہے تو دیکھ سکتا ہے۔''

بشر ابن حارثؒ نے خواب میں اپنے ساتھ حق تعالیٰ کی مغفرت وتکریم کی اطلاع دی :-

ابو جعفرؒ کہتے ہیں کہ میں نے بشر ابن حارث مشہور امام صوفیاء کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ آپ کے ساتھ حق تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا' فرمایا لطف وکرم کا برتاؤ فرمایا اور نصف جنت میرے لئے مباح کردی کہ اس میں جہاں چاہو گھوموں سیر کروں او متمع ہوں اور جو میرے جنازہ میں شریک ہوئے ان کی مغفرت کا وعدہ فرمایا۔

میں نے عرض کیا کہ ابو نصر تمار کا کیا ہوا؟ فرمایا کہ وہ اپنے صبر اور فقر کی وجہ سے لوگوں سے بہت اونچے اٹھائے گئے ہیں۔

بصرہ کی ایک عابدہ زاہدہ کا خواب :-

حماد ہشام ابن حسان سے روایت کرتے ہیں کہ ام عبداللہ نے فرمایا جو بصرہ کی عابدہ زاہدہ عورتوں میں سے تھیں کہ میں خواب میں ایک عظیم الشان حسین وجمیل محل میں داخل ہوئی۔ اس کے پائیں باغ میں پہونچی میں اس کی رونق وبہار اور حسن وجمال کو بیان نہیں کرسکتی' وسط باغ میں ایک سونے کا مرصع تخت بچھا ہوا ہے جس کے اردگرد آفتاب ومہتاب جیسے چہروں کے خدام ہاتھوں میں پاکیزہ جام اور ظروف لئے کھڑے ہیں اور تخت پر ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھے ہیں' کہا گیا کہ یہ مروانؔ محلمی ہیں جو ابھی ابھی آئے اور اچھل کر اس تخت پر متمکن ہوگئے' میں بیدار ہوئی تو دیکھا کہ مروان محلمیؒ کا جنازہ قبرستان جارہا ہے۔

عبداللہ ابن مبارکؒ پر سفیان ثوریؒ کے برزخی مقام کا خواب میں انکشاف :-

عبداللہ ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوریؒ کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور کہا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ فرمایا کہ الحمد للہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحابؓ سے مل گیا ہوں اور انہی کے پاس ہوں۔

صحر ابن راشد کی اہل برزخ سے منامی ملاقات:-

صحر ابن راشدؒ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ ابن مبارکؒ کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور کہا کہ کیا آپ انتقال نہیں فرما چکے ہیں؟ فرمایا ہاں' میں نے عرض کیا اللہ نے آپ کی ساتھ کیا معاملہ فرمایا اتنی بڑی مغفرت فرمائی جس نے سارے ذنوب پر احاطہ کرلیا' میں نے کہا سفیان ثوریؒ کا کیا ہوا' فرمایا اوہ اوہ وہ تو انبیاء وصدیقین اور شہداء وصالحین کی معیت میں ہیں۔

اہل برزخ کی جانب سے بعض امور کی بذریعہ خواب تصدیق :-

پھر یہی نہیں کہ خواب کے ذریعہ برزخی افراد کے احوال ومقامات ہی دنیا والوں کو معلوم ہوجاتے ہیں بلکہ دنیا والوں کو جو احوال واقوال برزخ والوں کو پہونچتے ہیں اس کی تصدیق بھی خوابوں کے ذریعہ ہوجاتی ہے کہ وہ احوال واقوال ان تک پہونچ چکے ہیں۔

شبیب بن شیبہ کہتے ہیں کہ میری والدہ نے مرتے وقت مجھے وصیت کی تھی کہ بیٹا جب تم مجھے دفن کرچکو تو میری قبر کے پاس کھڑے ہوکر کہنا کہ اے ام شبیب کہو لا اله الا الله چنانچہ اس وصیت کے مطابق والدہ کی قبر جب برابر ہوگئی تو میں نے قبر کے پاس کھڑے ہوکر وہی جملہ کہا کہ اے ام شبیب کہو لا اله الا الله ۔ جب میں قبرستان سے لوٹا تو رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میری والدہ ام شبیب کہہ رہی ہیں کہ بیٹا میں ہلاک ہوجانے کی قریب آ چکی تھی' اگر تیرا لا اله الا الله کہنا اس کی روک تھام نہ کرتا بلاشبہ تو نے میری وصیت یاد رکھی اور عمل کر دکھایا۔

ابن ابی الدنیا نے ذکر کیا ہے کہ ایوب ابن عیینہ کی بیوی' تماضر بنت سہل کہتی ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ابن عیینہ (اپنے دیور) کو خواب میں دیکھا کہ وہ فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میرے بھائی ایوب ابن عیینہ کو جزائے خیر دے کہ وہ بکثرت میری زیارت کو آتے رہتے ہیں اور آج بھی آئے تھے تو ایوب ابن عیینہ نے بیوی سے فرمایا کہ واقعی میں بکثرت بھائی کی قبر پہ جاتا

ہوں اور آج بھی وہیں تھا۔ (حوالہ عالم برزخ، از: مولانا طیب قاسمی دیوبندی، ص: ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹)

گشتہ گاں خنجر تسلیم کے اس باب میں ثانی صوفی سرمد، احمد حسین خاں امجد کا وہ خواب، جو ایک عاشق رسول نے دوسرے عاشق رسول ...... محمود بہادر خاں شہید کو رسالت مآب کے حضور میں دیکھا۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں آپ کی ایک جانب صدیق اکبرؓ اور دوسرے جانب حضرت عمر فاروقؓ بیٹھے ہیں۔ ایسے میں ایک جنازہ، حضور کی خدمت میں پیش ہوا صحابہ نے عرض کیا۔ حضور یہ کس کا جنازہ ہے۔

ارشاد فرمایا دو جہاں کے سردار صلعم نے یہ میرے حبیب، محمد بہادر خاں کا ہے۔ کچھ تعریف کے الفاظ نطق نبوی سے گوہر بار تھے کہ حضرت امجد کی آنکھ کھل گئی سچ ہے۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست!

عالم برزخ کے عنوان میں شہدا کے خاص مقام و مرتبہ کی قرآن نے بشارت دی ہے۔

کفی ببارقة السیوف علی راسه فتنة۔	(شہید کے) سر پر چہار طرف (میدان جنگ میں) تلواروں کی چمک کا فتنہ اور فتنہ برزخ کا بدل ہے۔ جو برزخ میں بچاؤ کے لئے کافی ہے اور ان کے لئے اس کے بعد برزخ میں کوئی ڈر اور فتنہ نہیں۔

شہدا کے مقام کا قرآن کریم نے تو اجمالاً ذکر فرمایا کہ وہ برزخ میں زندہ ہیں، رزق پاتے ہیں خوش بخوش ہیں بشارتیں اور خوشخبریاں پاتے رہتے ہیں، نہ ان پر غم ہے نہ خوف اور حدیث نبوی نے اسی مقام کی جزوی تفصیلات بھی بیان فرمائیں کہ ان کے بسیرے کی جگہ سونے اور زبرجد کے قندیل ہوں گے جو عرش میں آویزاں ہیں، وہ سبز پرندوں کے خول میں اڑتے اور جنتوں میں سیر کرتے پھریں گے اور وہاں کے باغوں اور نہروں سے سیراب ہو کر سرسبز و شاداب ہوتے رہیں گے انہیں نشاط میں لانے کے لئے حق تعالیٰ کی طرف سے سوال و جواب کا سلسلہ بھی جاری رہے گا کہ

ماتریدون ؟اور کیا چاہتے ہو؟

یا علی ماتشاؤن مجھ سے مانگو مجھے تمہاری خواہش کا پورا کرنا ہے۔

شہدا کو بدن بھی اس عالم کو دیا جائے گا جو پرندوں کی شکل میں ہوگا۔

(حوالہ عالم برزخ' از: مولانا طیب قاسمی دیوبندی' ص:۱۸'۱۹)

شہید پر وہ موت طاری نہیں ہوتی جن کو عرف عام میں موت کہا جاتا ہے تو اللہ کے فضل اور شہیدا کی اس معراجی منزل میں راہ حق کا نذرانہ' قبول ہو جانا' افصال الٰہی کی کیسی نرالی شان ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ اس حقیقت کو بے نقاب فرماتے ہیں کہ جس کو تم موت کہتے اور سمجھتے ہو' وہ حقیقت میں موت نہیں ہے۔ ہماری راہ میں جان دے کر تم ''مطلق عالم ممات'' میں نہ چلے جاؤ گے بلکہ پھر بھی زندہ ہی رہو گے اور ہمارے رزق کے مزے اس حال میں بھی تم کو نصیب ہوں گے۔

ولا تحسبن الذی قتلوا فی سبیل الله اموات بل احیاء عند ربهم یرزقون ۔ (۱۷:۳)	اور تم ان لوگوں کو جو خدا کی راہ میں مارے جاتے ہیں مرا ہوا نہ سمجھ۔ وہ تو زندہ ہیں۔ ان کے رب کے پاس انہیں رزق دیا جاتا ہے۔
ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل الله اموات بل احیاء ولکن لاتشعرون o	اور تم ان لوگوں کو مردہ نہ کہو جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں' وہ تو زندہ ہیں مگر تم جانتے نہیں ہو۔

غور سے دیکھیئے یہ نہیں کہا کہ جو لوگ فی سبیل اللہ مارے جاتے ہیں ان پر وہ موت طاری نہیں ہوتی جس کو عرف عام میں موت کہا جاتا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ ان کی موت کو حقیقی موت نہ سمجھو۔

برزخ' از: مولانا ابو اعلیٰ مودودی' ص:۳۹

شہداء یعنی مقتولین'' فی سبیل الله '' جن کی زندگی کی قرآن نے تصریح فرمادی ہے۔ وہ برزخ یعنی آڑ میں نہیں بلکہ ''عندربہم'' اپنے رب کی حضوری میں ہیں جہاں ان کو نئی زندگی مل گئی ہے اور وہ روزی پاتے ہیں۔

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیا عند ربھم یرزقون ۔ (۱۶۹:۳)	اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کو مردہ ہرگز نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کی حضوری میں روزی پاتے ہیں۔

(حوالہ: عالم برزخ ' از: اسلم جیراج پوری' ص:۷)

بالآخر مقام عشق حد کمال بندگی کی سرحدوں سے گذر کر موجب قرب تمام عین ذات ہوا۔ اور محمد بہادر خاں شہید نے الحمد اللہ (عند ربھم) اپنے رب کی حضوری میں جگہ پائی۔

یاذ الجلال والکرام

(اے عظمت وجلال اور احسان واکرام کے مالک)

◆◆◆

صف ماتم

سوگواران وطن

حیدرآباد دکن کی ادبی مذہبی سیاسی تعلیمی شخصیتوں اور ادارہ جات و اخبارات کی تعزیت

حکمراں وقت اور خانوادہ شاہی کے پیامات تعزیت

ارشاد شاہانہ

ان کی خدمات ان کو ہمیشہ ہمیشہ زندہ رکھیں گی۔ ان کا بدل نہیں مل سکتا۔ حضور اقدس نے فرمایا کہ یہ بڑا نازک زمانہ ہے اور یہ وقت ان کی خدمات کا تھا۔ جو کام انہوں نے قوم و مذہب کے لئے انجام دیئے وہ ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ رکھیں گے۔ انسان کی قدر مرنے کے بعد ہوتی ہے۔ ان کا بدل نہیں مل سکتا۔ سیکڑوں برس صبح و شام کی گردشوں کے بعد دنیا ایسا آدمی پیدا کرتی ہے جو اپنی صفات اور خدمات کی وجہ سے قوم میں ہر دلعزیز ہو جاتا ہے۔ تین برس پہلے بھی ان کی صحت خراب ہو گئی تھی۔ میں نے ان کو زیادہ محنت نہ کرنے کی نصیحت کی تھی انہیں اس وقت حلق کا مرض تھا۔

یاد تازہ رکھو :-

بندگان عالی نے ارشاد فرمایا کہ اب تم لوگوں کا...... یہ ایک ہی کام ہے کہ بہادر یار جنگ کی خدمات کی قدر کرو اور ان کی یاد تازہ رکھو۔ میت کا چہرہ دیکھ کر فرمایا کہ بیماری کے کوئی آثر نہیں پائے جاتے' اگر یہ چھ مہینے بھی بیمار پڑتے تو گھل نہیں سکتے تھے' ان کی صفات سب کو معلوم ہیں اور سب پر ظاہر ہے اور کے دہرانے کی ضرورت نہیں یہ وقت آہ وزاری کا نہیں صبر کا ہے۔ مرتے

سب ہیں لیکن ایسی موت جب وقت سے پہلے ہوتی ہے۔ بیشک جانکاہ ہوتی ہے۔ موت سب کے لئے ہوتی ہے' امیر و غریب شاہ گدا کسی کو اس سے مفر نہیں دنیا میں انسان باقی نہیں رہتا لیکن اس کے اوصاف باقی رہتے ہیں۔

ان کے کام کو پورا کرو جو چیز انہوں نے چھوڑی ہے اس کو زندہ رکھو جس کام کو انہوں نے شروع کیا تھا اس کو پورا کرو۔ انہوں نے اپنے مذہب وملت کی بڑی خدمت کی بڑا کام کر گیا۔

انقلاب کو گذر جانا چاہئے تھا :-

یہ بھی ارشاد شاہانہ ہوا کہ یہ زمانہ بڑا نازک ہے اس انقلاب کو گذر جانا چاہئیے تھا۔ مولوی ہاشم علی خاں صاحب رکن ہائیکورٹ بھی تھے جن کے مکان میں قائد ملت کی روح پرواز ہوئی ان سے بندگان عالی نے تفصیلات دریافت فرمائیں استفسار ہوا کہ نماز جنازہ کہاں ہوگی ان کی بیوی سے پھر ملوں گا یہ فرماتے ہوئے بندگان اقدس آگے بڑھے لیکن سیڑھیوں کے قریب فرمایا کہ کیا اس جگہ ان کی بیوی ہیں۔ حضور اقدس زنانے میں تشریف لے گئے ایک عجیب دردناک منظر تھا جب کہ بیوی قدوم شاہانہ سے لپٹ گیئں درد میں ڈوبی ہوئی چیخوں سے ہر قلب پاس پاش ہو رہا تھا۔ ذات شاہانہ بیوہ بیگم کو دلاسا دے کر موٹر میں سوار ہوئے پون گھنٹہ تک ذات شاہانہ میت کے پاس رہے۔

والاشان حضرت ولی عہد بہادر کی بیت الامت میں تشریف آوری:

تقریباً ایک بجے دن حضرت والا شان ہز ہائی نس پرنس آف برار بیت الامت تشریف لائے۔ تقریباً آدھ گھنٹہ والا شان' نواب رحمت یار جنگ بہادر سے مرحوم کی صفات وخوبیوں کا تذکرہ فرماتے رہے اور آخر میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے ایک عظیم قربانی کی وہ ملک و مالک کے سچے بہی خواہ اور ہمدرد تھے۔ اس نقصان کے تلافی ممکن نہیں۔

ہز ہائنس پرنس آف برار کا تعزیتی پیام

اس افسوسناک اطلاع کو سن کر بے حد ملال ہوا' از راہ مہربانی اس صدمہ عظیم میں آپ میری پرخلوص ہمدردیوں کو قبول فرمائیے۔

شہزادی صاحبہ برار کا تعزیتی برقیہ

ہز ہائنس پرنس آف برار شہزادی درشہوار نے قائد ملت کی وفات پر اوٹی سے بیگم قائد ملت کے نام برقیہ روانہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ عمیق احساست رنج کے ساتھ میں نیہ افسوس ناک خبر سنی اس سانحہ عظیم میں تمہارے ساتھ میری ہمدردیاں ہیں۔

شہزادی نیلوفر فرحت بیگم صاحبہ کا تعزیتی تار

علیا حضرت شہزادی نیلوفر فرحت بیگم صاحبہ نے بیگم قائد ملت کو اپنے برقیہ میں فرماتی ہیں کہ بہادر خاں کے انتقال کی خبر میں نے گہرے رنج کے ساتھ سنی تمہاری اس مصیبت عظمی میں میری ہمدردیاں بھی شامل ہیں۔

شہزادی نفیس النساء بیگم صاحبہ کا پیام تعزیت

عزیز بیگم بہادر خاں۔ ہمیں آپ کے سانحہ عظیم کی خبر مسوری میں ملی نہایت رنج ومحن ہوا مرحوم کی بے لوث زندگی اور جوانمردگی کا ملک ماتم کر رہا ہے اور کوئی فرد بشر اپنے احساسات کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خدا مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور آپ کو اور نیز جملہ متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

پیام علیا حضرت صاجزادی نفیس النساء بیگم صاحبہ

مرحوم کی ہستی وہ کمیاب ہستی تھی جس کا زمانہ انتظار کرتا ہے وہ ایک حق شناس، حق گو اور حق پرست انسان تھے، ان کی ان خصوصیات کا اعتراف ان سے اختلاف رائے رکھنے والے تک کرتے تھے ان کی بے وقت اور ناگہانی موت کے باعث بے حد رنج وملال ہے گو ہم ان کی جادو بیانی سے اب محروم ہو گئے ہیں، لیکن ان کا نمونہ زندگی عوام کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگا۔

صدر اعظم و وزراء دولتِ آصفیہ کا اظہار تعزیت

سر صدر اعظم بہادر دولت آصفیہ کا تعزیتی پیام

ہز ایکسنی نواب صاحب چھتاری کرنل حافظ سر احمد سعید خاں صدر اعظم بہادر دولت آصفیہ نے بیگم قائد ملت کی خدمت میں حسب ذیل تعزیتی پیام روانہ کیا ہے، آج آپ جس المناک حادثہ سے دوچار ہیں۔ بیان نہیں کرسکتا کہ میں اس سے اس وقت اپنے آپ کو کس درجہ

متاثر پا رہا ہوں' دیرینہ روابط کے بناء پر مجھے مرحوم کی خدمت میں جو نیاز حاصل تھا اس سے مجھے انہیں بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور جب ان کی روح مقام اعلیٰ پر پہونچ چکی ہے۔ میرے لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ ان کی بلند سیرت' وسیع القلبی اور ثبات عزم کے کس قدر گہرے نقوش میرے قلب پر مرتسم ہیں' ایک عرصہ تک مرحوم کی رفاقت کا حق ادا کرنے کے بعد آپ کا آج دفعتاً اس سے محروم ہو جانا ہر طبقہ میں بجا طور پر آپ کے لئے ایک صدمہ عظیم سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔

اسی طرح مرحوم کے بے شمار احباب اور ملنے والوں کی مانند میں ان کے سانحہ ارتحال کو اپنے لئے ایک ذاتی نقصان تصور کرتا ہوں لیکن اذاجاء اجلهم لا يستاخرون ساعة و لا يستقدمون۔

مرحوم ملک کے فدائی اور مالک کے سچے جاں نثار تھے جن کی بے وقت وفات نے حیدرآباد کے علمی اداروں مجلسی حلقوں اور پبلک لائف میں ایک ایسا خلا پیدا کر دیا ہے کہ اس کا آسانی سے پر ہونا مشکل ہے' اس موقع پر غالباً مجھے آپ کو یقین دلانے کی ضرورت نہیں کہ آپ کی اس مصیبت میں میری ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا آپ کو اور مرحوم کے جمیع اعزاز اور پسماندگان کو توفیق صبر اور مرحوم کی روح کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

آنریبل غلام محمد وزیر مال حکومت آصفیہ سابق گورنر جنرل پاکستان

آنریبل غلام محمد نے فرمایا یہ ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔

مسٹر گریگسن وزیر داخلہ حکومت آصفیہ کا پیام تعزیت

حیدرآباد۔ ۲۴/ امرداد۔ آنریبل مسٹر گریگسن اوٹی سے کل تشریف لائے۔ آنریبل موصوف نے قائد ملت کی وفات پر بڑے افسوس کا اظہار کیا۔

آنریبل راجہ دھرم کرن بہادر صدر المہام تعمیرات کا پیام تعزیت

نواب بہادر یار جنگ کے اچانک انتقال سے جو نا قابل تلافی نقصان ملک کو پہونچا ہے وہ کبھی بھلایا نہیں جا سکتا۔ اس لئے تمام ملک آپ کا شریک غم ہے' مرحوم کی ہستی غیر معمولی ہستی تھی جس پر حیدرآبادیوں کو ناز ہے۔ ان کی فن خطابت میں سحر البیانی' ان کا بے لوث کریکٹر بے نظیر تھا ان کے شخصی تعلقات بلا لحاظ مذہب و ملت سب سے مخلصانہ تھے افسوس کہ ایسا شخص ہم سے چھین لیا

گیا، جس سے ملک کو بڑی امیدیں تھی میں اور میری رانی اس سانحہ میں آپ کے شریک ہیں خدا مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور آپ کو اور دیگر متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

نواب مرزا یار جنگ ایجنٹ برار کا پیام تعزیت

جس وقت نواب مرحوم کے انتقال کی جانکاہ خبر ہم کو معلوم ہوئی میری بیگم صاحبہ اور مجھ پر ایک سکتہ کا عالم طاری ہو گیا جو لہریں اسلامی دائرہ کے سمندر میں انہوں نے قائم کر دی ہیں ان کا دور مسلسل قائم رہے گا اور وہ لہریں مرحوم کی یاد ہمیشہ تازہ رکھیں گی اس اظہار تعزیت میں میری بیگم صاحبہ کا دل بھی شامل ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ خدا آپ کو صبر جمیل عطا کرے۔

سر آرتھر لوتھیان ریذیڈنٹ حیدر آباد کا پیام تعزیت

ابھی میں حیدر آباد واپس ہوا ہوں، دوران سفر میں عمیق رنج و ملال کے ساتھ یہ اندوہناک خبر سنی کہ آپ کے شوہر کا اچانک انتقال ہو گیا جس کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔ وہ اپنی قوت کے عروج پر پہنچ چکے تھے ان کی بے وقت موت ملک اور قوم کے لئے ایک صدمہ عظیم ہے۔ مہربانی سے میری ہمدردیاں اس صدمہ عظیم میں قبول کیجئے۔

قائدین و عمائدین وطن کا اظہار تعزیت

نواب سر نظامت جنگ بہادر کا پیام تعزیت

انا للہ و انا الیہ راجعون ۔قدرت نے اس ملک میں غیر معمولی، ہستی پیدا کی تھی اور یہ بہت جلد اس کو ہماری نظر سے غائب کر دیا۔ اس کی مصلحت کو کون سمجھ سکتا ہے ۔ مرحوم محمد بہادر خاں پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا فضل رہا، ان کے دل میں صداقت ان کے ارادوں میں عظمت اور ان کے کاموں میں قوت اس کی دلیل تھی اور انشاء اللہ ان کا کیا ہوا کام باقی رہے گا۔ اور خود اپنی آپ تکمیل کرتا جائے گا۔ اس کی نوعیت دائمی ہے اور اصلاح نفس سے اصلاح قوم کا سبق اوپر سے چلا آرہا ہے، عامل صالح ہونے کے علاوہ مرحوم بہت بڑے مقرر بھی تھے۔ لیکن ان کی تقریر صرف آواز نہیں بلکہ دل کی حرکت تھی جس کا ایک خاص اثر دوسرے دلوں پر ہوتا تھا اور اگر چہ وہ سیاسیات سے بھی بحث کر جاتے تھے۔ لیکن دراصل ان کے سیاسی خیالات بھی اخلاقی جذبات سے متاثر تھے اور یہ معلوم ہے کہ شور وغل اور فسادی طریقوں سے ان کو دلی نفرت تھی اور یہ بھی جانتا

ہوں کہ مالک اور ملک کے سچے خیر خواہ تھے۔

ان اوصاف کے لحاظ سے میں ان کی عزت کرتا ہوں اور میرے دل میں ان کی خاص جگہ تھی اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے دادا صاحب مرحوم کو میں نے دیکھا تھا ان کے والد مرحوم سے ملاقات تھی اور خود ان کو بہت چھوٹی عمر سے دیکھتا تھا اس ملک میں وہ ایک نمونہ تھا اوائل عمر سے علم حاصل کرنے کا شوق تھا اور اپنی قابلیت کو بہترین طریقہ سے کام میں لانے کا خیال اور اس کی تیاری اور اپنے آپ کو ایک بڑے کام کے لئے وقف کر دینا یہ سب ان کی طبیعت کے خصوصیات میں داخل تھا۔

لہذا ان کے وجود کو میں اپنے ملک کی خوش قسمتی سمجھتا تھا جیسا کہ ان کے جانے کے بعد قوم کی بدقسمتی سمجھتا ہوں' تاہم صبر وشکر ہمارا کام ہے اور یہ باور کرنا چاہئیے کہ جو قوت ہماری آنکھوں کے سامنے سے' ہٹ گئی وہ پس پردہ اپنا کام کرتی رہے گی۔ انشاءاللہ تعالیٰ قوم پر واجب ہے کہ جو اصلاحی کام دارالسلام کا ہے اس کو صبر اور تدبیر سے استقلال اور قوت کے ساتھ چلاتے رہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ سے کامیابی کی امید رکھیں۔

ڈاکٹر رضی الدین صدیقی کے تعزیتی کلمات

عرب شاعر کے مشہور شعر کے مطابق ان کی موت ایک فرد واحد کی موت نہ تھی بلکہ قوم کی ایک بنیاد تھی جو منہدم ہوگئی۔

پنڈت راما چاری کا پیام

نواب بہادر یار جنگ کے اچانک اور بے وقت انتقال سے ملک اور مالک کا جو نقصان ہوا ہے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ایسی ہستیاں بار بار پیدا نہیں ہوتی دنیا کی بڑی شخصیتوں میں ان کا شمار تھا۔

ڈاکٹر لطیف سعید کا تعزیتی بیان

ایک دعوت میں جب کہ میں مرحوم کے ساتھ باتیں کر رہا تھا اور اشترا کیت کا موضوع اتفاقیہ زیر بحث آ گیا تو میں نے کہا کہ آپ کا یہ خیال کہ اگر آپ مسلمان نہ ہوتے تو اشترا کی ہوتے صحیح نہیں ہے۔ اس کے بجائے آپ کو یہ کہنا چاہئیے تھا کہ میں مسلمان ہوں اس لئے اشترا کی ہوں مرحوم اس سے بے حد متاثر ہوئے ایک دوسرے موقع پر میں نے مرحوم سے یہ کہا کہ آپ

نے اپنے خدمت کے دائرے کو صرف ایک گوشہ تک کیوں محدود کردیا ہے۔ آگے بڑھو اور ہندوستان کے مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کے قائد بنو۔ اس پر مرحوم نے کہا کہ ابھی مسلمان پیچھے ہیں، میں...... ان کو تھوڑا اور منظّم کرلوں تو پھر ہندو اور مسلمان دونوں کے لئے کام کروں گا اور مجھے یقین ہے کہ اگر ان کی زندگی وفا کرتی تو وہ ہندو مسلمانوں کے لئے آل انڈیا لیڈر بن کر رہتے۔

خان بہادر احمد نواز جنگ

آج میرے ایک دوست کا انتقال ہوگیا ہے جو مجھے سب سے زیادہ عزیز تھے۔ میرے لئے بھی اور خود حیدرآباد کے لئے یہ ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ حضرت اقدس و اعلیٰ کے ساتھ ان کی وفاداری اور ملک کے ساتھ ان کے والہانہ جذبات محبت اور بالخصوص مسلمانوں سے ان کا بے پایاں خلوص آج تک کسی میں نظر نہ آیا اور نہ اس کی توقع ہے کہ مستقبل میں ایک عرصہ تک کوئی ایسا شخص پیدا ہوگا جو ہر لحاظ سے بہترین قائد، ایک مہربان اور مخلص دوست اور سب سے بڑھکر تنظیمی صلاحیتوں کا حامل قائد تھا۔

مولوی ابوالحسن سید علی کا پیام تعزیت

قائد ملت مرحوم و مغفور کی اچانک رحلت نے مجلس کو ایک ایسی جامع شخصیت سے محروم کردیا جس کی نیکی اعلیٰ کردار بے مثل خطابت بے باک قیادت، بے لوث خدمت اور ایثار و قربانی کی اعلیٰ مثال، مجلس کی روح رواں تھی، مرحوم اپنی خدمات سے ملت اسلامیہ دکن کے پریشان اوراق کا شیرازہ بنے ہوئے تھے اور مرحوم کی ذات میں ملت ضم ہوچکی تھی، اس مرد میدان نے نہ صرف ملت اسلامیہ دکن میں اپنی اعلیٰ و نمایاں خدمات سے یہ مقام حاصل کیا تھا بلکہ ملت اسلامیہ ہند کے لئے بھی ان کی ذات ایک ایسی متاع بے بہا تھی جس کے لئے اس وسیع براعظم کے مسلمان آٹھ آٹھ آنسو رو رہے ہیں ہم اس نقصان عظیم پر ہمیشہ ماتم کرتے رہیں گے۔

جنار دھن دیسائی!

یہ ملک کا ناقابل تلافی نقصان ہے اور آئندہ حیدرآباد میں ایسے سپوت کا پیدا ہونا غیر یقینی ہے۔

مراٹھا منڈل

مولوی محمد بہادر خاں صاحب کے انتقال پر منڈل کو گہرا رنج ہوا۔ صاحب موصوف اتنی

جلدی ہمیشہ کے لئے اپنے ملک سے جدا ہوگئے' جو ہمارے ہندو مسلم بھائیوں کی کم نصیبی کا باعث ہوا۔ ان کی یاد حیدرآباد کے ہندو مسلم بھائیوں کے دل سے ہرگز نہ مٹ سکے گی۔ چونکہ صاحب موصوف دکن کے سچے خدمت گذار تھے اور جن سے ملک کا ہر فرد بشر خوب واقف ہے۔

مراٹھا منڈل مرحوم کے پسماندگان کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے ان کے غم میں اپنے آپ کو برابر کا شریک پاتا ہے اور ایشور سے پرارتھنا کرتا ہے کہ ان کی آتما کو شانتی نصیب ہو اور مرحوم کے متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

کمیونسٹوں کا بیان

مسٹر مخدوم محی الدین' مسٹر یلا ریڈی اور مسٹر راج بہادر گوڑ اپنے بیان میں کہتے ہیں کہ '' مولوی بہادر خاں صاحب کے اچانک سانحہ ارتحال کی وجہ سے ملک ایک بڑی شخصیت سے محروم ہوگیا مسلمانان دکن کی تنظیم انجمن اتحاد المسلمین اور اس کی ترقی مرحوم کی ذات سے اس قدر پیوستہ اور وابستہ تھی کہ نہ صرف مسلمان بلکہ سارا ملک قائد کی بے وقت موت سے ایک خلاء محسوس کریگا۔ ہم حیدرآباد کے کمیونسٹ مسلم عوام کے اس شدید غم میں شریک ہیں اور اپیل کرتے ہیں جمہوریہ اسلامیہ دکن اپنے اتحاد عظیم سے اپنے قومی ادارے انجمن اتحاد المسلمین کو زیادہ سے زیادہ جمہوری اور طاقتور بنائیں تاکہ مرحوم کی تلافی ہو سکے اور مستعد و منظّم عوام دوسرے عوام سے مل جل کر اہل ملک کے مشترکہ مسائل کو حل کرسکیں۔

مانک چند پہاڑے صدر مہاراشٹر اپریشد کا تعزیتی پیام

قائد ملت کی اچانک موت سے نہ صرف مرحوم کے سیاسی ہم خیالوں کو صدمہ پہنچا ہے بلکہ ان کو بھی جو ان سے اختلاف رکھتے تھے۔ ان کی لاثانی خطابت جوشیلا طرز بیان حصول مدعا کی کوششیں اور قربانی کا جذبہ قابل تقلید خصوصیات تھیں عوام نے ایک لیڈر اور سیاست کی ایک طاقتور شخصیت کھودی جس نے اپنے عمل سے موجودہ زمانہ میں تنظیم کے حق اور اس کی اہمیت کا پیغام پہنچایا میں اور میری جماعت اس صدمہ عظیم میں مرحوم کے پسماندگان' کے ساتھ شریک ہیں۔

بلبل ہند (سروجنی نائیڈو) کے تاثرات

ان کے اچانک انتقال کی خبر نے مجھے سراپا حیرت بنادیا اور جو صدمہ مجھے پہنچا ہے وہ

ناقابل بیان ہے وہ مجھے ماں کہہ کر پکارتے تھے اور ہم دونوں میں بے حد اخلاص اور محبت تھی۔ اور میں نے ہمیشہ انہیں ان معدود چند ہستیوں میں شمار کیا جو قیادت کی فطری اور پیدائشی صلاحیتوں کی مالک سمجھی جاتی ہیں۔

نرسنگ راؤ

میں اس سانحہ عظیم سے اس قدر متاثر ہوں کہ.......... میری زبان میں کوئی لفظ کہنے کی طاقت نہیں ہے۔

کاشی ناتھ راؤ ویدیہ

میں اس وقت گم سم ہو گیا ہوں' دل و دماغ قابو میں نہیں ہے میرے آنسو ہی میرے مادی تاثرات ہیں ایک بڑی قوت ٹوٹ گئی۔

بیرسٹر اکبر علی خان کا پیام تعزیت

آج حیدرآباد کا شیر سو گیا' کاش ہم مرجاتے اور وہ زندہ رہتے

انجمنوں کی تعزیتی قراردادیں!!!

حیدرآباد کا جمال الدین افغانی

(انجمن طلبائے قدیم جامعہ نظامیہ انجمن طلسانین علوم مشرقیہ اور ترقی تعلیم اسلامی اور کل حیدرآباد نظامیہ برادری کی مشترکہ قرارداد تعزیت) حیدرآباد کے جمال الدین افغانی مولوی محمد بہادر خاں کی جدائی سے ملک کو جو نقصان عظیم پہنچا جس کی تلافی ناممکن ہے۔ حیدرآباد کی تاریخ میں آج تک ایسا' قائد پیدا نہیں ہوا جس کے پیش نظر ملک کی بہبودی کے سوا اور کچھ نہ تھا قائد ملت ہم سے جدا ہو گئے' مگر ان کا قائم کردہ نظام باقی ہے ان کی جدائی خالد بن ولید کی طرح ملت اسلامیہ کے لئے یقیناً فائدہ مند اور کارآمد ہو گی۔ اب قوم کا کام ہے کہ منظّم حالت میں مرحوم کے کام کو جاری رکھیں۔

صدر کل ہند مسلم وفاق طلبا کی قرارداد تعزیت

قائد ملت کے بے وقت انتقال کی وجہ سے نہ صرف مسلمانان ریاست ابد مدت کا بلکہ سارے ہندوستان کے مسلمانوں کا ناقابل تلافی نقصان' ہوا ہے۔ ہمارا ناخدا ہماری کشتی کو عین

منجدھار میں چھوڑ کر چل بسا۔ خداوند تعالیٰ قائد ملت کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیے۔

مجلس ہومیو پیتھک کی تعزیتی قرارداد

مجلس نظامیہ ہومیو پیتھک کالج کا ایک غیر معمولی جلسہ بصدارت ڈاکٹر دوارکا پرشاد نگم صاحب جاگیردار بہ مقام عثمان شاہی حفیظیہ منزل بوقت پانچ ساعت شام منعقد ہوا' اور حسب ذیل قرارداد تعزیت منظور کی گئی۔

قائد ملت مولوی محمد بہادر خاں صاحب کی اچانک اور بے وقت وفات حسرت آیات پر یہ جلسہ انتہائی رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے اس حادثہ عظیم کو ملت اسلامیہ کے لئے ایک نا قابل تلافی نقصان قرار دیتا ہے اور اللہ پاک سے دعا کرتا ہے کہ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

قرارداد تعزیت

(حیدرآباد وسکندرآباد کی اٹھارہ انجمنوں کی جانب سے)

خواتین حیدرآباد وسکندرآباد کا یہ نمائندہ جلسہ منعقدہ صدر مجلس مسلم خواتین نواب بہادر یار جنگ کے اچانک سانحہ ارتحال پر عمیق رنج واندوہ کا اظہار کرتا ہے۔ مرحوم کی پرخلوص قومی وملکی خدمات ہمیشہ یادرہیں گی' اس عظیم اور نا قابل تلافی نقصان پر یہ اجتماع دلی ہمدردی کے ساتھ شریک رنج وغم ہے۔

حیدرآبادی طلبائے علی گڑھ کی قرارداد تعزیت

ہم حیدرآبادی طلباء مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو قائد ملت محمد بہادر خاں صاحب کے اچانک اور بے وقت انتقال پر ملال کی خبر سن کر بے حد دلی رنج اور افسوس ہوا۔ قائد ملت نہ صرف مسلمانان وطن کے واحد قائد اور رہنما تھے۔ بلکہ آپ کا شمار ملت اسلامیہ ہند کی نشاط ثانیہ کے معماروں میں بھی ہوتا ہے۔ آپ کی پرزور خطابت اور اسلامی زاویہ نظر وفکر نے مسلمانوں میں وہ صحیح اسلامی جذبہ وزندگی پیدا کی جو کسی جامعہ یا درسگاہ سے ممکن نہ تھی آپ کی شبانہ روز کی مساعی نے مسلمانان دکن میں سیاسی شعور اور اجتماعی زندگی پیدا کی اس وقت جب کہ افق دکن پہ سیاسی بادل منڈلا رہے تھے اور اغیار کی کوشش اس اسلامی سلطنت اور مغلیہ تفوق وعظمت کی آخری یادگار کو مٹانا چاہتی تھیں۔ آپ نے سینہ سپر ہو کر اغیار کے ہر حملہ کا مقابلہ کیا اور حیدرآباد کو اس بھونچال سے بچالیا جو اس

کے اطراف پیدا کیا جا رہا تھا۔ ہم خدائے بزرگ و برتر سے دست بدعا ہیں کہ وہ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرماتے ہوئے مسلمانان دکن کے لئے ان کا بدل نصیب کرے۔

جامعہ عثمانیہ میں جلسہ تعزیت

حیدرآباد دکن۔ ۲۷/امرداد' کلیہ فنون کی عظیم الشان عمارت میں سرزمین دکن کے عظیم المرتبت فرزند قائد ملت مولوی محمد بہادر خاں صاحب مرحوم کے انتقال پر ملال پر اپنے عمیق رنج و غم کا اظہار کرنے کے لئے طلباء جامعہ عثمانیہ اور اساتذہ صاحبین کی جانب سے ایک جلسہ تعزیت منعقد کیا گیا تھا جسکی صدارت مولوی سید محمد اعظم صاحب معین امیر جامعہ نے فرمائی۔ کارروائی کا آغاز قرأت سے ہوا۔ مولوی سید محمد اعظم صاحب نے اپنے مختصر سی تقریر میں فرمایا کہ ہم اس سانحہ پر اظہار تعزیت کے لئے جمع ہوئے ہیں جن کا رنج و ملال سب کو ہے اور وہ ہستی محتاج تعارف نہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ حقیقی عظمت کی حامل ہستیاں محتاج تعارف نہیں ہوا کرتیں اور میں سمجھتا ہوں کہ رنج و غم کے اظہار کا بہترین طریقہ خاموشی ہے۔ مسٹر اعظم کی تقریر کے ساتھ ہی ساری مجلس پر مکمل خاموشی چھا گئی۔

مسٹر حامد علی متعلم ایل ایل بی نے حسب ذیل قرارداد تعزیت پیش کی جس کو حاضرین نے ایستادہ ہو کر منظور کیا۔ طلباء' اساتذہ' عہدیداران و عمال جامعہ عثمانیہ کا یہ جلسہ قائد ملت مولوی محمد بہادر خاں مرحوم و مغفور کی وفات حسرت آیات پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور اس سانحہ کو ملک کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان تصور کرتا ہے۔ مرحوم ملک کے مخلص خادم اور سچے جاں نثار تھے اور ہندوستان کی حریت کے علمبردار اور عالم اسلام کے مجاہد اعظم یہ جلسہ بارگاہ رب العزت میں دعا کرتا ہے کہ وہ مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔

آخر میں مولانا مناظر الحسن صاحب گیلانی نے فرمایا کہ مرحوم کی خواہش تھی کہ مسلمان نوجوان قرآن کو سمجھ کر پڑھنے کے قابل ہو جائیں اور اگر مسلم نوجوانوں نے ان کی تمنا کی تکمیل کی تو ان کی روح کو مستقل ثواب ہوتا رہے گا۔ دعائے مغفرت پر جلسہ ختم ہوا۔

انجمن طیلسانین عثمانیہ

انجمن طیلسانین عثمانیہ کی کابینہ کا یہ جلسہ ملک دکن کے مایہ ناز فرزند نواب بہادر خاں صاحب کی اچانک وفات پر اپنے گہرے رنج وملال کا اظہار کرتا ہے اور اس کو ملک کا ناقابل تلافی نقصان تصور کرتا ہے۔ خدا مرحوم کا غریق رحمت کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

قائد ملت کی مرگ مفاجات

حیدرآبادی صحافت کا نذرانۂ عقیدت

انجمن صحافت

انجمن صحافت حیدرآباد کا یہ جلسہ عام قائد ملت مولوی بہادر خاں، مرحوم ومغفور کی بے وقت وفات کے سانحۂ عظیم پر اظہار تعزیت کرتا ہے اور مرحوم کی حسرت ناک وفات کو ایک عظیم قومی نقصان سمجھتا ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔

مجلس مدیران جرائد

قائد ملت مولوی محمد بہادر خاں صاحب کے سانحہ ارتحال پر اظہار تعزیت کے لئے انجمن مدیران جرائد حیدرآباد کا ایک جلسہ کل شام مسٹر علی اشرف مدیر تنظیم کی قیام گاہ پر منعقد ہوا جس میں ایک قرارداد کے ذریعہ قائد ملت کے اچانک اور بے وقت انتقال پر گہرے رنج وملال کا اظہار کیا گیا۔

ملک کا سپاہی

سید محمود وحید الدین (مدیر رہبر دکن) حیدرآباد دکن

اس جہاں میں مسلسل انسانی زندگی کے نشیب وفراز بعض وقت کتنے اچانک کتنے غیر متوقع اور کتنے روح فرسا ہوتے ہیں۔ حیات اور موت کا رشتہ کتنا قریب اور کتنا عجیب ہے۔ ابھی تک جس گوشۂ حیات سے ہم زندگی اور کامرانی کی تفسیریں سن رہے تھے وہیں بیٹھے آج زندگی کی ناپائیداری پر آنسو بہا رہے ہیں۔ دن اور رات کے چوبیس گھنٹوں میں نہ جانے کتنے سانحے ہوجاتے ہیں لیکن سب ہی یکساں دردانگیز اور جانکاہ نہیں ہوتے۔ ملت اسلامیہ دکن کی نشاۃ ثانیہ

کے جلیل القدر مجاہد کی موت ہندوستان کے لاکھوں قلوب کی آرزوؤں اور تمناؤں کی موت ہے۔

یہ خطابت کی بیوگی وضعداری شرافت، خلوص تدبر اور جذبۂ خدمت کا جنازہ ہے، قوم کا یہ سپاہی اپنا تن من دھن سب اپنی ملت پر نچھاور کر چکا تھا اس کا ایمان محکم وفاداری...... مستحکم عمل پیہم نظر بلند، سخن دل نواز اور فکر مرتب تھی جب دیکھئے مسکراتے ہوئے ہشاش بشاش اپنے اور غیر کا کوئی لحاظ نہیں سبھی کے ساتھ زندگی کی ساری توانائیوں کے ساتھ مسائل سے نمٹنے کے لئے ہمیشہ تیار نہ اپنی راحت و آرام کا خیال نہ محنت وتکان کا احساس بارگاہِ خسروی کا یہ حاضر باش غریبوں اور مفلسوں کا یہ غمگسار کہیں مشیر، کہیں مقرر کہیں دوست کہیں محسن کہیں قائد یکساں مقبول سب کی نظروں کا تارہ اور ہر دل عزیز۔

اسلام کا سچا شیدائی آج مادی طور پر ہم میں نہیں اپنے خالق کے سایہ میں چین و آرام کی نیند سو رہا ہے۔ کارساز حقیقی کے پاس اس کا مقام اس کی بےلوث خدمت کی مناسبت سے بلند و بالا ہوگا اور اس دنیائے فانی میں ہمارے ساتھ رہے یا نہ رہے اس کا تعلق ہم سے کبھی جدا نہیں ہوسکتا۔

لوگوں کی زندگیاں موت سے بھی بدتر ہوتی ہیں، نواب کی موت زندگی کی ایک مستحکم ضمانت ہے، انسان مرسکتا ہے ان کی خوبیاں نہیں مرسکتیں، قائد مرسکتا ہے لیکن اس کے کارنامے نہیں مٹائے جاسکتے۔ قائد کی موت آنسو کی نذر نہیں مانگتی ان کی قبر پر پھولوں کی چادر کی ضرورت نہیں ان کی روح تنظیم اور خدمت کا مظاہرہ چاہتی ہے نواب کی موت پر ڈھاریں مار کر رونے والوں کی نظر میں نواب کے ورثہ کی طرف اٹھنا چاہئیے۔ کتنے مسائل اور کتنے کام ہیں اپنے تعلق خاطر کا مظاہرہ زبان سے نہیں عمل سے ہونا چاہئیے ایسے قائد کی موت پر ماتم اور آہ و بکا بھی ہمارے شایان نہیں ہیں، قائد...... کی موت کچھ اور چاہتی ہے...... اس کا نمونہ اسی کی زندگی میں ڈھونڈیئے نوجوانوں اور خدمت گذاروں کے رہبر کی زندگی ایک نشان راہ ہے جو منزل مراد کی طرف بلا رہی ہے...... وہ زندگی بھر مسکراتے رہے ہر تکلیف کو تبسم انگیز کیا دیکھئے وہ اب بھی کھڑے مسکرا رہے ہیں، قائد ملت کی قسم، ان کے خلوص و ایثار کی قسم، مسلم قوم زندہ ہے اور زندہ رہے گی کارکنان مجلس اتحاد المسلمین، قائد ملت کے بعد بھی منزل اور مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسی جانبازی حکمت اور

تدبر کے ساتھ آگے بڑھتے رہیں گے۔ سپاہی کی جگہ کبھی خالی نہیں ہوتی' قائد ملت نے جو دیا روشن کیا تھا وہ بجھ نہیں سکتا۔ اس گوشہ سے ہزاروں چراغ روشن ہوتے ہیں اور ہو چکے ہیں' اسی نقش قدم پر چل کر ملک اور قوم کے یہ خادم تاریخ کے لئے ایثار و وفاداری' بے نیازی جرات تدبر اور سیاست کا ایک نیا ورق تیار کریں گے۔ ملت کے اس فدائی کی روح اپنی پوری تابناکیوں کے ساتھ ہمیشہ ان کی رہنمائی کرتی رہے گی۔

کارواں باقی ہے میر کارواں جاتا رہا

از: مولوی سید احمد عارف صاحب مرحوم مدیر صبح دکن۔ حیدرآباد دکن

ذہن اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہے کہ مولوی بہادر یار جنگ کو موت نے ہم سے چھین لیا' طبعیت اس اعتراف پر آمادہ نہیں ہوتی کہ ملت اسلامیہ دکن کا واحد رہنما فنا کے راستوں پر گم ہوگیا۔ یقین نہیں آتا کہ جس کی آواز میں سوتے ہوؤں کو جگانے کی قوت تھی وہ خود آج دائمی نیند سو رہا ہے' لیکن کیا کیا جائے حقیقت اپنی جگہ حقیقت ہے۔ اسے دنیا کی کوئی طاقت جھٹلا نہیں سکتی ماننا پڑتا ہے کہ نواب صاحب ہم سے ہمیشہ کے لئے علحدہ ہوگئے۔ لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ کیا ان کی موت کو محض ایک انسانی موت کہا جاسکتا ہے اور کیا صرف ایک شخصیت نے ساتھ چھوڑ دیا ہے' بے پایاں غم واندوہ کے ہنگامے میں سکون کا ایک لمحہ میسر ہو تو اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کیجئے۔ واقعہ یہ ہے کہ آج صرف ہمارے محبوب قائد بہادر خاں ہی کا انتقال نہیں بلکہ وہ تمام خصوصیات مرگیئں جنہیں آپ کی ذات میں درجہ کمال تک پہنچنا نصیب ہوا تھا شرافت مرگئی جس کا افسوس آپ کے تمام ملنے والوں پہ طاری تھا خطابت مرگئی جس سحر نے دوستوں ہی کو متاثر نہیں کیا تھا بلکہ اکثر موقع پر مخالفین کے خیالات کا رخ بدل ڈالا تھا جوش عمل مرگیا جس نے کچھ ہی دن پہلے ورنگل میں خس پوش جھونپڑیوں کو طوفانی' بارش کا حریف بنا دیا تھا فکر و نظر کی رفعت مرگئی جو مرحوم کی فطرت کا جز و تھی۔ اور جسے وہ اپنے رفقائے کار میں بھی دیکھنا چاہتے تھے' رواداری اور وسیع النظری مرگئی جس کی وجہ سے آپ صرف مسلمانوں ہی میں نہیں بلکہ معقولیت پسند برادران وطن میں بھی بہت مقبول تھے۔ ان خصوصیات کی فہرست بہت طویل ہے اتنی طویل کہ اس پر نظر ڈالتے ہی دل کا غم کچھ اور سوا ہو جاتا ہے۔ انسانیت اور قیادت کے

کیسے کیسے انمول جوہر تھے جنہیں مرحوم اپنے ساتھ لے کر ہم سے رخصت ہو گئے اور مسلمانان دکن کو انتہائی نازک وقت میں اس قافلہ کی طرف چھوڑ گئے جو موت اور زندگی کے دوراہے پر کھڑا ہو اور اپنی راہ متعین نہ کر سکتا ہو۔

دنیا میں موت سے بڑی کوئی حقیقت نہیں اور حقیقت کی کارفرمائی کے سامنے گردن جھکانی پڑتی ہے۔ آج قائد ملت نے اس منزل کو طئے کیا کل ہم اور آپ سب اسی راستہ سے گزریں گے رونا اس بات کا ہے کہ قحط الرجال کے موجودہ دور میں ایک ایسی شخصیت ہم سے چھین لی گئی جس کا بدل ملنا تقریباً ناممکن ہے مدتوں کے بعد چمن میں ایک دیدہ ور پیدا ہوا تھا۔ قدرت نے اسے بھی رہنے نہ دیا۔ دکن کی سیاست اسلامی کے افق پر ایک ستارہ چمکا تھا جس کی روشنی دور دور تک پہنچ رہی تھی اور اس روشنی کے سہارے سے بھٹکے ہوئے مسافر منزل کا سراغ پا رہے تھے یکا یک ستارہ ٹمٹمایا اور لامحدود خلاء میں گم ہو گیا قومی ترقی کی محفل میں ایک شمع روشن ہوئی تھی اور اس کے نور سے فائدہ اٹھا کر حصول عظمت کے طریقے مدون کئے جانے والے تھے۔ یک بیک شمع جھلملائی اور ساری محفل تاریک ہوگئی ہم بنیادی طور پر قنوطیت کو پسند نہیں کرتے لیکن واقعہ یہ ہے کہ قائد ملت کی وفات نے ...... مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو نقصان پہنچایا ہے' اس کی تلافی بظاہر محال ہے زندگی کی گاڑی اسی طرح چلتی رہے گی عالمی سیاست کے ساتھ ساتھ ہمارے یہاں کی سیاست بھی نشیب و فراز سے گذرے گی' پلیٹ فارم اسی طرح سجاتے رہیں گے مقررین اسی طرح زور خطابت کا مظاہرہ کرتے رہیں گے۔ غرض کہ زمانہ اپنے سابقہ انداز میں ہزاروں پہلو بدلے گا۔ لیکن چشم بینا ہر ماحول میں ایک کمی محسوس کرے گی ہر عالم میں کسی کو ڈھونڈے گی اور ہر مقام پر کسی کو نہ پا کر مایوسی کے آنسو بہانے پر مجبور ہو جائے گی۔

قائد ملت صرف ایک لیڈر ہی نہ تھے بلکہ ایک مکمل انسان تھے ان کی خصوصیتیں فراموش نہیں کی جاسکتیں ان کی فطرت کی سادگی اور طبعیت کا خلوص ہر ماحول کو اپنا لیتا ہے۔ ان میں ایک انفرادیت تھی ایک امتیازی وقار تھا۔ سیاسی پلیٹ فارم ہو یا شعر ادب کی محفل فلسفیانہ صحبت ہو یا مذہبی اجتماع بہادر خاں کی شخصیت اور اس شخصیت کی ہمہ گیری نمایاں رہتی ہے۔ خطیب اب بھی موجود ہیں سیاس آج بھی مل سکتے ہیں علما کی اس وقت بھی کمی نہیں مگر وہ بات کہاں ۔

ایک دھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے

سنتے ہیں کہ مرحوم کے اولاد نہیں لیکن ہماری رائے میں یہ خیال صحیح نہیں، مجلس اتحادالمسلمین کو آپ کی اولاد کہا جاسکتا ہے آپ نے اس ادارہ کو ذہنی، جسمانی صوری، معنوی تربیت کے لئے بڑی بڑی مشکلات کا مقابلہ کیا، یہ ادارہ آپ کی پرخلوص سرگرمیوں اور مسلسل مشقتوں کی یادگار ہے۔اس یادگار کو باقی رکھنا ان لوگوں کے لئے فریضہ کی حیثیت رکھتا ہے جو آج تک آپ کے شریک کار رہے ہیں ہماری قوم ایک مردہ پرست قوم ہے وہ زندگی میں اپنے محسنوں کی قدر نہیں کرتی لیکن ان کے بچھڑنے کے بعد آنسو بہاتی ہے، یادگاریں قائم کرتی ہے یوم مناتی ہے، ہماری رائے میں قائد ملت کی اس سے بہتر کوئی یادگار نہیں ہوسکتی کہ آپ کے نصب العین کو زندہ رکھنے کی کوششیں کی جائیں ان لوگوں میں جنہیں مرحوم کا قرب حاصل رہا ہے ایسے حضرات موجود ہیں جو اپنے قائد کے حقیقی مقصد کو اچھی طرح سمجھ چکے ہیں اس مقصد کے حصول کی خاطر جدوجہد جاری رکھنا ان کے لئے لازمی ہے۔ قائد ملت کے احسانات کا کوئی معاوضہ ممکن نہیں سوائے اس کے کہ ان کی خواہش پوری کرنے کی سعی کی جائے جنہیں موت کے ظالمانہ اقدام نے پورا ہونے نہیں دیا۔ان سطور کے خاتمہ پر تصور نے ...... بیت الامت کا دردانگیز منظر نگاہوں سے قریب کردیا دالان میں ایک لاش رکھی ہوئی ہے یہ دکن کے اسلامی مجاہد کی لاش ہے۔اس مردمون کی لاش ہے جس کی زندگی ترقی ملت کے نقشے بنانے میں ختم ہوگئی۔اس میر کارواں کی لاش ہے، جس نے گہری تاریکیوں میں منزل کے نشان تلاش کئے۔ چہرے پر ایک آسمانی نور چھایا ہوا ہے اور غیر متحرکہ ہونٹ اب بھی اپنے عقیدت مندوں کو سعی وعمل کا پیام دے رہے ہیں۔خدا اس لاش پر رحمت کے موتی برسائے اور اس کے مدفن کو شمیم جنت سے معمور کرے۔ ؎

خوش درخشید ہ و لے شعلہ مستعجل بود:

اخبار تنظیم کا اداریہ

ملت اسلامیہ دکن کا آفتاب غروب ہوگیا

دوشنبہ ۳/ رجب کی صبح کتنی غم انگیز اور اداس تھی جب قائد اسلامیان دکن بہادر کے سانحہ ارتحال کی خبر سارے ہندوستان کے طول وعرض میں بجلی کی طرح پھیل گئی اور وہ اس قائد...... جلیل

کی جوانمردگی پر آنسو بہانے لگے جو ایک بلند و بالا تر شخصیت کا مالک تھا اور جس سے اسلامیان ہند بڑی بڑی توقعات رکھتے تھے آہ ...... ہم سب کے لئے یہ صدمہ کتنا زبردست ہے کہ عندلیب بوستاں دیکھتے دیکھتے خاموش ہوگیا وہ جس کے سحر کار نغمے سارے ہندوستان سے خراج تحسین وصول کرتے تھے اور جس کی حجازی لے زندگی کی ایک عجیب تڑپ پیدا کرتی تھی آج مہر بہ لب ہے۔ سب کی زبانوں پر یہی ہے کہ اب بہادر خاں کا بدل کوئی نہیں، ایسا پر خلوص سپاہی اور قائد اب کہاں اس نے ملک وملت کے لئے سب کچھ لٹا دیا اور اس راہ میں سب کچھ قربان کرکے مسکراتا ہی رہا، اہل ملک کے اختلافات پر جس کا دل ملول رہا تھا آج اس کی جدائی پر سب رنج و ملال میں گرفتار ہیں اس نے ملت کی زبوں حالی پر ہمیشہ آنسو بہائے اور اس کی رحلت پر لاکھوں آنسو بہا رہے ہیں سب کی زبانوں پر یہی ہے کہ یہ قومی نقصان ناقابل تلافی ہے کتنا شدید اور کتنا عظیم سب کہہ رہے ہیں کہ یہ وفات صرف، بہادر خاں کی نہیں رسول اللہ کے سچے عاشق کی بھی ہے وہ جس کا دل نام پاک سنتے ہی دھڑکنے لگتا تھا اور جس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے آج کتنے بلند مقام پر پہنچ گیا ہے یا وہ جو ملت کا فدائی اور بنی نوع انسان کا غم گسار تھا۔ آج کس قدر محبوب و محترم ہو چکا ہے۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا:

ادار یہ: سہ روزہ تنظیم قائد ملت نمبر (حیدرآباد دکن)

ملت کے آنسو

ملت کے اسلامیہ کی امیدوں کا چراغ ابھی سلگا ہی تھا کہ اس پر حسرت و یاس کی ہوا کے خطرناک جھونکے حملہ آور ہونے لگے ابھی ہماری کشتی ساحل پر پہنچ ہی رہی تھی کہ ہم نے دیکھا کہ ہمارا ناخدا چپو کو کشتی والوں کے حوالے کرکے خود رحمت کے سمندر میں غرق ہوگیا۔ ابھی ہم میں زندگی پیدا ہی ہو رہی تھی کہ داعی اجل نے ملت اسلامیہ کے نباض کو لبیک کہتے ہوئے سنا۔ ابھی دکن کے افق پر آفتاب طلوع ہوا ہی تھا اور ہم اس کی طرف دیکھ ہی رہے تھے کہ موت کا غبار اٹھا اور ہماری آنکھوں سے اس کو دیکھنے کی طاقت چھین لیا لیکن آفتاب کی تمازت ابھی باقی ہے اور ہمیشہ باقی رہے گی۔ ۳/ رجب کی شان آئی اور اپنے ساتھ افلاس اور نحوست کا پیام لائی۔ اس رات ملت

اسلامیہ بلکہ عالم اسلام کے لئے نحوست کا ستارہ طلوع ہوا اور دکن کا یہ شہ خاور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ رات کے دس ہی بجے تھے کہ ملت اسلامیہ کے محبوب قائد کے انتقال پر ملال کی دل خراش اور دل شگاف خبر نہایت سرعت کے ساتھ سارے شہر میں پھیل گئی لیکن ہر شخص اس خبر کی صداقت پر مشکل ہی سے یقین کر رہا تھا ہر کوئی اس کو صحیح سمجھنے کے لئے آسانی کے ساتھ تیار نہیں تھا۔ ہر کسی کی یہی تمنا تھی کہ یہ خبر غلط ثابت ہو۔ سب کے سب اپنے محبوب قائد کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگتے دیوانہ وار گھروں سے نکل پڑے۔

اس رات قائد ملت ایک دعوت میں مدعو تھے۔ اسی دعوت میں خدائے بزرگ و برتر نے بھی اپنے محبوب بندے کو دعوت دی اور خدا کا یہ اطاعت گزار اور فرمانبردار بندہ جس کا ہر عمل رضائے مولا کیلئے تھا فوراً اپنے رب کے حضور میں حاضر ہوگیا۔ بندوں کی دعوت کو ٹھکرا کر دنیاوی مروتوں کا ذرا بھی لحاظ کئے بغیر اپنے پیدا کرنے والے کی دعوت کو قبول کرلیا جس نے زندگی بھر بے مروتی کو اپنے نزدیک بھٹکنے نہیں دیا اور جس نے تمام عمر کسی کے دل کو توڑنا گناہ سمجھتا رہا وہ آج تمام مروتوں کو ٹھکرا کر اور کئی دلوں کو توڑ کر اپنے پیدا کرنے والے کی آواز پر لبیک کہتا ہوا ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہوگیا۔

مہمانوں سے بھرا ہوا گھر دم بھر میں ماتم کدہ بن گیا۔ میزبان اور تمام مہمان ماتم گساری میں مصروف ہوگئے۔ ابھی ابھی سب ہنس رہے تھے اور ابھی ابھی سب رونے لگے۔ جس گھر سے قہقہوں کی آوازیں آرہی تھیں اس گھر سے آہ و بکا کی صدائیں آنے لگیں۔ جس گھر میں خاص خاص لوگ مدعو تھے۔ اسی گھر میں تھوڑی دیر بعد عوام کا کثیر مجموع اپنے محبوب قائد کی غیر متوقع وفات پر خون کے آنسو بہا رہا تھا ہر ذی روح اپنے روح پرور کی موت پر چلا رہا تھا ہر آنکھ اپنے بصیرت عطا کرنے والے کی موت پر آنسو بہا رہی تھی، ہر ہاتھ اپنے قوت بخشنے والے کی موت پر سینہ پیٹ رہا تھا سب کے سب ماتم کر رہے تھے۔ اپنی قسمت پر اپنے قائد کی وفات پر اس کی موت پر جس نے ہم میں زندگی پیدا کی جس نے ہم کو قوت بخشی جس نے ہم کو استقامت عطا کی جس نے مایوسی کو کفر بتایا۔ جس نے مصیبتوں میں بھی مسکرانے کی تلقین کی۔ جس نے بیکسوں اور مجبوروں کی مدد کی جس نے یتیموں کی سرپرستی کی۔ جس نے امارت کو غربت پر سے قربان کردیا۔

جس نے باطل کی قوتوں کو کچل ڈالا جس نے حق پرستی اور حق گوئی کا بول بالا کیا۔ جس نے اپنے عمل سے رواداری کی ایک زبردست اور بے نظیر مثال قائم کردی جس نے ہمارے قلوب میں بیداری کا جذبہ پیدا کیا جس نے غیروں کی نگاہوں میں ہمارے لئے عزت اور سربلندی پیدا کردی جس نے ہمیں ایک زبردست سیاسی عظمت اور وقار کا حامل بنادیا ہم نے اس کی بے وقت موت پر اپنے جیب اور دامن کی دھجیاں اڑا رہے تھے۔ جس نے ہماری بروقت رہنمائی کی۔ جب ہم خواب غفلت میں پڑے سو رہے تھے' موت کو حیات تصور کررہے تھے۔ ذلت کو عزت اور زوال کو عروج سمجھ رہے تھے۔ سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں ختم ہوچکی تھیں اچھے اور برے کی تمیز کا مادہ نہیں تھا۔ دوست اور دشمن کی پہچان نہیں تھی۔ ہم مصیبتوں کا شکار ہوکر ذلتوں کی ٹھوکریں کھا کر کبھی کبھی آنے والی بربادیوں سے بچنے کے لئے بے قرار ہوتے تو طرح طرح کی تدبیریں سوچتے نئے نئے طریقے ڈھونڈتے لیکن بالآخر ہماری پریشانیاں اغیار کے آشیانوں پر محوِ سجود ہوجاتی تھیں۔ اور ہمارے نزدیک یہی ایک نجات کا راستہ تھا۔ لیکن تو نے ہماری پریشانیوں کو آزاد کرایا اور تمام دنیاوی راستوں کو تڑا کر اس سے راستہ جوڑنے کی تلقین کی۔ جو دین اور دنیا میں ہمارے لئے عزت واقبال کا شرف وامتیاز پیدا کرتا ہے۔ شکل وصورت کا اعتبار کرتے ہم انسان کہلاتے تھے۔ لیکن ہم میں کوئی انسانی زندگی نہیں تھی' ہم میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے ہماری انسانی زندگی کا ثبوت مل سکے۔ ہم دماغ رکھتے ہوئے بھی دوسروں کے دماغ سے سوچتے تھے' بولنے کی طاقت اور صلاحیت رکھتے ہوئے بھی ہم دوسروں کی آواز سے بولتے تھے۔ پاؤں چلنے کی طاقت اور قوت رکھتے ہوئے بھی ہم دوسروں کی پشت پناہی اور ہمت افزائی پر دوسروں کے لئے اپنے قدم آگے بڑھاتے تھے۔ مختصر یہ کہ ہماری مثال بالکل چارپایوں کی سی تھی۔ غفلت کی سرشاری نے ہمیں انسانیت سے محروم کردیا تھا لیکن تو نے اپنی ایک صدائے غفلت شکن سے ہماری آنکھیں کھول دیں۔ اب ہمارے غور وفکر کو دوسروں کی ضرورت نہیں اور ہم اپنی آواز کی پوری طاقتوں اور صلاحیتوں کے ساتھ بولنے لگے ہیں۔ ہم اپنے مقام کو بھول چکے تھے۔ اپنی عظمت کو ایک قصۂ ماضی سمجھ رہے تھے۔ دوسروں کے آگے سجدہ کررہے تھے۔ غیروں سے بھیک مانگ رہے تھے۔ بجائے دوسروں کو نجات دلانے کے ہم خود انہی سے نجات کی راہ دریافت کررہے تھے۔ لیکن تو

ہماری شان وشوکت اور عزت وعظمت کے ترانے گاتا ہوا آیا اور ہم کو ہمارا بھولا ہوا مقام بتلایا اور اس مقام پر پہنچنے کے راستوں اور طریقوں سے آگاہ کیا۔ تو نے بتلایا کہ ہم دنیا میں غلام رہنے کے لئے نہیں بلکہ غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے بھیجے گئے ہیں' ہم ذلت اور پستی میں رہنے کے لئے نہیں بلکہ عزت اور عظمت سے زندگی گزارنے اور دوسروں کو شان وشوکت کی زندگی بخشنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ ہم میں خدا کے خلیفہ ہیں۔ ہم دنیا میں محکوم رہنے کے لئے نہیں بلکہ دنیا پر حکومت کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ ہم دنیا میں بدبختی اور بدقسمتی کی زندگی گذارنے کے لئے نہیں بلکہ دنیا کی قسمتوں کو بدلنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ ہم دنیا میں ظلم سہنے اور مظلوم رہنے کے لئے نہیں۔ بلکہ دنیا سے جور وظلم اور جبر واستبداد کو مٹانے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ تو نے ہم کو ہماری صلاحیتوں سے واقف کروایا اور تو نے ہی بتلایا کہ ہم اپنے مالک ہیں ہم خود مختار اور آزاد ہیں تو نے ہی بتلایا کہ راہ حق میں سربکف ہونا اور جاں فروش بن جانا ہماری مشہور عادت اور پرانی صفت ہے' آج قائد ملت رحمتہ اللہ علیہ کی بے وقت موت پر سب رو رہے ہیں۔ آج ان کے ساتھی آہ وزاری کررہے ہیں۔ ان کے پیرو سینہ کوبی کررہے ہیں۔ نوجوان آنسو بہار ہے ہیں۔ قائد ملت کی خاموشی ان سب سے ایک سوال کررہی ہے۔ قائد ملت اپنے پیرو اور اپنے رفیقوں اور نوجوانوں سے مخاطب ہوکر دریافت کررہے ہیں۔ اب مجھے اپنا ساتھی اپنا رفیق کار اور اپنا قائد کہہ کر پکارنے والو کیا تم اپنے آپ کو اس کا مستحق سمجھتے ہو کہ تم مجھے اپنا ساتھی اپنا قائد کہہ سکیں کیا تم نے بھی خدا کی راہ میں اپنے آپ کو لٹا دینے کا عملی عہد کرلیا ہے۔ کیا تم نے بھی خدا کے بتلائے ہوئے طریقوں پر چلنے اور اس کے حکم وایماء کے ماتحت اپنی زندگی بسر کرنے کا عزم کرلیا ہے۔ کیا تم نے بھی خدا کی راہ میں قوم کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی کے لئے دریغ نہیں کیا؟ تمہیں بھی تمہارے حق وصداقت کی وجہ سے مجرم ٹھہرایا گیا' کیا تمہاری خالص مذہبیت اور صحیح اسلامی جذبہ کی وجہ سے تمہیں بھی کفر کے فتوؤں کی دھمکیاں دی گئیں کیا تمہارے بھی قومی خدمات کے راستوں میں روڑے اٹکائے گئے کیا تمہیں بھی نیک کاموں سے ہٹانے کے لئے اعزازات اور روپیہ پیسہ کی لالچ دی گئی؟ اور کیا تم ان تمام مصیبتوں اور رکاوٹوں کے باوجود بلند ہمتی سے آگے بڑھنا چاہتے ہو؟ اور کیا تم ان تمام مشکلوں کا مستقل مزاجی اور مردانگی سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو

......اگرنہیں تو میری دوستی‘ میری قیادت اور میری رفاقت کا دم مت بھرو تم اس حالت میں اپنا دوست اپنا رفیق اور اپنا قائد کہکر مجھے شرمندہ مت ہونے دو۔ اور اگر تم ان تمام چیزوں کے لئے تیار ہو اور تم اس مقام پر پہنچنا چاہتے ہو جہاں میں تمہیں دیکھنا چاہتا تھا تو بے شک تم میری دوستی کا دم بھر سکتے ہو اور میں بھی تم پر ناز و فخر کرنے لگونگا۔

قائد ملت سے عقیدت رکھنے والوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے قائد کی زندگی کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں قائد ملت ایک زبردست انقلابی تھے اور انقلاب آپ سے عقیدت نہیں بلکہ ایثار و قربانی اور عمل چاہتا ہے۔ قائد مرحوم کی زندگی اور ان کی تعلیمات کو عملی طریقہ سے سمجھنا اور اس پر سختی سے عمل کرنا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے اور یہی وہ چیز ہے جس پر ہماری کامیابی اور ہمارے شاندار مستقبل کا دارومدار ہے۔

◆◆◆

قائد ملت کی مرگ مفاجات

از: مولوی قاضی عبدالغفار صاحب، مدیر "پیام" (حیدرآباد دکن)

مسلمانان دکن کی قومی زندگی کا بہت بڑا المیہ: قائد ملت بہادر خاں مرحوم و مغفور کی وفات مسلمانان دکن کی زندگی میں ایک ایسا حادثۂ عظیم ہے جس پر ماتم کرنے کے لئے نہ قلم میں طاقت ہے نہ زبان میں قوت وہ اپنے رب کے جوار رحمت میں محو خواب ابد ہیں۔ ان کی یاد میں آنسو بہانا ایک تقاضائے ...... فطرت انسانی ہے لیکن اس تقاضے سے بھی بڑا تقاضہ ان کے پیام اور ان کے کام کو زندہ رکھنا ہے یہی ان کی سب سے بڑی یادگار ہوگی اور یہی وہ میراث ہے جو اپنی قوم کیلئے دنیا میں چھوڑ گئے ہیں۔ یہ وقت ان مسائل پر بحث کرنے کا نہیں ہے جن کے لئے مرحوم نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو ایک مرد مجاہد کی طرح اپنی عمر کے آخری لمحہ تک صرف کیا۔ ہمیں اب یہ سمجھنا ہے کہ ان کے حصہ کا کام جو اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کیا تھا وہ انجام دیئے گئے اور اب ان کے مرتب کئے ہوئے شیرازہ کو قائم رکھنا ان لوگوں کا کام ہے جو ان کے بعد باقی ہے۔ قائد ملت کے مرگ مفاجات مسلمانان دکن کی قومی زندگی کا ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ وہ اسلامیان دکن کے دلوں میں اپنا جو نقش چھوڑ گئے ہیں اس کو غم اور الم کے ہنگامی اور عارضی مظاہروں میں صرف ہونے کے بجائے جہد حیات کے میدان عمل میں سجدہ گاہ صاحب نظراں ہونا چاہیئے ...... اب جب کہ وہ محبوب شخصیت ہمارے درمیان نہیں ہے، مرحوم کی یاد میں دلوں کی بیقراری کا مداوا صرف وہی ایک ...... نوید ہوسکتی ہے جو مرد مجاہد کے لئے کلام پاک کے ان الفاظ میں بھیجی گئی ہے کہ: اولئك اصحاب الجنة خٰلدين فيها جزآء بما كانوا يعملون۔

قائد ملت علیہ الرحمۃ

(حکومت آصفیہ کا سرکاری رسالہ "معلومات" کا اداریہ)

قائد ملت مولوی محمد بہادر یار جنگ مرحوم و مغفور کی اچانک اور بے وقت موت پر تمام

ہندوستان میں انتہائی رنج وغم کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ مولوی صاحب مرحوم نے ابھی اپنی عمر کے چالیس سال بھی پورے نہیں کئے تھے اور اچانک اس عالم فانی سے رحلت فرما گئے۔ اتنی کم عمری میں قائد ملت کی ...... ناگہانی موت نے اس قومی سانحہ کو اور زیادہ شدید والمناک بنا دیا ہے۔ افسوس ہیکہ قسمت کے بے رحم ہاتھوں نے ایسے زبردست انسان کا رشتۂ حیات اس قدر جلد منقطع کر دیا جو اتنی کم عمری میں عظمت وشہرت کے بام عروج پر پہنچ گیا تھا اور جس کے روشن ترین مستقبل سے ابھی اور بے شمار امیدیں وابستہ تھیں۔ قائد ملت بہادر خاں مرحوم ایک بے مثل و بے نظیر مقرر تھے اور ان کے قدرتی جوہر خطابت کے علاوہ علوم اسلامی سے ان کی کامل واقفیت ان کے خلوص اور حسن نیت اور ان کی شخصیت کی غیر معمولی کشش اور جاذبیت نے بھی ان میں وہ زبردست قوت پیدا کر دی جس کی وجہ سے انہوں نے اپنی قوم کے دل و دماغ پر ایسا قابو پالیا جس کی مثال بہت کم ملتی ہے اور وہ لوگ بھی ان کی عزت کرنے لگے جو سیاسی مسائل میں ان سے متفق نہ تھے' قائد ملت علیہ الرحمۃ کی بے وقت موت نے حیدرآباد کی قومی زندگی اور مسلمانانِ ہند کی سیاست میں ایک جگہ خالی کر دی ہے جس کا مدتِ دراز تک پر ہونا بہت دشوار ہے' مرحوم نہ صرف مسلمانان حیدرآباد کی سیاسی سرگرمیوں کی جان تھے بلکہ تمام ہندوستانی ریاستوں کے مسلمانوں کی سیاست سے بھی ان کا گہرا تعلق تھا کیوں کہ وہ کل ہند ریاستی مسلم لیگ کے بانی صدر اور روح رواں تھے' خدا مرحوم کی روح کو اپنے جوار رحمت میں ممتاز جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

برصغیر میں صفِ ماتم

برصغیر کی علمی، ادبی، مذہبی، سیاسی شخصیتوں اور
ادارہ جات واخبارات کا اظہارِ تعزیت

قائداعظم کا پیامِ تعزیت

نواب بہادر یار جنگ میرے عزیز دوست تھے اور ان کی موت میرے لئے ایک جانگداز صدمہ ہے نواب مرحوم مومن صادق تھے اور اسلام کے بڑے داعی۔ انہوں نے اسلام اور مسلمانانِ ہند کی زریں خدمات انجام دیں۔ تاریخ ان کو کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ وہ ہمارے لئے قدرت کا بیش بہا عطیہ تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح کا تعزیتی برقیہ

آپ کے شوہر کی اچانک وفات کی خبر سن کر انتہائی رنج اور افسوس ہوا۔ آپ اس سانحہ عظیم میں میری دلی ہمدردیاں قبول کیجئے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اس صدمۂ عظیم کے برداشت کرنے کی توفیق عطا کرے۔

مس فاطمہ جناح

بہادر یار جنگ کے انتقال پر مجھے بڑا صدمہ ہوا۔ اس غم میں بھی آپ کی شریک ہوں۔ خدا آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

علامہ مشرقی کا تعزیتی برقیہ :-

بہادر یار جنگ کی بے وقت موت کی خبر سن کر مجھے بڑا صدمہ ہوا ادارۂ عالیہ رنج وغم میں ڈوبا ہوا ہے۔

محترمہ بیگم صاحبہ مولانا محمد علی مرحوم رامپور کا تعزیتی مکتوب

ان کا انتقال نہایت اندوہناک ہے اور ان کا جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے اللہ پاک مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ مرحوم کی ہستی...... مسلمانوں کے لئے اور مسلم لیگ کے لئے ایک نعمت تھی مشیت ایزدی کو یہی منظور تھا کہ ان کو ہم سے جلد جدا کر دیا جائے۔ گو وہ آج ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں۔ لیکن ان کے بے لوث حب قومی یاد رہنے والی چیزیں ہیں ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

مولانا ظفر علی خاں کا تعزیتی بیان:-

ایک دردناک سانحہ کا جب مجھے خیال آتا ہے تو ایک بجلی سی دل پر گرتی ہے۔ بہادر خاں جیسے شخص روز روز پیدا نہیں ہوا کرتے "قرن باید کہ تا یک مرد حق پیدا شود۔ بہادر خاں صرف دکن ہی کے رہنما نہیں تھے بلکہ ہندوستان بھر کے مسلمانوں کے دلوں پر گھر چکے تھے۔ ان کے مرنے سے سارے ہندوستان میں کہرام مچ گیا اور بلاخوف وتردید کہا جا سکتا ہے کہ جیسا عالمگیر ماتم ان کا ہوا اور کسی کا نہیں ہوا۔ خدائے بزرگ و برتر نے دل و دماغ کی جو قابلیتیں ان کی ذات میں جمع کردی تھیں وہ بہت کم انسانوں کو میسر آتیں ہیں۔ وہ ایک نہایت فصیح خطیب تھے اور جب کسی مجموع میں بولتے تھے تو سننے والوں کے دلوں پر جادو کے ڈورے ڈال دیتے تھے' ان کے دل میں اسلام کا درد تھا اور یہ درد ہر وقت انہیں بے چین رکھتا تھا وہ چاہتے تھے کہ ہندوستان میں مسلمان عزت وآبرو کی زندگی بسر کریں اور ہمسایہ قوموں میں مسلمانوں کا رتبہ بلند ہو' اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے' انہوں نے اپنی خداداد' صلاحیتیں وقف کردی تھیں مجھے ذاتی طور پر ان کا نیازمند ہونے کی حیثیت حاصل تھی۔ تاجدار دکن اعلیٰ حضرت نواب عثمان علی خاں مدظلہ العالی کی ذات گرامی کے ساتھ مرحوم کو جاں نثارانہ عقیدت تھی اور ان کی یہ تمنا تھی کہ مسلمانان دکن اس روشن خیال تاجدار کے سایہ عاطفت میں ترقی کے وہ تمام مدارج طئے کرنے میں کامیاب ہوں' جو زندہ قومیں طئے کیا کرتی ہیں خدائے بزرگ و برتر مرحوم کو جواب مغفرت میں جگہ دے اور ملت کو نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

ڈاکٹر ذاکر حسین خاں :-

جامعہ ملیہ کے اراکین اور میں اس عظیم بہادر کے اچانک انتقال پر آپ کے ساتھ رنج وغم

میں شریک ہیں۔انا للہ و انا الیہ راجعون۔

بدایوں کا تعزیت نامہ :-

مولانا عبدالحامد قادری بدایونی' نواب بہادر یار جنگ کے اچانک انتقال سے ہم سبھوں کو صدمہ پہنچا افسوس ہے کہ ایک بڑا خطیب اٹھ گیا۔کل ہند ریاستی مسلم لیگ اور مجلس اتحادالمسلمین دونوں کے لئے یہ ایک نا قابل تلافی... نقصان ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ان کی روح کو کروٹ کروٹ چین نصیب کرے۔

مسٹر عبدالعزیز کا پیام تعزیت :-

باب حکومت سلطنت اسلامیہ آصفیہ کے سابق رکن عین شباب کے زمانے میں ان کی وفات مسلمانان ہند کے لئے بالعموم اور مسلمانان حیدرآباد کے لئے بالخصوص ایک زبردست مصیبت ہے اور اس حادثہ سے دور ونزدیک ہر جگہ نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ غیر مسلموں کو بھی جو ان کے خلوص' بے غرض پبلک خدمت ہمت اور گہری حب الوطنی کو محسوس کرتے تھے۔انتہائی صدمہ ہوا۔

مولانا عبدالرؤف شاہ صاحب کا بیان

رکن مجلس عاملہ کل ہند مسلم لیگ وصدر صوبائی مسلم لیگ صوبہ متوسط ملت اسلامیہ کی یہ انتہائی بدبختی ہے کہ وہ ہم سے اتنا جلد چھین لئے گئے۔یقین مانیئے کہ مرحوم کا ہندوستان میں کوئی بدل نہیں ایسی شخصیتیں صدیوں میں بڑی مشکل سے پیدا ہوا کرتی ہیں۔''

ہر ہائی نس نواب صاحب بھوپال :-

عین جوانی میں بے وقت اور اچانک موت کی خبر سن کر مجھے بے حد ملال ہوا ان کے انتقال سے صرف حیدرآباد ہی نہیں بلکہ سارا مسلم طبقہ ایک بے لوث خدمت گذار اور سچے محبّ وطن سے محروم ہو گیا وہ ایک زبردست عالم تھے۔انہوں نے اسلام اور اپنے ملک کی خدمت کے لئے زندگی وقف کر دی تھی۔

نواب صاحب ممدوٹ :-

انتقال کی دل ہلا دینے والی پرسوز خبر ملی۔مرحوم میرے بچپن کے ساتھی تھے اور اب تک

میرے اوران کے درمیان انتہائی پرخلوص تعلقات برقرار تھے۔ وہ حقیقی اسلامی' زندگی کا نمونہ تھے وہ جس چیز کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ہندوستان ایسے زبردست قومی سانحہ کے لئے تیار نہ تھا ان کا جسد خاکی فانی تھا' مگران کے شاندار' کارنامے حق راہ پر نوجوانوں کے لئے ہمیشہ ایک نشان راہ ثابت ہوں گے۔

سردار اورنگ زیب خاں وزیراعظم صوبہ سرحد کا تعزیتی پیام

نواب صاحب کی موت اتنی المناک اور رنج دہ ہے کہ جتنے آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔ مسلم ہندوستان ایک عظیم ترین محبّ وطن سے محروم ہوگیا اور میرا عزیز ترین بھائی مجھ سے بچھڑ گیا۔

وزیر داخلہ سندھ آنریبل گزور کا تعزیتی پیام

مجھے بہادر خاں صاحب کی اچانک اور افسوس ناک انتقال کی خبر سے گہرا صدمہ ہوا ہم نے اپنا بہترین کارکن اور مسلم ہند کے مفاد کا عظیم مجاہد کھودیا' ان میں یقین کی جرأت تھی اور وہ صداقت اور قربانی کا نمونہ تھے۔ انہوں نے اپنی خداداد لاثانی قوت تقریر کو مسلم قوم میں نئی روح پھونکنے کے لئے ...... استعمال کیا۔ وہ ہندوستان میں مسلم قوم کی نشاۃ ثانیہ کے علمبردار تھے میں ایک ساتھی ایک ہندوستانی کی حیثیت میں ان کی موت پر ماتم کرتا ہوں۔

وزیراعظم بنگال خواجہ ناظم الدین کا بیان

ان کی بے وقت موت کی اطلاع سن کر صدمہ ہوا' اور بے حد رنج ہوا۔ وہ ایک بڑے مقرر تھے اور انہوں نے کل ہند مسلم لیگ کے جملہ اجلاسوں میں شرکت کی تھی جہاں ان کے تقاریر سب سے زیادہ جاذب توجہ رہتیں۔ انہوں نے ریاستی مسلم لیگ کی بیش بہا خدمات انجام دیں اور ان کی وفات سے مسلم ہند کا ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔

خان بہادر اقبال احمد چودھری نائب صدر بنگال کونسل

ان کے اچانک انتقال کی خبر سن کر مجھے دلی صدمہ پہنچا۔ ہندوستان آج اپنے محبوب ترین اور عظیم ترین فرزند کی وفات پر ماتم کر رہا ہے۔ انہوں نے اپنے ملک کی جو خدمات انجام دی ہیں ان کو ہمیشہ قدر و احترام کے ساتھ یاد رکھا جائے گا۔ ملک کے ایک ایسا ممتاز فرزند اور قائد کی وفات یقیناً ایک سانحہ عظیم ہے جو حق کی حمایت میں ہمیشہ لڑتا رہا۔

وزیراعظم سندھ سر غلام حسین ہدایت اللہ کا حزن و ملال

مجھے قائد ملت کے انتقال کی خبر سے دلی صدمہ پہنچا یہ ایک زبردست سانحہ ہے ان کی موت مجموعی طور پر سارے ہندوستان اور خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کا ایک نا قابل تلافی نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

ایرانی کونسل کا تعزیت نامہ :-

عالی مرتبہ نواب صاحب کی اچانک اور بے وقت موت سے بڑا صدمہ ہوا۔ ۱۹۴۲ء میں ہم نے ان سے ایک اجنبی کی حیثیت سے ملاقات کی تھی لیکن چند ہی دنوں میں واپسی کے وقت ایک عزیز ترین دوست سے جدا ہوئے تھے وہ ایک ایسے مسلمان تھے جن پر دنیا کے ہر خطہ کے مسلمان بجا طور پر فخر کر سکتے تھے۔

چودھری غلام عباس صدر کشمیر مسلم کانفرنس :-

نواب بہادر خاں صاحب کے انتقال کی خبر سن کر مجھے بے حد صدمہ پہنچا۔ جموں و کشمیر مسلم کانفرنس اور اپنی جانب سے مرحوم کے پسماندگان کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں۔

مرزا یوسف شاہ صاحب

ان کے انتقال سے کل ہند ریاستی مسلم لیگ کے استحکام کا مضبوط ترین ستون منہدم ہو گیا۔

ڈاکٹر نعمت اللہ میر بلدیہ مدراس کا بیان :-

بہادر یار جنگ کے اچانک انتقال سے مجھے صدمہ ہوا جیسا کہ ہر مسلمان کو ہوتا ہے۔ حقیقتاً وہ ادبی دنیا کے روشن ستارے تھے جن کو خطابت میں کمال تھا مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اس قدر جلد اپنے کام کو ادھورا چھوڑ کر خصوصاً جب کہ ہندوستان کو ان کے جیسے قائد کی ضرورت تھی چل بسیں گے۔ وہ فطرتاً شریف اور وطن پرست تھے اور ان کی وفات سے ہندوستان ان خوبیوں سے محروم ہو گیا وہ صف اول کے قائد تھے جن کی گفتار و کردار میں یکسانیت تھی، اب مسلم قوم کو ان کے جانشین منتخب کرنے کا دشوار کام انجام دینا ہے۔

سید غلام مرتضیٰ صدر سندھ مسلم لیگ کا پیام تعزیت

ریڈیو پر نواب صاحب کے اچانک انتقال کی خبر سن کر شدید صدمہ ہوا۔ اس قلیل عرصہ حیات میں مرحوم نے ملک وملت کی فلاح کے لئے جو مخلصانہ خدمات انجام دیں۔ ان کی قدر و منزلت سے ہر مسلمان کا دل معمور ہے۔ کاش ہم ان کی مفارقت سے اتنی جلد محروم نہ ہوتے۔ مگر قدرت کے کاموں میں بے بس انسانوں کو کیا دخل اور اس کے پاس صبر کے سوا کیا چارہ خدا مرحوم کو اپنی آغوش رحمت میں جگہ دے۔

سکھر نہ ضلع نواب شاہ سندھ مسلم لیگ کی قرارداد تعزیت :-

مسلمانان سکھر نہ کا یہ جلسہ قائد ملت محمد بہادر خاں پریسیڈنٹ آل انڈیا مسلم لیگ کی وفات حسرت آیات پر اظہار افسوس کرتے ہوئے رب العزت کی بارگاہ میں دست بہ دعا ہے کہ مرحوم کی روح پرفتوح کو غریق رحمت فرمائے۔

اے کے فضل الحق کا پیام تعزیت :-

بہادر یار جنگ کی شخصیت اور خلوص کی تعریف کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ ان کا دل عوام الناس کے دکھ درد سے لبریز تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کی سیاسی بیداری کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔

بہادر یار جنگ مرحوم قائد اعظم کے قابل اعتماد رفیق تھے اور ہر نشیب وفراز میں قائد اعظم کے معاون رہے۔ آپ نہ صرف ایک عظیم الشان سیاسی رہنما تھے بلکہ مذہبی اور روحانی معلم بھی تھے۔ آپ اردو کے حیرت انگیز مقرر اور خطیب تھے اور چونکہ ان کی ہر ایک بات خلوص میں ڈوبی ہوئی تھی اس لئے آپ کے الفاظ عوام کے دلوں کی گہرائیوں میں اتر جاتے تھے۔

راجہ غضنفر علی خاں کا پیام تعزیت :-

مرحوم جن خوبیوں کے مالک تھے وہ مشکل ہی سے ایک فرد میں مجتمع ہوتی ہیں۔ خطابت میں مرحوم خود اپنی نظیر آپ تھے۔

چودھری غلام عباس کا پیام تعزیت :-

قائد اعظم کے بعد' دنیا کے مسلمانوں میں ان کا ثانی کوئی نہ تھا۔ قدرت' نے ان کو قبل از

وقت ہم سے چھین لیا۔

مولانا ابو اعلیٰ مودودی کا اظہار تعزیت

بہادر یار جنگ میرے دوست تھے اور میں نے ہمیشہ ان کے خلوص پر اعتماد کیا' مسلمانوں کی بد قسمتی تھی کہ ایسا جوہر قابل بڑے نازک موقعہ پر ان سے چھین گیا۔ اب ان کی یاد منانے سے بڑھ کر ضروری ہے کہ ہمارے نوجوان ان کی زندہ یادگار بننے کی کوشش کریں۔

سردار عبد الرب نشتر کا پیام تعزیت :-

نواب بہادر یار جنگ نے برصغیر کے مسلمانوں کی ایک بڑے کٹھن زمانے میں بیش بہا خدمت سر انجام دیں۔ اس سلسلہ میں انہیں قربانی بھی دینی پڑی اور وہ ان' معدودے چند رہنماؤں میں سے تھے' جنہیں قائداعظم کا اعتماد حاصل تھا' پاکستان کی تحریک کے سلسلہ میں وہ شب و روز منہمک رہتے تھے۔ برصغیر میں کوئی اہم مقام نہیں تھا جہاں وہ مسلمانوں کو بیدار کرنے اور منتظم کرنے کے لئے نہ گئے ہوں۔ ان کی وفات ہماری قومی تاریخ کا ایک دردناک سانحہ ہے۔ خداوند تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت فرمائے۔

ٹائمز آف انڈیا کا اظہار تعزیت :-

نواب بہادر یار جنگ مسلم سیاست کا زبردست مہرہ اور بہترین تقریری و تنظیمی صلاحیتوں کے حامل انسان تھے۔ ان کی مہذب شخصیت اپنے زمانے کی بہترین مثال تھی۔

اخبار مدینہ بجنور کا اظہار تعزیت :-

بہادر یار جنگ جیسی شخصیت کبھی کبھی پیدا ہوتی ہے۔ ان کی موت ریاستی عوام کے لئے بالخصوص اور دوسروں کے لئے بالعموم ایک ناقابل تلافی' صدمہ ہے۔

برصغیر میں تعزیتی جلسے !!!

مسلمانان بمبئی کا تعزیتی جلسہ :-

بمبئی ۲۸ / جون: قائد ملت نواب بہادر یار جنگ کے سانحہ ارتحال پر اظہار تعزیت کرنے کے لئے مسلمانان بمبئی کا ایک عظیم الشان جلسہ قیصر باغ میں بصدارت مسٹر چندری گر منعقد ہوا۔ مسٹر چندری گر نے مسلمانان بمبئی کے اس عظیم اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ یہ جلسہ مولانا

بہادر خاں صدر کل ہند مسلم لیگ وصدر انجمن اتحاد المسلمین کے اچانک انتقال پر رنج وملال ظاہر کرنے کے لئے منعقد ہوا ہے۔

بہادر خاں اسم بامسمی تھے۔انہوں نے عہد طفولیت سے ہی کبھی خطرہ کا مقابلہ کرنے میں پس وپیش نہیں کیا۔انہوں نے اپنی زندگی مسلمانوں کے حقوق ومفاد کے تحفظ وصیانت کے لئے وقف کردی تھی۔اس کے بعد مسٹر چندری گر نے کہا کہ مسلمان مولانا بہادر خاں کے عزم وہمت جہد حیات میں اپنا نمونہ عمل بنائیں۔انہوں نے مسلمانان حیدرآباد کی ایسی خدمت کی کہ حیدرآباد کو حقیقی معنوں میں عظیم تر حیدرآباد بنادیا۔وہ اسلامیات اور تاریخ اسلام کے جید عالم تھے ان کی زبردست قوت خطاب کا ایک ثبوت یہ ہے کہ کل ہند مسلم لیگ کی سالانہ میقات میں قائد اعظم کی تقریر کے بعد حاضرین ان کی تقاریر کا بے چینی سے انتظار کررہے تھے اس کے بعد حیدرآبادی مسٹر صدیق محمود نے تقریر کرتے ہوئے قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر کے اوصاف پر روشنی ڈالی۔دیگر مقررمیں ڈاکٹر عبدالحامد قاضی' اور مولانا اکرام علی شامل تھے۔جلسہ نے ایستادہ ہوکر حسب ذیل قرارداد تعزیت منظور کی۔

"مسلمانانِ بمبئی کا یہ جلسۂ عام مولوی محمد بہادر خاں صاحب کے بے وقت اور اچانک انتقال پر اپنے عمیق رنج وغم کا اظہار کرتا ہے اس وقت جب کہ...... مسلم ہند کو ان کی سخت ضرورت تھی ان کی' وفات نے ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔یہ جلسہ خدائے بزرگ وبرتر سے دعا کرتا ہے کہ وہ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

بمبئی کے عربوں کا ماتم :-

بمبئی مولوی بہادر خاں صاحب کی ناوقت وفات پر بمبئی کے عروب اپنے گہرے رنج وملال کا اظہار کرتے ہیں۔ان کے انتقال سے ہندوستان اور عالم اسلام کے ایک بڑے زعیم کا نقصان ہوا۔بمبئی کے عروب مرحوم کے خاندان سے مخلصانہ تعزیت کرتے ہیں۔

پونا میں ماتم :-

پونا میں مقامی مسلم لیگ کے زیر اہتمام جلسہ منعقد کیا گیا اور مسلمانان پونا نے مجاہد ملت

مولوی محمد بہادر خاں کی وفات پر رنج وملال کرتے ہوئے تعزیتی قرارداد پیش کی۔

مدراس میں غائبانہ نماز جنازہ :-

آنریبل ایس ایم پاشا صدر صوبائی...... مسلم لیگ کی ہدایت کے مطابق شہر مدراس کے تمام مساجد میں نواب بہادر یار جنگ بہادر مرحوم کی روح کو ایصال' ثواب کیلئے نماز غائبانہ پڑھی گئی۔

مدراس کے مسلم طلباء کی فیڈریشن کا جلسہ تعزیت :-

مدراس کے مسلم طلباء کی فیڈریشن کا آج ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں نواب بہادر یار جنگ بہادر کی وفات حسرت آیات پر ایک تعزیتی قرارداد منظور کی گئی۔

مسلم لیگ آنبور :-

مسلم لیگ آنبور نے اپنے برقیہ میں لکھا ہے کہ قائد ملت کی وفات کو دلی رنج وغم سے سنا یا گیا۔ مسلمانوں نے ایک مجاہد کھو دیا۔

بنگلور میں قائد ملت کا ماتم :-

قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر کے سانحہ ارتحال کی خبر جیسے ہی بنگلور پہنچی مسلم حلقوں میں رنج وغم کی لہر دوڑ گئی مسلمانوں کی ساری دکانیں اور تمام کاروبار بند کر دیا گیا۔ شام بصدارت خاں صاحب محمود شریف صاحب صدر آل میسور اسٹیٹ مسلم لیگ جلسہ تعزیتی متصل سلور جوبلی پارک جامع مسجد کے خطہ زمین پر منعقد ہوا جس میں ہزاروں مسلمانوں نے شرکت کی۔

قائد ملت کے شاندار خدمات کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے ان کی بے وقت وفات کو ملک وملت کے لئے نا قابل تلافی نقصان سے تعبیر کیا گیا ہے اور مسلمانوں نے قائد ملت کی مغفرت کے لئے دعا کی۔

دہلی میں ماتم :-

دہلی کے جلسوں میں مسلمانوں نے اس زبردست قومی حادثہ پر رنج وغم کرتے ہوئے تعزیتی قراردادیں منظور کی گئیں۔

علی گڑھ یونیورسٹی میں جلسہ تعزیت :-

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں مولوی، محمد بہادر خاں صاحب کی وفات حسرت آیات پر ڈاکٹر سر ضیاء الدین کی صدارت میں جلسہ تعزیت منعقد ہوا، اور حسب ذیل قرارداد منظور ہوئی۔

''مسلم یونیورسٹی کے طالب علم اور اسٹاف کو کل ہند اسٹیٹ مسلم لیگ کے صدر قائد ملت مولوی محمد بہادر خاں صاحب کی ایسی نازک حالت میں جب کہ ان کی سخت ضرورت تھی موت سے سخت صدمہ پہنچا۔ طلباء اور اسٹاف کا یہ تعزیتی جلسہ قائد ملت کے لئے دعائے خیر کرتا ہے کہ خدا ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان بالعموم مسلمانوں کو صبر جمیل عطا... 'فرمائے۔''

وائس چانسلر نے اعلان کیا کہ مرحوم کے اظہار احترام کے طور پر آج یونیورسٹی اور اس کے متعلقہ ادارے بند رہیں گے اور کھیل کود بھی۔

پٹنہ میں تعزیتی جلسے :-

نواب بہادر یار جنگ کے انتقال پر ملال سے مسلم حلقوں پر رنج والم کی گھٹا چھا گئی۔ کئی ایک تعزیتی جلسے منعقد کئے گئے جس میں مرحوم قائد کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے خراج تحسین ادا کیا گیا۔

کپورتھلہ میں ماتم :-

مسلم لیگ کے زیر اہتمام نواب بہادر یار جنگ بہادر کی المناک موت پر ماتم کرنے کے لئے ایک جلسہ عام منعقد کیا گیا تھا۔ جس میں ایک تعزیتی قرارداد منظور کی گئی یہاں مسلم تاجروں کی تمام دکانیں بند رہیں اور بہت سارے ہندو تاجروں نے بھی اپنے کاروبار بند رکھے۔

بلدیہ کلکتہ کا تعزیتی جلسہ :-

مولوی بہادر خاں صاحب کی وفات حسرت آیات پر کلکتہ کارپوریشن نے تعزیتی قرارداد منظور کی۔ بعد منظوری قرارداد بطور احترام اپنے اجلاس کو دس منٹ تک ملتوی کر دیا۔

کشمیر میں تعزیتی جلسے :-

کشمیر میں کوئی ایک ہفتہ تک ۲۳ تعزیتی جلسے ہوئے جس میں بطل حریت کی اچانک موت پر سخت ترین رنج وملال کا اظہار کیا گیا۔

لاہور کی ماتم گساری :-

قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر کی بے وقت اور پر حسرت موت کی اطلاع یہاں اورینٹ پریس کے توسط سے وصول ہوئی اس افسوسناک اور پر ملال خبر سے مسلمانان لاہور کو دلی صدمہ پہنچا اس عظیم المرتب قائد کی یاد میں اوران کے احترام میں آج لاہور کے مسلم حلقوں میں تمام کاروبار بند رہے تمام مسلم اداروں کو تعطیل دے دی گئی اور ہر ایک مسلمان ان کی یاد میں غمگسار رہے۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس:-

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علیگڑھ کا یہ جلسہ قائد ملت لسان الامت نواب بہادر یار جنگ کی اندوہناک وفات پر اپنے عمیق رنج وغم کا اظہار کرتا ہے۔ مرحوم نواب صاحب مجلس اتحاد المسلمین حیدرآباد دکن اور آل انڈیا اسٹیٹ مسلم لیگ کے بانی وصدر اور آل انڈیا مسلم لیگ کے سر برآوردہ لیڈر ہونے کے علاوہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے بھی لائف ممبر اور خاص بہی خواہ وسرپرست تھے آپ کی رحلت مسلمانوں کی قومی تحریک اور متذکرہ بالا ملی اداروں کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے' یہ جلسہ دست بدعا ہے کہ وہ اپنے فضل وکرم سے نواب صاحب مرحوم و مغفور کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

تین ہمعصر علماء کا اظہار تعزیت

کیا پوچھتے ہو' کسے کھودیا!

مولانا مناظر الحسن گیلانی

یہ ماتم ہے بہادر یار جنگ غفر اللہ لہٗ کا۔ عالم اسلام جس کے لئے رو رہا ہو' دکن رو رہا ہو' اس کا وطن رو رہا ہو۔ سی پی میں جس کے ماتم کی صف بچھائی گئی اور یوپی میں جس پر آنسو بہائے گئے' اف۔ جس کے لئے مدراس چیخ رہا ہے' بمبئی والے دھاڑیں مار رہے ہیں۔ بہار کے باشندے کپڑے پھاڑ رہے ہیں۔ سندھیوں میں جس کا نوحہ پڑھا جارہا ہے' پنجاب میں غم کا طوفان جس کے بعد اٹھا اور کشمیر اور سرحد والوں کی آنکھوں سے آنسو کا سیلاب جاری ہوا کیا پوچھتے ہو کہ اس کو کھو کر مجھ جیسے بے کس انساں نے کسے کھودیا۔ فان الله و انا الیه راجعون

انچہ من گم کردہ ام گز از سلیمان گم شدے

ہم سلیمان، ہم پری، ہم اہرمن بگریستے

تسلی جو کچھ بھی ہے وہ صرف اسی سے ہی کہ

غدا القی الاحبہ ' محمد اور حزبہ

انشاءاللہ اسی حزب میں دوسروں کے ساتھ ہم اس کو بھی پالیں گے جیسے آج کھو بیٹھے ہیں۔

حسبی اللہ و نعم الوکیل

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

موت کا سوچ اکثر آتا ہی رہتا ہے ابھی کل ہی کی بات ہے کہ سوچتے سوچتے یہ خیال آیا کہ موت آج ہی کل میں اگر آ گئی تو نماز جنازہ کس سے پڑھوانے کو دل چاہتا ہے۔ نام کئی ایک ذہن میں آئے لیکن سب سے پہلا نام جو ذہن میں آیا وہ اسی مجاہد اسلام بہادر خاں حیدر آبادی کا تھا۔ کاش بہادر یار جنگ دورہ کرتے پھرتے پھراتے عین اسی وقت اتفاق سے لکھنؤ آ موجود ہوتے ایسا کیوں ہونے لگا۔ لیکن دل کی کشش سے ایسا ہو جانا کچھ ناممکن بھی نہیں یہ تھی اس نامہ سیاہ کے دل میں اس شیر دل مجاہد ملت کی محبت عظمت اور عقیدت۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

آہ کہ جس سے یہ امیدیں قائم کی جا رہی تھیں۔ کیسے ہم گذر سکتا تھا کہ وہ یوں دھوکہ دے جائے گا اور جس کی دعاؤں کے لئے طلب و تمنا تھی وہ خود آناً فاناً دوسروں کی دعاؤں کا مستحق ہو جائے گا۔ آہ مشتِ خاکِ انسان اور اس کے تارِ عنکبوت جیسے پودے پھسپھسے کمزور ارادے حوصلے سہارے، ۴۰ سال کی عمر بھی کوئی عمر تھی: اور پھر کیسے تندرست و توانا، ہنس مکھ اور خوش مزاج، خوش سیرت، وخوش صورت، بلا کے ذہین و نکتہ رس...... کسی بشر کے دل میں یہ خطرہ بھی گذر سکتا تھا کہ یہ کھلا ہوا پھول یوں چمن بھر کو مہکاتا ہوا بات کی بات میں نذر خزاں ہو جائے گا۔ محفل بھر کو منور، رکھنے والی شماع اسی لمحہ اسی آن بجھ جانے کو ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ موت بالکل اچانک ہوئی نہ سکرات کی تکلیفیں نہ نزع، روح کی سختیاں اور کیوں ہوئیں۔

کس کو لاتے ہیں بہر دفن کے قبر

ہمہ تن چشم انتظار ہے ...... آج

خوش نصیب قبر۔خوش ہو کے تجھ میں آرام پانے کے لئے اللہ کے دین کا دلیر و باہمت سپاہی آ رہا ہے۔ وہ غریبوں کا سہارا تھا۔ بے کسوں کا والی تھا۔ ملت کا پشت پناہ تھا۔

حکیم مطلق اور احکم الحاکمین بے نیاز کی مشیت میں دم مارنے کی مجال کس کو؟ یہ مطیع اور فرما بردار بندہ دین کا سپاہی اور امت کا' علمبردار چالیس سال میں واپس بلا لیا جاتا ہے۔ کسی عارف نے سچ کہا :

کس را رسد نہ چوں چرا در قضائے ما

خدا بے نیاز کی بارگاہ میں!

علامہ سلیمان ندویؒ

بہادر خاں جیسا آدمی صدیوں میں پیدا ہوتا ہے' اور جب پیدا ہوتا ہے تو انقلاب انگیز ہوتا ہے۔ اس کی ذات سے امت اسلامیہ کو بڑی بڑی امیدیں تھیں اور خصوصیت کے ساتھ دکن کے مسلمانوں کے حق میں اس کا وجود آبِ حیات کا حکم رکھتا تھا۔ تاہم انسان ناچار ہے اس کی ناچاری کا راز ایسے ہی موقعوں پر کھل جاتا ہے۔ تقدیر کا نوشتہ اور قضا کا حکم ناقابل تغیر ہے۔ فاذ جاء اجلھم لا یستا خرون ساعة ولا یستقدمون o

۲۵ رجون ۱۹۴۴ء کو دفعتاً وہ حکم آیا اور بندہ بلا چوں چرا ایک لمحہ کے اندر اس کی دعوت پر لبیک کہا اور دنیائے دوں سے چل بسا' اس پر اللہ تعالیٰ کی صد ہا رحمتیں ہوں اور بے شمار نوازشیں' غالباً' مارچ ۱۹۴۴ء کی کوئی تاریخ تھی۔ نواب دوست محمد خاں (جاگیردار) کے یہاں دعوت تھی۔ جو مرحوم کے بڑے دوستوں میں تھے۔ احباب کا مجموع تھا۔ گفتگو مذہبی اور علمی تھی۔ مرحوم نے بڑے پر اثر انداز میں کہا۔ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ کی زبان سے جب وہ مصر سے نکل کر مدینہ میں پہونچے ہیں۔ یہ دعا تلاوت میں آئی (اے پروردگار! تو میرے لئے بہتری کا جو ساماں ہو مہیا فرمادے میں اس کا محتاج ہوں' فاذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون : مرحوم نے اس موثر دعا کے ایک ایک لفظ کو بڑی تاثیر کی حالت میں پڑھا اور

سامعین کے سامنے اس کی تشریح کی۔

خدائے بے نیاز کی بارگاہ میں عرض ہے کہ اے بارالٰہی آج جب اس دعا کا خواستگار تیرے حضور میں ہے اور تیرے گھر کا مہمان ہے تو اس کے لئے وہی فرما جس کا وہ محتاج ہے۔

نوٹ :-

قائد ملت کے استاد محترم بحرالعلوم علامہ شمس کے فرزند میرے استاد محترم مولوی اسد اللہ صاحب عباسؔ نواب صاحب کے استادزادے تھے۔ قائد ملت سے انہیں اور ان سے قائد ملت کو بے حد محبت تھی، جس دن شہید ملت کا جنازہ سپرد خاک ہوا گھر لوٹے، رات بھر سو نہ سکے اور اسی شب ''نالہ دل گداز'' کے زیرِ عنوان نوحۂ غم لکھا (جواب تک کہیں شائع نہیں ہوا ہے) میرے استادزادے فرزند اکبر سید اشرف یداللہی نے ازراہ کرم نالہ دل گداز میرے حوالہ فرمایا، اس تعلق سے اپنے خط میں تحریر فرما کہ ''اباجان مرحوم قائد ملت محسن قوم کی میت میں شرکت سے آنے کے بعد انتہائی مضمحل اور شدت غم میں ڈوبے ہوئے تھے اور اس اضطرار کی کیفیت کو آپ نے اسی شب، سخن کی شکل دیدی۔''

نالہ دل گداز

وہ نوجوان اہل فضیلت کدھر گیا — کہتے تھے جس کو قائد ملت کدھر گیا
بے نور کیوں ہیں آج خطابت کی محفلیں — وہ مہر آسمان خطابت کدھر گیا
منزل قریب ہے بنے ہیں گرداب سیکڑوں — وہ ناخدائے کشتی ملت کدھر گیا
کیوں چھا گئی ہیں بزم سیاست پہ ظلمتیں — وہ اختر سپہر سیاست کدھر گیا
روئیں اگر نہ خون کے آنسو تو کیا کریں — وہ خیر خواہِ قوم و ریاست کدھر گیا
کامل یقیں فتح کا تھا جس کی ذات سے — وہ مہرۂ بساطِ سیاست کدھر گیا
ملتی نہیں جس کے اس ایثار کی مثال — وہ درشہسوار شجاعت کدھر گیا
تھی ملک بھر میں جس کی نواسنجیوں کی دھوم — وہ عندلیب گلشنِ ملت کدھر گیا

صیاد! کچھ تو کہہ کے اسے ہو گیا ہے کیا
خاموش کنج قبر میں وہ سو گیا ہے کیا

پھرتے ہیں لوگ چاک گریباں ادھر ادھر　　دنیا سے کون سوئے عدم کر گیا سفر
دیوار و در پہ چھائیں ہیں کیسی اداسیاں　　کیوں بند ہو گئے ہیں یہ بازار و رہگذر
رخ سوئے اوجِ طائر ملت نے جب کیا　　صیاد نے کتر دیئے چپکے سے بال و پر
موقع نہ ہاتھ آئے گا ایسا کبھی تجھے　　رونا ہے جس قدر تجھے رو آج چشم تر
دیکھا نہ ہوگا چشم فلک نے دکن میں یہ　　منظر جو آج دیکھتی ہے میری چشم تر
شاید پھر تجھ کو ایسا بہادر نہ مل سکے　　تو اپنے اس شکار پہ اے موت فخر کر
خطروں کو بڑھ کے لیتا تھا ملت کے واسطے　　پیش نظر ہے میرے وہ کشمیر کا سفر
تھی سب کی یہ دعا کہ ملے تجھ کو عمر خضر　　مرضیٔ حق کچھ اور تھی ہم کو نہیں خبر
عظمت کو تیری مان کر اٹھا وہ بزم سے　　سن لی کسی نے گر تیری تقریر پر اثر
بد قسمتی پہ اپنی اب اے باغباں رو　　پھل پھول لا کے نذر خزاں ہو گیا شجر

پیدا ہوا تھا خاک دکن سے یہ باکمال
اگتے ہیں باغِ دہر میں پودے یہ خال خال

یہ داغ تیرا قبر میں بھی لیکے جائیں گے　　مر کر بھی یاد تیری نہ دل سے بھلائیں گے
اس داغ کو کرینگے نہ منتِ کش دوا　　اک یادگار تیری دل میں بنائیں گے
اے جانے والے تو ہی بتا ہو گا حال کیا　　جب محفلوں میں اپنی تجھے نہ پائیں گے
اوصاف یاد آئیں گے رہ رہ کے جب تیرے　　روئیں گے خون کے آنسو اور رلائیں گے
وہ کارنامے تیرے جو مشہور خلق ہیں　　اے خلق کس طرح انہیں دل سے بھلائیں گے
سینچے گئے ہیں پودے تیرے خون دل سے جو　　سینے سے ان نہالوں کو اپنے لگائیں گے
واعظ نہ روک رونے سے آگ ہے لگی　　اس قطرہ ہائے اشک سے اس کو بجھائیں گے
عباسؔ اس دیار سے اکتا گیا ہے دل　　بستی ہم اپنی اور کسی جا بسائیں گے

سارے دکن میں اک ہی ممتاز فرد تھا
پوشیدہ جس کے سینے میں مسلم کا درد تھا

کسے دو گے سزا آخر کسے ٹھہراؤ گے قاتل؟

۲۵ رجون ۱۹۴۴ء کی شب سے آج تک قائد ملت پر متعدد کتابیں شائع ہوئیں۔ مضامین لکھے گئے، منظوم خراج عقیدت پیش کئے گئے مگران کی موت پر مستقل عنوان کے تحت پہلی بار بہادر یار جنگ کا سانحہ رحلت'' کے زیر عنوان قائد ملت کے قریبی رفیق کار مولوی محمد احمد خاں صاحب نے پہلی بار ۱۶ صفحات پر مشتمل ایک معلوماتی مضمون لکھا جو پاکستان کے مشہور ماہنامہ فاران ۱۹۸۴ء کے شمارے میں (صفحہ ۱۳ سے ۲۸ تک) شائع ہوا۔ جو بے حد معلوماتی تجزیہ ہے۔

ہم ذیل میں اس مضمون کے اقتباسات کے ساتھ ساتھ ضروری حواشی کو شریک کر رہے ہیں۔ یہ حاشیہ کہیں وضاحت ہے تو کہیں کسی کمی کا ازالہ یا متعلقہ مسئلہ پر مزید روشنی، کہیں تجزیہ سے اختلاف کی صورت میں بھی اظہار خیال۔ ہمارے اپنے تجزیے کی بنیاد پر ہے۔

سب سے پہلے انہوں نے قائد ملت کی موت کے بارے میں اپنی اس قطعی رائے کا اظہار کر دیا کہ بہادر یار جنگ کی موت زہر خورانی کا نتیجہ تھی، جو صد فیصد درست ہے۔

''اس سانحہ رحلت سے متعلق دو نقطۂ نظر قابل ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ وفات کا یہ حادثہ گو اچانک پیش آیا لیکن تھا فطری۔ بالفاظ دیگر بہادر یار جنگ کی موت طبعی تھی، دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ حادثہ غیر معمولی تھا اور وفات زہر خورانی کا نتیجہ تھی، میں آج بھی اتنے طویل عرصہ کے بعد جب اس واقعے پر اور اس کے سارے متعلقات اور جزئیات پر غور کرتا ہوں تو میرا دل گواہی دیتا ہے کہ بہادر یار جنگ کی موت زہر خورانی سے واقع ہوئی اور قطعاً طبعی نہ تھی۔''

ان کی رائے میں انہوں نے پانچ وجوہات کو وجہ شبہ قرار دیا ہے۔

''میری رائے میں ان کی وجوہ یہ ہیں :

۱۔ ان کی عام صحت بہت اچھی تھی اور مرنے سے ایک لمحہ پہلے تک وہ نہایت ہشاش وبشاش تھے۔

۲۔ انہیں کبھی دل کا عارضہ لاحق نہیں ہوا اور نہ کبھی سانس رکنے کی شکایت پیدا ہوئی۔
۳۔ ان کی موت اچانک، بہت ہی اچانک اور غیر معمولی مشتبہ حالات میں واقع ہوئی۔
۴۔ انتقال کے بعد میں نے اور سینکڑوں آدمیوں نے بچشم خود دیکھا کہ ان کے جسم پر نیلگوں نشانات ہیں۔''

''خدا گواہ ہے کہ ہم سب ان کی عام صحت سے مطمئین تھے۔ کسی کو اس کا واہمہ تک نہ تھا کہ ان کا پیمانہ عمر لبریز ہونے سے پہلے ہی چھلک جائے گا اور وہ ایک سازشی مرگ ناگہانی کا شکار ہو کر قبول بارگاہ رب العزت ہوں گے اور رفیق اعلیٰ سے جاملیں گے اور دکن کا بہار شباب اس طرح لٹ جائے گا۔ اس کو کم مایہ قوم کی کم نصیبی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا راز اللہ ہی جانتا ہے۔ بہر کیف بلانے والے نے منصب شہادت کے ساتھ بلا لیا۔''

(حوالہ: متاع گراں مایہ، از: محمد اکبر حسین رفیق قائد ملت، ص: ۱۷۔ مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں، کراچی)

''میں حیدر آباد گیا۔ میری دو تین دن نواب بہادر یار جنگ سے سیاست پر گفتگو ہوتی رہی اور ان سے یہ طئے ہوا کہ وہ بھی میرے ساتھ بمبئ چلیں گے۔ نواب صاحب اس زمانہ میں اچھے خاصے تندرست تھے اور خدانخواستہ ان کو کوئی مرض لاحق نہ تھا۔ روانگی کے دن میں ریلوے اسٹیشن وقت پر پہنچ گیا اور نواب بہادر یار جنگ کا انتظار کرنے لگا وقت تنگ ہوتا گیا اور وہ نہ آئے یہاں تک کہ گاڑی چھوٹ گئی۔ میں سمجھا شاید دیر سے گھر سے روانہ ہوئے اس لئے وقت سے نہ پہنچ سکے، بمبئ پہنچ کر معلوم ہوا کہ نواب صاحب کا انتقال ہو گیا۔ انا لله و انا اليه راجعون۔ ان کی موت کے متعلق مختلف وجوہات مشہور ہیں واللہ اعلم۔ بہر نوع قضاء نے ہم سے ایک بلبلِ ہزار داستاں چھین لیا۔ (حوالہ: شاہراہ پاکستان، از: چودھری خلیق الزماں، ص: ۹۲۳)

نظام والی ریاست نے دیدار کے وقت جو تاثرات بیان کئے وہ بھی قابل غور ہیں جو ارشادات ہمایونی کے نام سے اخبارات میں شائع ہوئے جس میں قائد ملت کی صحت کے بارے میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ...... کچھ عرصے سے وہ صحت مند نہیں تھے۔

''تین برس پہلے بھی ان کی صحت خراب ہو گئی تھی۔ میں نے ان کو زیادہ محنت نہ کرنے کی

نصیحت کی تھی۔انہیں اس وقت حلق کا مرض تھا۔''

لیکن دوسری ہی سانس میں ''میت کا چہرہ دیکھ کر فرمایا کہ بیماری کے کوئی آثار نہیں پائے جاتے۔اگر یہ چھ مہینہ بھی بیمار پڑتے تو گھل نہیں سکتے۔''

۵۔ ''ایک قیاس آرائی یہ ہے کہ لیاقت اللہ قریشی نے یہ مذموم حرکت بیرون حیدرآباد کی ایک ممتاز شخصیت لیاقت علی خاں وزیراعظم پاکستان (جن کو راولپنڈی کے جلسہ عام میں کسی نے گولی ماردی تھی) کے اشارہ کی بناء پر کی تھی''۔ص:۱۵۔

یہاں دو باتیں غور طلب ہیں' بہادر یار جنگ اور لیاقت علی خاں کے درمیان شدید اختلافات تھے۔وہ اگرچہ مسلم لیگ کے معتمد تھے لیکن جتنا اعتماد قائداعظم کو بہادر یار جنگ پر تھا اتنا لیاقت علی خاں پر نہیں تھا۔لیاقت علی خاں اور ان کے گروپ کے لوگوں ہی کی ریشہ دوانیوں کے جواب میں قائد ملت نے (کراچی والی) آخری تقریر فرمائی تھی جو ان کے غیض و غضب کی مکمل آئینہ دار ہے۔دراصل یہ تقریر اسی ٹولہ کے خلاف تھی۔

نواب بہادر میں مسلمانوں کے لئے وہی کام کر رہا ہوں جو ہینڈ برگ نے کیا تھا۔اس نے ہٹلر کے لئے میدان ہموار کیا تھا اور جرمن قوم کو بام عروج پر پہنچانا ہٹلر کی قسمت میں تھا۔(یہ ہٹلر کے عروج کا زمانہ تھا) میں بھی افق میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے بعد ایک شخص پاکستان کو بام عروج تک پہنچائے گا۔

نواب بہادر جواباً عرض کرتے ہیں:

قائداعظم تم سلامت رہو ہزار برس

اور پھر قہقہوں کے ساتھ یہ گفتگو ختم ہو جاتی ہے۔نہ معلوم قائداعظم کے ذہن میں وہ کون شخص تھا جو ان کے بعد پاکستان کو بام عروج تک پہنچانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

یہی ڈر اور یہی احساس تھا جس کی بناء پر لیاقت علی خاں' بہادر یار جنگ کے سامنے' اپنے مستقبل کو تاریک محسوس کرنے لگے تھے۔

ایک اور اہم بات کہ سارے مشاہیر نے نواب صاحب کی شہادت پر تعزیتی پیامات جاری کئے۔سوائے لیاقت علی خاں ...... معتمد عمومی کل ہند مسلم لیگ کے۔کیا یہ کوئی غیر اہم بات

ہے جسے نظر انداز کر دیا جائے؟

جنرل ضیاء الحق مرحوم کے وزیر قانون سید شریف الدین پیرزادہ نے (جو جناح صاحب کے متعلق کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں)۔

پیرزادہ نے نئے قائداعظم کی موت کے تعلق سے لکھا ہے کہ جناح صاحب کی موت فطری نہیں تھی جس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے وہ تحریر فرماتے ہیں:-

بوسیدہ ایمبولنس گاڑی

جناح صاحب کی موت فطری نہیں تھی بلکہ انہیں قتل کیا گیا تھا جناح کو جو زیارت نامی مقام پر زیر علاج تھے' ایک سازش کے تحت کراچی لایا گیا اور انہیں ایرپورٹ سے گورنر جنرل ہاؤس تک جانے کے لئے ایک بوسیدہ ایمبولنس گاڑی فراہم کی گئی' ایرپورٹ پر انہیں خوش آمدید کہنے کے لئے کوئی موجود نہیں تھا۔ یہ ایمبولنس گاڑی ایرپورٹ سے جاتے ہوئے راستے میں خراب ہوگئی۔ محترمہ فاطمہ جناح اس وقت اپنے بھائی کے ساتھ زیارت سے آئی تھیں۔ ان کا بیان ہے کہ ''ایرپورٹ سے کوئی چار میل کے فاصلہ پر موٹر گاڑی خراب ہوگئی اور مجھے بتایا گیا کہ پٹرول ختم ہو گیا ہے' جیسے ہی میں ایمبولنس میں واپس آئی تو جناح صاحب کا ہاتھ ہلا' گویا پوچھ رہے ہوں کہ کیا ہوا۔ جب میں نے تفصیل بتائی تو انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس وقت ہوائیں بھی نہیں چل رہی تھیں اور مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ ان کا دم گھٹ رہا ہے تو ان کو ایمبولینس سے باہر لایا گیا اور ایک اسٹریچر پر لٹا کر اسٹریچر فٹ پاتھ پر رکھ دیا گیا۔'' جناح صاحب تپتی ہوئی دھوپ میں فٹ پاتھ پر کئی گھنٹے پڑے رہے اور اسی رات ان کی موت واقع ہوئی۔

بڈھے کا دماغ خراب

پیرزادہ کا کہنا ہے کہ جناح صاحب کو اس سازش اور اس میں ملوث لوگوں کے متعلق پوری تفصیلات معلوم تھیں لیکن وہ ان سے چھٹکارا حاصل کر نہیں سکتے تھے۔

لیکن پاکستانی اخبارات کا کہنا ہے کہ زیارت میں جو بلوچستان میں کوسیٹہ کے قریب واقع ہے۔ جناح صاحب کا خاطر خواہ علاج نہیں ہو رہا تھا۔ جب لیاقت علی خاں ان کی مزاج پرسی کے لئے گئے تو جناح صاحب نے انہیں ڈانٹ پلائی۔ باہر نکلتے ہوئے لیاقت علی خاں کو یہ کہتے سنا گیا

کہ بڈھے کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔''

(حوالہ: مضمون نگار سید ضیاء اللہ شائع شدہ ''اخبار بلٹز'' ہفتہ واری بمبئی۔۱۳؍اکتوبر ۱۹۸۴ء)

اس واقعہ سے لیاقت علی خاں کے ظرف اور مزاج کا جہاں بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے' وہیں قائداعظم کا ان پر عدم اعتماد کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ ویسے تو قائداعظم ان سے اس وقت سے متنفر تھے جبکہ بھولا بھائی دیسائی کے ساتھ لیاقت علی خاں نے جو معاہدہ جناح صاحب کے علم و اطلاع کے بغیر کرلیا تھا' اس کی وجہ سے جناح صاحب نے اس کے بعد کبھی لیاقت علی خاں پر بھروسہ نہیں کیا۔ محترمہ فاطمہ جناح نے بھی اس بات کی توثیق کی ہے۔

(حوالہ: مضمون نگار سید ضیاء اللہ شائع شدہ در اخبار بلٹز ہفتہ وار بمبئی۔۱۳؍اکتوبر ۱۹۸۴ء)

چوں کہ لیاقت اللہ قریشی صاحب' لیاقت علی خاں کے خاص آدمیوں میں سے تھے اس لئے اس خصوص میں قائد ملت سے ان کے تعلقات کی کشیدگی کی بناء پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کے آلۂ کار کے طور پر استعمال کیا گیا ہوگا۔

(۳) ''لیاقت اللہ قریشی ریاست گوالیار کے جج تھے' بعض اسباب کی بناء پر وہ علحدہ کردیئے گئے تھے اور اس کے بعد غالباً فروری ۱۹۴۴ء میں مستقل قیام کی غرض سے حیدرآباد دکن آ گئے اور وکالت شروع کی۔''

''حیدرآباد آنے سے قبل انہوں نے قائد مرحوم سے رابطہ قائم کیا جس کے جواب میں قائد مرحوم نے انہیں ہر طرح کی امداد و اعانت کا اطمینان دلایا (ملاحظہ ہو مکتوب ۴۱۸ مکاتیب بہادر یار جنگ) ان کے حیدرآباد آجانے کے بعد بھی قائد مرحوم نے ان کی ہر طرح سے مدد کی۔ رہنے سہنے کا بندوبست کرایا' مقدمات دلائے عدالت کے عہدہ داروں سے ملایا اور ہاشم علی خاں جج ہائی کورٹ کی دعوت میں' انہیں خود اپنی موٹر میں بٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے۔''

صفحہ ۱۵'۱۶

اس خصوص میں بعض باتیں وضاحت طلب ہیں' لیاقت اللہ قریشی صاحب کا نام' متذکرہ مسئلہ سے متعلق جہاں بھی آیا' مکتوب بنام موصوف ۴۱۸ کے ذکر ہی پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ مذکور خط درج ذیل ہے:

۱۵رجون ۱۹۴۳ء

مولوی لیاقت اللہ صاحب قریشی

جج ہائیکورٹ لشکر گوالیار

مکرمی! آپ کا مکتوب ۱۸رمئی مسلسل سفر کی وجہ سے میری نظر سے آج گذرا۔ آپ نے اس مکتوب میں ہجرت کا عزم مصمم ظاہر فرمایا ہے اس لئے اب میں انصار بننے کے لئے تیار ہوں اور میرے گھر کے دروازے ہر وقت آپ کے لئے کھلے ہیں۔ یقیناً آپ کی نگاہ سے مہاجرین کی مشکلات پوشیدہ نہ ہوں گی۔

انشاء اللہ میری طرف سے بھی انصار کی مہمان نوازی اور دستگیری کا پورا مظاہرہ ہوگا۔

؎ کرم نما و فرود آ کہ خانۂ خانۂ تست

نواب صاحب کے متذکرہ خط سے، ان کے اپنے مخاطب سے اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا۔ ''آپ نے اس مکتوب میں ہجرت کا مصمم ارادہ ظاہر فرمایا'' سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے قبل بھی ان کے خطوط نواب صاحب کے موسومہ، جواب پا چکے ہیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نواب صاحب سے ان کی شناسائی یا ملاقات کہاں ہوئی تھی۔

دوسری بات جو قابل تذکرہ ہے وہ یہ کہ لیاقت اللہ قریشی صاحب کے لئے حیدرآباد میں سکونت کوئی مسئلہ نہ تھا، کیوں کہ رشید صدیق حسین ایڈوکیٹ ساکن کونچہ فصیح جنگ، ان کے داماد تھے، اور لیاقت اللہ قریشی صاحب حیدرآباد آنے کے بعد اپنے داماد ہی کے مکان میں سکونت پذیر تھے۔

مکتوب نمبر ۴۱۸ کا سارا تاثر مکتوب نمبر ۵۰۹ کے مطالعہ سے کافور ہو جاتا ہے۔ یہ خط منظور عالم صاحب علی گڑھ کا موسومہ ہے جو ۱۱رفبروری ۱۹۴۴ء کو نواب صاحب نے انہیں لکھا اور اسی تاریخ کو لیاقت اللہ قریشی نواب صاحب سے ملنے آئے تھے۔ اس خط کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نواب صاحب ان کے بارے میں مشکوک تھے، نواب صاحب کا یہ جملہ ''میں نہیں جانتا کہ ان کے مقاصد کیا ہیں، میں انشاء اللہ گفتگو میں محتاط رہوں گا، لیکن ان کی نسبت آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں'' سے نواب صاحب کے ان کے بارے میں شکوک کا پتہ چلتا ہے، منظور عالم

صاحب کے خط میں لیاقت اللہ قریشی کے ذکر کا مکمل متن یہ ہے:-

''گوالیار کے وہ قریشی صاحب جو......جج تھے۔آج کل حیدرآباد میں ہیں' آج میرے یہاں آئے تھے مگر اپنی مصروفیت کی وجہ سے میں نے ان کو پرسوں آنے کے لئے کہا ہے' میں نہیں جانتا کہ ان کے مقاصد کیا ہیں میں انشاء اللہ گفتگو میں محتاط رہوں گا' لیکن ان کی نسبت آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ فبروری ۱۹۴۴ء میں حیدرآباد آئے اور جون ۱۹۴۴ء میں نواب صاحب کی شہادت عمل میں آئی' نواب صاحب نے ان کی کسی قسم کی کوئی معاونت نہیں فرمائی۔نواب صاحب کی شہادت کے بعد یہ اچانک حیدرآباد سے غائب ہو گئے کیوں کہ سازشیوں کی فہرست میں ان کا نام بھی شریک سمجھا جاتا رہا۔

''فوری طور پر ڈاکٹروں نے بھی زہر رسانی کی تصدیق کی اور خود نظام دکن اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں مرحوم نے بھی (جو باضابطہ طب پڑھے ہوئے بھی تھے) نعش دیکھ کر بے ساختہ یہی ارشاد فرمایا ''جس کسی نے کیا بہت برا کیا'' ایک مجمع نے شاہ دکن کے اس حسرت آمیز جملہ کو سنا۔''

''ایسی جامع ہستی کی سوانح نگاری مجھ جیسے بے بساط کے لئے یقیناً بیجا جسارت تھی۔''

(حوالہ: حیات بہادر یار جنگ' از: غلام محمد' ص:۱۰)

اس جملہ میں مصنف کے ضمیر کی آواز شامل ہے۔

بہرحال اس قبیل کی شخصیتوں نے نواب صاحب کے نام کو کام میں لا کر پاکستان میں اپنی ناکام زندگیوں کو کامرانی کے منزلوں سے ہمکنار کرلیا۔

''دعوتوں میں حقہ یا پان سگریٹ عموماً کھانے کے بعد پیش کیا جاتا ہے' یہاں اس تہذیبی روش سے ہٹ کر حقہ کھانے سے پہلے ہی پیش کر دیا گیا اور اگرچہ دوسرے مہمان بھی موجود تھے لیکن حقہ صرف بہادر یار جنگ کے روبرو پیش کیا گیا' حقے کی اس طرح پیش کشی بہت معنی خیز ہے۔اگر کھانے کے بعد حقہ پیش کیا جاتا اور پھر حادثہ پیش آتا تو خیال کیا جاتا کہ کھانے میں کچھ ملا دیا گیا ہوگا اور جب ایک نہیں کئی افراد کھانے پر مدعو ہوں تو کسی ایک مخصوص شخص کے کھانے میں زہر کی ملاوٹ آسان نہیں ہوتی' حقے کے ذریعے زہر دینا آسان تھا۔بہرحال حقے کی کھانے سے

قبل پیشکش اور وہ بھی بطور خاص صرف بہادر یار جنگ کے روبرو پیش کشی پھر معاً بعد اس کا غائب کر دیا جانا اس خیال کو تقویت پہنچاتا ہے کہ حقے کے ذریعے زہر دیا گیا۔

حقہ کے ذریعے زہر خورانی کی بات کسی ثبوت کی محتاج نہیں۔ گھر گھر گھریلو عورتیں' چکی کے گیت کی طرح یہ گایا کرتی تھیں کہ:

گیا حقہ میں دم بہادر جنگ　　گئے ملک عدم بہادر جنگ

اس دور کے عوامی شاعر جناب حلمی آفندی نے عوامی احساسات کو نظم کیا تھا۔

واقعی وہ تمہاری دعوت تھی　　یا حقیقت میں وہ عداوت تھی

اژدہا تھا کہ مار تھا حقہ　　واقعی یادگار تھا حقہ

''یہ مکر بھری دنیا بہادر خاں کے رہنے کے قابل نہ تھی' یہاں سقراط کو زہر کا پیالہ دیا جاتا ہے' عیسیٰ کو سولی پر چڑھایا جاتا ہے۔ بالآخر اسی دنیا نے بہادر خاں کو حقہ پیش کر دیا' انسان اپنی حیوانی روایت پر پورا اترا' لیکن خدا کے نیک بندے سے ایسا سلوک دعویداران انسانیت کو مہنگا پڑا۔

ہم اس کی حفاظت کرنے میں ناکام رہے اور آج اپنی حفاظت کے خیال سے لرزاں و ترساں ہیں۔''

(حوالہ: کیا پوچھتے ہو' کسے کھو دیا' از: محترم المقام سید خلیل اللہ حسینی صاحب صدر تعمیر ملت مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر وطن کی نظر میں' ص: ۲۷' مرتبہ نذیر الدین احمد ناشر بہادر یار جنگ اکیڈیمی حیدرآباد)

مباحثے کے بعد یہ طئے پایا کہ ایسے دو اشخاص جو نواب صاحب کے بہت قریب رہے ہوں۔ بیان دیں کہ موت قدرتی طور پر واقع ہوئی ہے ان کو کسی پر شبہ نہیں ہے۔

اس کی تکمیل کے لئے مولوی محمد یامین زبیری صاحب معتمد مجلس اتحاد المسلمین کا اور میرا انتخاب ہوا۔ ہم دونوں نے کارونر صاحب کو لکھوا دیا کہ قائد ملت کی موت قدرتی طور پر واقع ہوئی ہے' ہم کو کسی پر شبہ نہیں ہے' بیگم صاحبہ اور ہم پوسٹ مارٹم کروانا نہیں چاہتے۔ اس کے بعد کارونر صاحب نے نعش دفنانے کی اجازت دیدی۔

(حوالہ: یادداشت (قلمی غیر مطبوعہ)' از: جناب سید یوسف صاحب تصور رفیق قائد ملت' ص: ۲۵۵'۲۵۶)

نعش کا اگر پوسٹ مارٹم بھی کروایا جاتا تو رپورٹ حرکت قلب کے یکا یک بند ہو جانے

کی جاری ہوتی۔ کیوں کہ۔

نہ تو قاتل ہی میرا ہے اور نہ تو تلوار میری ہے

''اگر بالفرض انہوں نے (لیاقت اللہ قریشی صاحب) کسی کے اشارہ پر یہ مذموم حرکت کی تھی تو سوال یہ ہے کہ انہیں اس کے صلہ میں کیا ملا۔''

ذاتی مخاصمت' سیاسی اختلاف یا اقتدار کے زیراثر ایسی سازشوں میں شریک سازش اصحاب کو کچھ نہ کچھ نہیں' خلاف توقع بھی ملتا ہے جیسے کہ پولیس ایکشن کے بعد سازشی ٹولہ عہدوں کے انعام و اکرام سے نوازا گیا۔ امید پر دنیا قائم ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ پانے کی امید میں کھونا بھی پڑتا ہے۔

اپنے اقتدار کی بقا' اپنے آقاؤں کی خوشنودی اور مزید علاقوں پر حکمرانی کے خواب دیکھتے ہوئے نواب میر نظام علی خاں والی دکن نے ٹیپو سلطان کی حکومت کو صفِ ہستی سے مٹانے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ٹیپو سلطان شہید ہوئے' ان کے بچے اسیر ہوئے' رعایا مظالم کا شکار ہوئی مگر نظام علی خاں والی دکن کو حصہ رسدی میں کیا ملا۔ نہ سرزمین ٹیپو کا ایک ٹکڑا نہ ریاست ٹیپو سے حاصل ہونے والی آمدنی میں سے ایک پائی۔ الٹا لینے کے دینے پڑ گئے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد دکن پر پہلی بار ریزیڈنٹ مسلط کر دیا گیا۔ ۱۷۷۸ء میں کیپٹن کنوے پہلی بار پہلا ریزیڈنٹ مقرر کیا گیا اور اس طرح اندرونی آزادی پر بھی پابندیاں عائد کر دی گئیں۔

نظام علی خاں والی ریاست دکن نے اگر اس وقت غداری نہ کی ہوتی تو ٹیپو سلطان کی تلوار' انگریز اقتدار کے خاتمے کا باب بنتی۔ دکن کے نام کو حریت پسندوں میں ذلیل کر کے دکن کے دامن پر قیامت تک کے لئے ایک داغ لگا گئے۔ وفاداری کا صلہ ملا تو یہ ملا!

۵۔ ''ہاشم علی خاں جن کے گھر پر یہ حادثہ پیش آیا۔ اپنی آخری عمر میں دیوانے ہو گئے تھے اور اسی دیوانگی کے عالم میں ان کا انتقال ہوا۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس حادثے کے ذمے دار تھے لیکن وہ یقیناً اس راز سے واقف تھے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ حادثہ ان کے علم و اطلاع کے بغیر پیش آیا ہو اور وہ اس کے بعد اس سے واقف ہو گئے ہوں اور اس کا اثر ان کے ذہن و دماغ پر پڑا ہو۔''

اگر حقہ میں مہر دیا جانا مسلم ہے تو اس بات سے انکار کی کوئی صورت نہیں ہے کہ صاحب

خانہ اس سازش سے لاعلم نہ تھے' ان کے ذہن پر اس حادثے کا بے حد اثر ہوا اور اسی حادثے کے اثر سے وہ پاگل ہو کر مرے۔

۶۔ ''حقہ فوراً غائب کر دیا گیا۔''

لیکن سرکاری تحقیق جب عمل میں آئی تو حقہ کا طبی معائنہ کیا گیا اور معمول سے کچھ زیادہ نکوٹین پایا گیا۔ یہ اعلان اخبارات میں شائع ہوا۔

حالانکہ حقہ فوری غائب کر دیا گیا تھا۔ پھر یہ برآمد کہاں سے ہوا۔ سچ ہے ۔

بعض افسانے الگ ہوتے ہیں عنوانوں سے

''اس سلسلے میں سب سے اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ زہر کس نے دیا اور کیوں دیا؟ واضح رہے کہ یہ دونوں سوالات ایک دوسرے سے مربوط ہیں' کیوں کہ ان دونوں سوالات کے صحیح جوابات ہی پر حقیقت واقعہ تک رسائی ممکن ہے۔ ان سوالات کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں' پہلے ان پر ایک نظر ڈال لیجئے۔''

سوال یہ نہیں ہے کہ زہر کس نے دیا اور کیوں دیا؟

کیوں کہ زہر دینے والی خاتون سے بھی ہم واقف ہیں اور کیوں دیا تو اس کا جواب صرف یہ ہے کہ سازش کے تحت دیا۔ سوال تو یہ ہے کہ یہ زہر کس کے حکم سے دیا گیا اور یہ سازش کس کے حکم سے پروان چڑھی اور کامیاب اختتام کا باعث بنی۔

بعض بہت چھوٹی باتوں کو جو بنیادی حیثیت کی حامل ہیں نظر انداز کر دیا یا وہ ذہن سے محو ہو گئے۔ مثلاً ہاشم علی خاں صاحب کے پاس اس سے قبل بھی اس قسم کی دعوتوں کا اہتمام ہوتا رہا ہے؟ اس دعوت میں کیا کسی خاص مکتب خیال کے لوگ ہی زیادہ تھے؟ کھانا باورچی کے ذریعے تیار کروایا گیا یا اہل خانہ نے پکایا۔ کھانا باہر کے حصے میں پکایا گیا یا گھر کے اندر کے صحن میں۔ کیا واقعی دعوتیوں کے لئے کھانا تیار تھا؟ شام کا کھانا اس دور میں بعد مغرب ہوا کرتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ ۸ بجے تک دستر خوان بچھا دیا جاتا تھا۔ کھانا پکنے اور دستر خوان چننے میں تاخیر کیوں ہوئی؟ نواب صاحب کی شہادت کے بعد سب مہمانوں اور دیگر اطلاع پر آنے والوں کے لئے گھر آنگن ایک ہو گیا تھا کیا تین پتھروں میں دیگیں لگی ہوئی کسی نے دیکھیں؟ اگر صرف اسی بات کی تحقیق

کر لی جائے تو مزید تحقیق طلب کوئی بات باقی نہیں رہتی۔

بہادر یار جنگ کی شہادت سے راستہ پوری طرح ہموار ہو گیا اور ریاست حیدرآباد کے خلاف کی گئی سازش کی ابتداء کی انتہاء تھی اس دعوت کے شرکاء کی فہرست پر اگر ایک نظر ڈال لی جاتی تو پتہ چلتا کہ سوائے ڈاکٹر رضی الدین اور بیرسٹر اکبر علی خاں کے کوئی اور ایسا نہ تھا جس کے بارے میں اس کے قوم پرست ہونے یا نظام اور مفادات حاصلہ سے ان شخصیتوں کی وابستگی کا ثبوت موجود نہ ہو اس دعوت میں ڈاکٹر مسز مقبول علی بھی شریک تھیں جنہوں نے نواب صاحب کو حقہ پیش کیا۔ یہ یہودن خاتون تھیں، ان کے مراسم سر آرتھر لوتھیاں ریزیڈنٹ حیدرآباد سے دوستانہ تھے۔

مضمون نگار نے لکھا ہے کہ ''ایسی گھناؤنی حرکت کا انتساب بھی گناہ سے کم نہیں ہے۔ قوم پرست مسلمانوں میں خود قاضی عبدالغفار نے نواب صاحب کی مخالفت کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تھا، وہ کونسا اہتمام تھا جو قاضی صاحب نے نواب صاحب کے سر نہ باندھا، یہی قوم پرست مسلمان تھے جن کو آپ نے سازشی ٹولہ کا نام دیا ہے۔ اس دعوت میں مشہور زمام شخصیت ہوش بلگرامی بھی مدعو تھے جو قوم پرست مسلمان تھے۔ انگریز اور کانگریسی آقاؤں کے غلام اور سرکار عظمت مدار کے خاص الخاص درباری یہ وہی ہیں جنہوں نے از ابتداء تا انتہا بہادر یار جنگ کو اپنا نشانہ بنایا اور سازشیوں کے یہ میر کارواں تھے۔

قائد ملت کے متعلق ان کے خیالات سے ان کے عزائم کا پتہ چلتا ہے:-

''بہادر خاں ایک مہدوی پٹھان تھے، تعلیم تو ایسی نہ ہوئی تھی مگر مطالعہ اور ذہانت نے انہیں طلیق انسان بنادیا تھا اور تقریروں ہی کی کامیابیوں نے بہادر یار جنگ بنادیا۔ حکومت تو حکومت انہوں نے بادشاہی کو بھی خطرہ میں ڈالدیا۔''

(حوالہ: مشاہدات، از: ہوش بلگرامی، ص: ۳۳۵)

اصلاحات اور اتحاد المسلمین کے زیر عنوان مشاہدات میں صفحہ ۲۹۴، ۲۹۵ میں بیان کرتے ہیں۔

مہاتما گاندھی کے اشارہ سے اسٹیٹ کانگریس تو فرقہ واریت کا عذر کر کے علحدہ ہو گئی اور جب آٹھ ہزار سماجیوں نے جیل کی آبادی بڑھادی اور یہ طبقہ اپنی تھیلیاں بھی خالی کر چکا اور ناکامیوں نے اسے تھکا بھی دیا تو حکومت کی طرف سے اصلاحات کے وعدے پر ستیہ گرہ بند کر دی

گئی اور حکومت وسماجی دونوں اپنے اپنے زعم میں اپنی سیاسی کامیابیوں پر نازاں رہے۔

حیدرآباد میں ویسے تو بہت سی انجمنیں بنیں اور بگڑیں مگر اتحاد المسلمین اتحاد بین المسلمین کا نعرہ لگاتی ہوئی حیدرآباد کے گلی کوچوں میں پھری، وہ اسلام کے جملہ فرقوں میں اتحاد پیدا کرانے کا پیام لے کر ابتداءً محمود نواز خاں کے ذریعہ سے متعارف ہوئی۔ ''شیعہ سنی'' کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے ارادے کرتی رہی، مقلد و غیر مقلد کو ایک سطح پر لانے کی تدبیریں سوچتی رہی ''مہدوی و قادیانی'' کو ایک مصلیٰ پر نماز پڑھانا چاہتی تھی۔ جس کے ابتدائی جلسے تو ''میلاد شریف'' کے نام سے ہوتے رہے۔ آخر بہادر خاں اس کے سنسان پلیٹ فارم پر آئے اور ''میلاد النبی'' کے جلسوں میں ان کی تقریریں ادھر ادھر شروع ہوگئیں، ایک جلسہ میں اعلیٰ حضرت نے بھی ان کی تقریر سنی اور اس قدر خوش ہوئے کہ بہادر خاں کو ''بہادر یار جنگ'' بنا دیا۔ جنہوں نے اتحاد المسلمین کی بنیاد رکھی تھی وہ محمود سے ایاز ہوگئے اور اس قدر پیچھے رہ گئے کہ پھر ان کو کسی نے مڑ کر بھی نہ دیکھا اور بہادر یار جنگ بالکلیہ اس کے ''کرتا دھرتا'' بن گئے۔ جب اس کی شہرت بڑھنے لگی اور بہادر یار جنگ کے ''مہدوی پنجے'' اچھی طرح سے گڑ گئے اور ان کی طلاقت لسانیوں نے اس کی بنیادوں کو بہت کچھ مضبوط کر دیا اور علمائے دکن کی بھی لمبی لمبی عبائیں اس میں نظر آنے لگیں تو تدریجی طور پر مذہب میں سیاست کا بھی جوڑ لگا دیا گیا اور انقلاب زندہ باد کے نعرے فضائے دکن میں گونجنے لگے، اتحاد المسلمین ایک انتہاپسندوں کی جماعت بن گئی، حکومت پر نقد و تبصرے ہونے لگے۔ شخصیتوں سے چھیڑ چھاڑ شروع ہوگئی اور قمر باغ میں بادشاہ کا ذکر کچھ اس نہج سے بہادر یار جنگ نے کیا کہ قدامت پسندوں میں ہلچل مچ گئی۔ اور ورنگل کے جلسہ میں بھی ان کی جذباتی زبان بے قابو ہوگئی۔ یہ سب کچھ دیکھ کر بادشاہ نذری باغ میں دم بخود ہو کر رہ گیا۔

سازشی ٹولہ کے ذریعہ یہ بات نظام کے ذہن میں بٹھا دی گئی تھی کہ بہادر یار جنگ مسولینی کا رول ادا کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس خصوص میں خود نظام نے بھی یہ بات کہی تھی، جس سازشی ٹولہ نے ''انا الملکی'' کے نعرے کو کہ، ہم دکن کے بادشاہ ہیں۔

وہ نہیں تو ہم نہیں، ہم نہیں تو وہ نہیں

نوٹ

ہوش بلگرام ـــــــــ ایک بلگرامی

ہوش بلگرامی کا نام ساتویں نظام کے ایک سازشی درباری کی حیثیت سے دکن کی تاریخ میں میر جعفر و میر صادق کی طرح قیامت تک زندہ رہے گا۔

بچپن میں ماں کو چھوڑا' بہنوں سے جدا ہوا اور بھائی کو حسرت سے دیکھا اور وطن سے نکل گیا' پھر زندگی بھر نہ ماں کا منہ دیکھنے کا موقعہ ملا نہ باپ بہنوں اور بھائی کا۔ کسی درسگاہ کا یہ فارغ التحصیل بھی نہ تھا' ابتدائی تعلیم استاد جی کے مکتب میں ہوئی پھر جہاں کی خاک چھانی' پتہ نہیں ابتداء میں کہاں کہاں سکونت رہی' مطالعہ کا شوق پیدا ہوا اور صحبتوں اور مطالعہ سے استعداد علمی پیدا ہوگئی۔ ابتدائی دور میں مصائب کی زندگی سے دوچار رہا اور پھر کسی طرح درباری دنیا میں پہنچ گیا' غالباً دربار رام پور میں پہلی بار قدم جمائے۔

ریاست حیدرآباد کی خوشحالی کے تذکرے ہندوستان بھر میں تھے۔ شمالی ہند سے بہت سے لوگ حصول روزگار میں حیدرآباد آئے۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو صاحب علم و صاحب کردار بھی تھے جن کی دکن میں بڑی پذیرائی ہوئی جن میں عماد الملک سرور جنگ جیسی شخصیتیں شامل ہیں اور بہت سے تو ایسے بھی آئے جنہوں نے ہوشیاری' مکاری' مصلحت پسندی' چرب زبانی' منفی ذہانت سے دکن میں اپنے قدم جمالئے' انہیں میں سے ہوش بلگرامی بھی ایک تھا۔

یہ ۱۹۱۱ء میں آصف سابع کی تاجپوشی کے دور میں حیدرآباد آیا۔ خیریت آباد میں آباد ہوا۔ ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۸ء تک کا زمانہ جدوجہد اور اہل خیر کے رحم و کرم پر بسر ہوا۔ عقد ثانی بھی فرمایا' عماد الملک بلگرامی کی سرپرستی میں ذخیرہ کے نام سے ایک رسالہ نکالا' اس وقت تک امراء عظام تک رسائی بھی پالی تھی۔ ان دنوں یہ کالی قبر دارالشفاء میں سکونت پذیر تھا۔

عمادالملک ہی کے نظر کرم سے حضور نظام کے حضور پیش ہوا۔ کچھ ہی دنوں میں ذخیرہ کے سالگرہ نمبر میں شائع شدہ ایک مضمون پر عتاب ہوا، رسالہ ذخیرہ کی کاپیاں ضبط ہوئیں، پریس بند کر دیا گیا (۱۹۱۸ء) اور ۳ دن کی مہلت حیدرآباد چھوڑنے کے لئے دی گئی، پھر بھوپال، جے پور، گوالیار کی خاک چھانتے پھرے۔

۱۹۱۸ء کے بعد ۱۹۲۷ء میں نہ جانے کس کی سفارش پر ۱۰ سال بعد یہ درباری مسخرہ پھر نظام کی طلب پر حاضر دربار ہوا اور دم آخر تک دکن میں رہا۔ اس دس سال بعد آمد کا حال خود ہوش بلگرامی کی زبانی یوں بیان ہوا ہے۔

''رام پور سے حیدرآباد روانہ ہوا اور چوتھے دن کاچی گوڑہ اسٹیشن پر جب پہنچا تو اعزہ و احباب کا ایک کافی مجموع پذیرائی کے لئے موجود تھا۔ پھولوں کے ہاروں سے گردن موڑ نہ سکتا تھا، حیرت اس پر ہوئی کہ انہوں نے بھی ہار پہنائے جو میری شہر بدری کے باعث ہوئے تھے، سب سے بغلگیر ہوتا ہوا یاقوت پورہ کے اس مکان میں پہنچا جہاں میری بیوی اپنے چچا کے ساتھ ٹھہری ہوئی تھیں۔

دوسرے دن ایک دستار بنی بنائی بازار سے منگوائی، نذر کے لئے چار میناری اشرفی خریدی اور ٹیکسی منگا کر نو بجے کنگ کوٹھی پہنچا، عرض کرایا تو چند منٹ کے انتظار کے بعد حاضر کی اجازت ملی، اندر داخل ہوا، شہ نشیں کے قریب پہنچکر آداب بجالایا، نذر پیش کی اور باتوں کا سلسلہ جو شروع ہوا تو بارہ بج گئے، آخر یہ ارشاد فرماتے ہوئے برخاست کی اجازت دی گئی کہ ''تمہاری باتوں سے سیری نہیں ہوئی، کل پھر ملوں گا'' اس وقت کمال یار جنگ مرحوم بھی باریاب تھے۔ غرض کہ اس روز سے روزانہ باز یابی ہوتی رہی۔ گھنٹوں شرف تکلم بخشا گیا، میری اِدھر اُدھر کی باتوں پر ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے، زانو پیٹنے لگتے تھے، آخر ایک دن خود ہی ارشاد فرمایا ''رام پور اب جا کر کیا کرو گے یہیں رہو'' ہفتہ عشرہ کے بعد فرمان مبارک جاری فرمایا گیا کہ ''ہوش بلگرامی کا تقرر چار سو روپیہ کی جگہ پر عثمانیہ یونیورسٹی میں کیا جائے'' نہ میں درس و تدریس کے فن کو جانتا تھا نہ طلبہ کو افہام تفہیم کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا اور نہ مہذب سرزنش سے ان کی شرارتوں کو کم کر سکتا تھا اس لئے اس خدمت سے خود کو معذور سمجھ کر معذرت کرنی پڑی آخر دو تین ماہ کی دوڑ دھوپ کے بعد انسپکٹری

سیونگ بنک کو قبول کرنا پڑا۔

چھ ماہ کے بعد انسپکٹری سے مہتممی پر ترقی ملی اور اس کے چند ماہ بعد نواب صدر یار جنگ بہادر معتمد فوج نے اپنی مددگاری پر منتقل کرلیا' اس طرح ترقی کرتے کرتے بیس سال میں معتمدی تعمیرات تک پہنچا اور سر مرزا اسماعیل کے صدارت سے مستعفی ہوجانے کی وجہ سے اتحاد المسلمین کی ریشہ دوانیوں کے سبب سے اور یہاں کے سازشی ماحول سے تنگ آ کر جنوری ۱۹۴۸ء سے وظیفہ لے لیا۔

ابتدائی زمانہ میں ایک عرصہ تک روزانہ بارگاہ خسروی میں حاضر ہوتا رہا پھر جمعہ مقرر ہوا' تھوڑے عرصہ تک نہ روزانہ کی حاضری رہی اور نہ جمعہ کی' آخر وہ زمانہ آیا جب اعلیٰ حضرت نے یکا یک یاد فرمایا' اس وقت سے ۱۲/اکتوبر ۱۹۴۸ء تک (تقریباً ۱۷ سال) برابر دو دو گھنٹہ' تین تین گھنٹہ بلکہ چار چار پانچ پانچ گھنٹے تک حضوری میں حاضر رہتا تھا' دن میں دو دو تین تین مرتبہ بھی جانا پڑتا تھا۔ صبح سے نکلتا تھا اور سر شام کہیں گھر کی صورت دیکھتا تھا' معیشت کی ضرورتوں نے ''غلام زریں کمر'' بنا کے چھوڑا۔ بعض اوقات راتوں کو بھی بارہ بارہ ایک ایک بجے تک مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی رہتی تھی' شہ نشیں پر ایک کرسی میرے لئے بھی رکھوادی جاتی تھی' اس پر بیٹھ کر نہ معلوم کیسے کیسے مسائل چھڑتے تھے اور شہزادی پتھروں کی فرش پر کمرہ کی آڑ میں بیٹھی ہوئی سب کچھ سنتی رہتی تھی۔

مغلیہ بادشاہوں کے آداب کا لحاظ یہاں قدم قدم پر ہوتا تھا' رکوعانہ تسلیموں کا طریقہ دستار سر پر اور بکلوس کمر میں جب تک نہ ہو'' غلامانِ زریں کمر'' شاہی محلات کے حدود میں داخل نہ ہو سکتے تھے۔ (حوالہ: ۱۴۶ تا ۱۴۸ مشاہدات' از: ہوش بلگرامی)

نظام کے مزاج میں ہوش بلگرامی نے اتنی جگہ بنالی تھی کہ سازشی ٹولہ کے لئے ہوش کی ذات امید کی کرن بن گئی تھی' وہ کیا قدر مشترک تھا جس نے نظام کو ہوش سے اتنا قریب کردیا تھا۔ یہ سوال بہرحال جواب طلب ہے مگر ایک وقت آیا۔ ۱۹۴۷ء میں اس کا ستارہ عروج' زوال سلطنت آصفیہ تک زوال پذیر رہا۔ جس کا سہرا نواب دین یار جنگ کی ایمان افروز فرض شناسی اور ملک وملت سے ان کی محبت کا یادگار باب ہے۔ ملک کے غدار اور کانگریس کے جاسوس کی

حیثیت سے راز طشت از بام ہوا، بادشاہ سے رعایا تک کو اس کی خبر ہوگئی، ملک کے غدار اور کانگریس کے جاسوس کی حیثیت سے سب سے پہلے جو شخص پکڑا گیا وہ ہوش بلگرامی تھا۔ دربار سے رشتہ ٹوٹا، موٹر نشیں پیدل ہوگیا، سرکاری ٹیلیفون کے تار کاٹ دیئے گئے۔ آمدنی کے سارے وسیع تر ذرائع جو ایک حقیر انسان کو میسر تھے مسدود ہو گئے۔

پھرتے تھے میر خوار کوئی پوچھتا نہ تھا

ہوش کو اب پوری طرح اندازہ ہو چکا تھا کہ ہوش کا بھانڈہ پھوٹ چکا ہے۔ شاہ دکن سے دکن کی رعایا تک انہیں ملک کا غدار اور کانگریس کا جاسوس سمجھتی ہے۔ اس خصوص میں روزنامہ حمایت دکن نے ۸ رجب ۱۳۶۶ھ مطابق ۳۰ رمئی ۱۹۴۷ء کو ایک سخت اداریہ شائع کیا جس میں اخبار مذکور نے لکھا کہ:

"ایک نیوز ایجنسی اس خبر کی ذمہ دار ہے کہ نواب ہوش یار جنگ بہادر نے معتمدی تعمیرات سے استعفیٰ پیش کردیا۔ اگر یہ خبر صحیح ہے تو ہم اس خصوص میں اپنی پالیسی کا اعلان کرتے ہوئے کہ ہم شاہ ذی جاہ کے پرستاروں اور وفاداروں کی خدمت کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں اور جہاں کہیں بھی غداری اور نمک حرامی کا ذرہ برابر بھی خیال گذرے تو ہم اس کی مخالفت بلا لحاظ اس کے اعزاز و مناصب کے کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں کیوں کہ غداروں سے جس حد تک ملک پاک و صاف ہوجائے اچھا ہے۔ شاہ ذی جاہ کے مصاحبین خاص اور معتمدین ایسے افراد ہونا چاہئیں جنہیں شاہ پرستی اور جذبۂ وفاداری کے سوا کچھ یاد نہ ہو۔ ان کا ہر فعل، ہر کام ملک اور مالک کی فلاح و بہبود کے لئے ہو، ہر آن مالک پر قربان ہوا کرے۔

نیوز ایجنسی کی خبر میں صداقت ہے ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ملک جو اس دور ابتلا سے گزر رہا ہے اس میں آپ کا بھی ہاتھ ہے اور ایسے خطرناک شخص کا ذمہ دارانہ خدمت پر برقرار رہنا خطرے سے خالی نہیں، بندگان اقدس و اعلیٰ کا ادنی کرم تھا کہ ایک معمولی ہستی کو معتمدی کی جلیل القدر خدمت پر مامور کیا۔ ان ابذال شاہانہ کا نتیجہ یہ ہونا تھا کہ ہمیشہ ممنون احسان رہ کر وفادرانہ طور پر خدمت انجام دیتے، جس آستانہ بوسی کے صدقہ سے نواب بھی بنے اور امارت بھی ملی مگر اس کے خلاف کانگریس اور کانگریسیوں سے ساز باز کر کے غداری کی، اور متوقع تھے کہ انہیں اس

وفاداری کے صلہ میں کانگریس میں عزت افزائی ہوگی اور مناصب سے سرفرازی ہوگی۔''

جب اقتدار واختیار کی دنیا ان سے چھین گئی' عیش وآرام اور رنگینیاں ان کا ساتھ چھوڑ گئے تو ان کے پاس ان کی ذات سے وابستہ چند یادیں باقی رہ گئیں اور ان یادوں میں ان کی انا نے ان کو ہمہ دانی کے دھوکے میں مبتلا کر دیا۔۱۹۵۱ء میں مشاہدات کے نام سے ۵۴۴ صفحات پر مشتمل ایک کتاب لکھی۔

اس کتاب میں پہلے تو اپنے وطن عزیز بلگرام کی داستاں لکھی بلگرام کے ہر فن کے کامل کا ذکر لکھا لیکن ساری داستاں میں اپنی اصل کا کوئی پتہ نہیں لکھا۔ ہوش بلگرامی۔ ماں باپ کا دیا ہوا نام نہ تھا۔عمادالملک ہی نے ان کا تخلص ہوش رکھا اور وطن کی مناسبت سے بلگرامی ہوئے۔ ماں باپ کے رکھے ہوئے نام کا نہ ان کو پتہ تھا نہ اہل دکن کو۔آصف سابع کو بھی ان کی اصل کی فکر تھی۔ تحقیق کے لئے ۳ آدمی بلگرام روانہ ہوئے۔اصل میں نقل کی اطلاع پا کر آصف سابع بھی پھولوں نہ سمائے۔ان کے ماضی میں گھنگھروؤں کی چھنا چھن کا ذکر' پرانے دور کی ڈومنی کی تصویر کو ابھارتا اور ان کی شخصیت کو اس تصویر کا تصور رنگ دیتا دیکھائی دیتا ہے۔

ہوش بلگرامی کے تعلق سے خود اس سازشی ٹولہ کے ثنا خواں نواب صاحب چھتاری کا قلم بھی کہیں کہیں حق گوئی پر آمادہ نظر آتا ہے۔

''ہوش مرحوم حضور نظام کے مصاحبین میں سے ایک تھے' میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ جب تک برٹش گورنمنٹ اور ریزیڈنٹ سے نظام پر دباؤ نہ ڈلوایا جائے یہاں کام نہیں چل سکتا ۔میں نے ان سے تو جواباً یہی کہا کہ ایسا کرنے سے مجھے حق نمک باز رکھے گا۔مگر میں یہ سوچتا رہا کہ جب خود اعلیٰ حضرت کے مصاحب ایسا مشورہ دیں تو اس کے دو ہی معنیٰ ہو سکتے ہیں یا ہوش خود اپنے آقا کے وفادارانہ تھے یا میری وفاداری کا امتحان مقصود تھا۔''

(حوالہ: یادایام حصہ سوم' از: نواب صاحب چھتاری' ص:۷۵)

حیدرآباد میں چند لوگ نظام کے اسٹاف کے لوگ کہلاتے تھے غالباً ایسے لوگ سب ہی ریاستوں میں ہوں گے' ان کا کام تھا کہ جو کچھ حکمراں کی زبان سے نکلے وہ اسے بڑی آب وتاب کے ساتھ سراہیں اور اپنی طرف سے بڑھا کر تائید کریں۔

ایک واقعہ یاد آرہا ہے۔ شہزادہ معظم جاہ نے ایک بار مجھ سے ہوش یار جنگ کی شکایت کی کہ ہوش نے نظام کے حضور میں تمام اسٹاف کے سامنے ان کی بیوی شہزادی نیلوفر کے متعلق ناشائستہ اور توہین آمیز الفاظ استعمال کیے اور معظم جاہ کو بجا طور پر اس سے تکلیف پہنچی۔ میں نے ہوش یار جنگ کو بلایا۔ یہ نظام کے اسٹاف میں تھے۔ اردو اچھی لکھتے تھے' شاعر اور بہت چرب زبان تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ پرنس معظم جاہ کو شکایت ہے کہ تم نے سرکار کے سامنے پرنس نیلوفر کے متعلق ناشائستہ اور توہین آمیز الفاظ استعمال کیے' ہوش نے اقرار کیا اور اپنی صفائی میں ایک قصہ سنایا جو بہت مشہور ہے۔

ایک رئیس اپنے باغ میں بیٹھے تھے' مصاحبین گردوپیش ہالہ بنائے ہوئے تھے۔ سامنے ایک کیاری میں بیگن لگے ہوئے تھے' رئیس صاحب نے کہا کہ کس قدر خوبصورت معلوم ہوتے ہیں سبز درخت اور اس میں اودے رنگ کے پھل' بس پھر کیا تھا' درباریوں نے بینگن کی تعریف میں قصیدہ خوانی شروع کردی اور اسے جنتی میووں کے قریب پہونچا دیا' یکا یک رئیس نے کہا کہ حکماء اس کو اچھی ترکاری خیال نہیں کرتے' طباً مفید نہیں ہے' درباریوں نے بھی رخ بدلا اور بیگن کی مذمت اور رسوائی میں مبالغہ شروع ہوگیا' ترکاری بدذائقہ ہوتی ہے' خون غیر صالح پیدا کرتا ہے' درخت میں لگے ہوں تو یہ معلوم ہوتے ہیں کہ مردہ چوہے لٹک رہے ہیں' نہ صورت خوشنما نہ سیرت اچھی۔ رئیس نے کہا کہ ابھی تو آپ لوگ اتنی تعریف کررہے تھے' اس پر ایک درباری نے کہا کہ حضور ہم آپ کے نوکر ہیں بیگن کے نہیں۔ اس کے بعد ہوش نے کہا کہ میں نظام کا نوکر ہوں جس کو وہ برا کہتے ہیں ان سے زیادہ برا کہتا ہوں۔ جس کی سرکار تعریف کریں میں بھی قصیدہ خوانی شروع کردیتا ہوں۔ (حوالہ: یادایام' از: نواب صاحب چھتاری' حصہ سوم ص ۱۲۳)

صرف اسی ایک واقعہ سے ہوش کی سفلہ مزاجی کا پتہ چل جاتا ہے۔ یہ بات مارچ ۱۹۳۶ء کی ہے۔

نظام نے جب دلی کا سفر کیا تھا ہوش بلگرامی ہمراہ تھے' دہلی کی جامع مسجد میں نماز جمعہ پڑھ کر نظام باہر نکل رہے تھے اور نظام کی سکیورٹی کے لوگ نظام کے اطراف حلقہ بنائے ہوئے تھے' (سکیورٹی اسٹاف تین حلقوں پر مشتمل ہوتا تھا اور نظام درمیان میں ہوتے) (ان دنوں جناب

محمد رحمٰن خاں بوزی ساکن چنچل گوڑہ انسپکٹر آف سکیورٹی برائے رائل فیملی اور (V.I.P) تھے۔

جب بھی وائسرائے آتا' یا کوئی مہمان خصوصی یا نظام باہر نکلتے ان سے ایک فٹ کے فاصلے پر جو شخص ان کے قریب ہوتا وہی محمد رحمٰن خاں تھے۔

نظام کو دیکھنے کے لئے اس قدر اژدہام تھا کہ تھالی پھینک دیتے تو زمین پر نہ گرتی۔ اس اژدہام میں ہوش بڑی کوشش سے نظام کے قریب پہنچنے کے لئے کوشاں تھے۔ تاکہ اہل دلی یہ جان سکیں کہ نظام سے انہیں کتنی قربت حاصل ہے۔ پہلا حلقہ توڑ کر اندر داخل ہوئے۔ جناب رحمٰن خاں بوزئی صاحب کو اطلاع ہوئی' انہوں نے اشارہ کیا کہ اسے آنے دو' اس طرح تیسرے حلقے میں وہ آ گیا۔ جب ہوش تیسرے حلقے میں داخل ہوا حسب اشارہ کسی سکیورٹی آفیسر نے انہیں ہلکا سا دھکا دے دیا بس اب کیا تھا ان کا کندھا ذرا سا نظام سے ٹکرا گیا۔ نظام کی آواز بڑی گرج دار تھی' برہم ہو کر کہا ''ہوش اندھے''۔

بس نظام کی زبان سے یہ ادھورا جملہ ادا ہوا اور ہاتھ پکڑ کر انہیں سکیورٹی کے تینوں حلقوں سے بے عزتی کے ساتھ باہر کر دیا گیا۔ ہزاروں لوگ جو وہاں موجود تھے یہ منظر دیکھ رہے تھے اور لطف اندوز ہو رہے تھے۔

رحمٰن خاں بوزئی صاحب فرماتے تھے کہ اس واقعے کے بعد ایک زمانے تک ہوش بلگرامی نے مجھ سے آنکھ نہیں ملائی۔

اس واقعے سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ نظام سے قربت کے باوجود نظام ہوش کے حقیقی مقام سے بھی آگاہ تھے۔

ہوش بلگرامی کی کتاب مشاہدات جس وقت شائع ہوئی اس کا پیش لفظ کے یم منشی سے لکھوایا گیا جب کہ وہ وزیر زراعت اغذیہ حکومت ہند کے عہدے پر فائز تھے۔

اس مقدمے میں ہوش کے کانگریسی جاسوس ہونے اور نظام سے ان کی قربت کی آگاہی (جس قربت کی بناء پر ہوش کے خدمات سے انڈین یونین نے استفادہ کیا) کا کھلا ثبوت ملتا ہے۔

''میں مشاہدات کا پیش لفظ لکھنے پر بڑی مسرت کے ساتھ آمادہ ہوا جو میرے حیدرآبادی دوست نواب ہوش یار جنگ کی ایک قسم کی سوانحی یادداشت ہے۔

مجھے مصنف سے ملنے کا موقعہ اس جنونی دور میں ملا تھا جب میں حیدرآباد میں حکومت ہند کے ایجنٹ جنرل کی حیثیت سے اپنی سرکاری قیام گاہ ''دلکشا سدن'' میں رہتا تھا' اس وقت رضا کاروں کی جماعت کا ایک دشمن گروہ میرے اطراف گھیرا ڈالے ہوئے تھا اور قدم قدم پر جاسوس لگے ہوئے تھے اور میں چار دیواری میں بند رہنے پر مجبور ہوگیا تھا' ان حالات کو دیکھتے ہوئے میرا یہ فرض تھا کہ میں اس دیوار کو توڑ دوں جو لائق علی حکومت نے میرے اطراف کھڑی کی تھی اور اس خفیہ سازش کا بھی پتہ چلاؤں جو ہندوستان کے خلاف ہو رہی تھی' اسی دوران میں مجھے مصنف کے متعلق علم ہوا۔''

یعنی کہ' ایم منشی ایجنٹ جنرل کو اس وقت یہ علم ہوا کہ سازشی گروہ کے سرغنے ہوش بلگرامی کے بغیر راز معلوم کرنا ممکن نہیں ہے' آگے وہ پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

''ان دنوں وہ (ہوش بلگرامی) روزانہ نظام کی پیشی میں رہا کرتے تھے اور نواب دین یار جنگ کوتوال وقت کو بھی یہ اعزاز حاصل تھا۔

نواب دین یار جنگ اور مصنف (ہوش بلگرامی) جو پکے درباری تھے نظام کے سامنے تو گہرے دوست دیکھائی دیتے تھے لیکن ایک دوسرے کے مخالف اور متضاد پالیسی کے حامل تھے۔ نواب دین یار جنگ انڈین یونین کے سخت مخالف تھے۔''

اس طرح کے' ایم منشی نے نواب دین یار جنگ کے دیندار اور بہ ایمان ہونے کی اور ہوش بلگرامی کے غدار وطن ہونے کی تصدیق کی' ''ہوش بلگرامی کی بول چال نہایت دلکش ہوتی ہے' وہ واقعات کے بیان کرنے میں بڑے مشاق ہیں اور گھنٹوں دل کو لبھانے والی گفتگو کر سکتے ہیں' نظام ہوش بلگرامی کو اپنی پیشی میں اس لئے رکھتے تھے کہ وہ نواب دین یار جنگ کا توڑ کر سکیں اور دوسری طرف نظام خود ان دلچسپیوں کے بغیر رہ نہیں سکتے تھے' جو مصنف کی گفتگو پیدا کرتی تھی'' سچ ہے ؎

ہزار شمع فروزاں ہوں روشنی کے لئے
نظر نہیں تو اندھیرا ہے آدمی کے لئے

آثار و قرائن کی بنیاد پر مضمون نگار نے جو نتائج بیان کئے ہیں اس کی تفصیل سے قبل ان کے مضمون کے پہلے اس حصے کو پیش نظر رکھا جائے جو سازشی ٹولہ سے متعلق ہے تاکہ ان متعلقہ سطور

میں یہ بیان مکمل ہو جائے۔

''یہ جماعت کوئی عوامی سیاسی جماعت نہ تھی، نہ یہ کوئی انجمن یا مجلس تھی، یہ ایک سازشی ٹولہ تھا' اس لئے بہادر یار جنگ کے خلاف کھلم کھلا کوئی تحریک ہندوؤں یا مسلمانوں میں نہیں چلا سکتا تھا دوسرے اس ٹولے کے افراد باہم گر عزیز و رشتہ دار تھے اور ان میں عقائد اور مفادات کا اشتراک بھی تھا' ان میں سے بیشتر افراد ذہن و فریس بھی تھے اور اس ٹولہ کا ایک فرد (علی یاور جنگ) جو دراصل اس جتھے کا '' دماغ'' تھا اس کو بہادر یار جنگ ''الذہین الخبیث'' کہا کرتے تھے اور حیدر آباد کا ایک ''امیر کبیر'' سر سالار جنگ آخر جو خود کبھی ریاست کے سیاہ سفید کا مالک رہ چکا تھا اور جس کے خاندان میں وزارت عظمیٰ کا منصف جلیلہ گردش کرتا رہتا تھا۔ اس ٹولہ کا سر پرست اعلیٰ تھا۔ وہ حیدر آباد کی وزارت عظمی کو اپنا خاندانی استحقاق سمجھتا تھا۔ اس ٹولہ کے کچھ افراد تو حکومت کے کلیدی عہدوں پر قابض تھے اور کچھ نظام کے دربار میں اثر و رسوخ رکھتے تھے' اس لئے ان کا طریقہ کار (MODUS OPERANDI) یہ تھا کہ پہلے نظام کو بہادر یار جنگ کے خلاف بھڑکایا جائے' پھر حکومت کی مشینری کو حرکت دی جائے' جن آثار و قرائن کی بناء پر میں اس ٹولہ کو موردالزام گردانتا ہوں وہ درج ذیل ہے۔

(الف) یہ ٹولہ بہادر یار جنگ کا ان کی ابتدائی سیاسی زندگی ۱۹۳۸ء سے آخر تک مخالف رہا۔ ۳۹۔۳۸ء میں جب بہادر یار جنگ نے مسلمانان حیدر آباد کی سیاسی برتری کا اعادہ کیا تو اس ٹولے نے ان کی مخالفت کی۔''

''حیدر آباد کے مستقبل کی صورت گری قائداعظم کے ذہنی نقشہ کے مطابق ہوتی، جس میں اس ٹولے کا یقیناً کوئی مقام نہ ہوتا۔ اس کے برعکس یہ ٹولہ ریاست کی سیاست کو اپنے مفادات حاصلہ کے تحفظ کے خاطر اسی ڈگر پر چلانا چاہتا تھا جس سے کانگریس سے رشتہ جڑتا اور قائد سے رشتہ ٹوٹ جاتا تھا لہذا اندرون حیدر آباد اور بیرون حیدر آباد بہادر یار جنگ کی پوزیشن کا یہ استحکام اور ان کا یہ سیاسی عروج اس ٹولے کے گلے کا پھندا بن گیا تھا اور بہادر یار جنگ کا وجود اس گروہ کے لئے نا قابل برداشت ہو گیا تھا اور ان کو یہ اندازہ ہو گیا کہ حالات ایک ایسے فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہو گئے ہیں کہ بہادر یار جنگ کو مزید موقع ملا تو یہ جتھا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قہر و مذلت میں

گر جائے گا اس لئے بہادر یار جنگ کو ہٹا کر موجودہ اور آئندہ کے تمام مواقع اپنے لئے محفوظ کر لینا چاہیئے۔ میری دانست میں بہادر یار جنگ کا یہ سیاسی عروج اس ٹولے کی گھناؤنی سازش کے باعث بنا اور اس نے اس نوعیت پر یہ فیصلہ کیا کہ بہادر یار جنگ کے برسر اقتدار آنے سے پہلے ہی انہیں ملک کے سیاسی نقشہ ہی سے نہیں، صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے اور اس کے لئے اس نے پوری ذہانت اور عیاری سے کام لے کر بہادر یار جنگ کے ایک دوست کے گھر دعوت کے موقع کا انتخاب کیا اور حقہ کے کش کا انتظام کیا تا کہ اصل مجرمین کے چہروں پر آخر وقت تک پردہ پڑا رہے اور کسی کا گمان بھی ان کی طرف جانے نہ پائے اور یہی مصلحت تھی حقے کو غائب کر دینے کی!

۳۔ تیسرا اور سب سے محکمہ قرینہ، اس ٹولے کو مورد الزام قرار دینے کا یہ ہے کہ بہادر یار جنگ کی موت پر حیدرآباد اور بیرون حیدرآباد کوئی آنکھ ایسی نہ تھی، جو روئی نہ ہو۔ لیکن اس ٹولے کے سرگرو (سرسالار جنگ آخر) نے اپنے محل (دیوان دیوڑھی) میں بہادر یار جنگ کی خبر رحلت سن کر مٹھائی تقسیم کی۔ اس واقعہ کا چشم دید گواہ اس امیر کبیر کا خادم خاص آج بھی حیات ہے اور کراچی (لانڈھی) میں سکونت پذیر ہے۔

۴۔ بہادر یار جنگ کے وفات کے بعد، حیدرآباد میں جو سیاسی واقعات پیش آئے وہ بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ زہر خورانی کا یہ حادثہ اسی ٹولے کے کرتوتوں کا نتیجہ تھا۔ بہادر یار جنگ کی وفات کے بعد سے سقوط حیدرآباد تک ریاست میں جو بعض اہم اقعات رونما ہوئے انہیں مختصراً درج کیا جاتا ہے۔

پہلا اور اہم واقعہ یہ پیش آیا کہ ابوالحسن سید علی صاحب نے جو بہادر یار جنگ کے بعد ان کے سیاسی جانشیں اور مجلس اتحادالمسلمین کے صدر منتخب ہوئے تھے انہوں نے اپنی عاملہ اور مجلس شوریٰ کے علم و اطلاع کے بغیر ریاستی کانگریس کے ہندو لیڈر راما چاری سے سرسالار جنگ کی سرپرستی میں ان ہی کے محل میں خفیہ معاہدہ کر لیا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کی تحریک بہادر یار جنگ کی زندگی میں بھی چلی تھی اور خود انہوں نے ہندو لیڈروں سے متعدد بار مذاکرات کئے تھے لیکن ان مذاکرات میں کسی امیر کبیر نے کبھی کوئی دلچسپی نہیں لی، مگر بہادر یار جنگ کے انتقال کے بعد ابوالحسن سید علی اور راما چاری کے مذاکرات سالار جنگ کی دیوڑھی میں

ہوئے اوران کی موجودگی میں خفیہ معاہدہ طئے پایا۔کیا یہ سب امور معنی خیز نہیں ہیں۔

اس خفیہ معاہدہ کی وجہ سے ابوالحسن سید علی کے خلاف مسلمانوں کا شدید ردعمل ہوااورانہیں صدارت مجلس اتحادالمسلمین سے مستعفی ہونا پڑا۔

آخر میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ کرنے کا ''انعام'' اس ٹولے کو کیا ملا؟ وہی جو وہ چاہتا تھا وہی بہادر یار جنگ کی وفات کے بعد سے سقوط حیدرآباد تک یہ ٹولہ بدستور مملکت آصفیہ کے دروبست پہ چھایا رہا' کلیدی عہدے اور مناصب اسی کے قبضہ میں رہے' دربار میں بھی سرخرو رہااور سرکار میں بھی۔ پھر سقوط حیدرآباد کے بعد بھی اس ٹولے کی چاندی ہی چاندی تھی۔ اس ٹولے کے افراد' بھارت میں گورنر سفیر اور وزیر بنے۔سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس ٹولے کے کسی کارکن کا کوئی سیاسی کیریر نہیں تھا۔ان میں سے کوئی بھی کانگریس کا لیڈر تو کجا معمولی کارکن یا دوآنہ کارکن بھی نہ تھا۔علمی قابلیت کے لحاظ سے سوائے ایک فرد کے کسی کے پاس نہ کوئی اعلیٰ ڈگری تھی نہ کوئی اعلیٰ معیار کا تجربہ' لیکن ان ہی میں سے ایک صاحب (زین یار جنگ) کے فرزند سعادت علی خاں جو لشتم پشتم میٹرک پاس کر سکے تھے اور انگلستان میں تین سال تک قیام رکھنے کے بعد باوجود وہاں سے کوئی معمولی ڈپلوما سرٹیفکیٹ بھی حاصل نہ کر پائے تھے وہ بھارتی وزیر اعظم جواہر لال نہرو کے پارلیمانی سکریٹری بنے اور پھر اس سے بھی بلند تر عہدے پر سرفراز کئے گئے۔ آخر یہ کن ''خدمات جلیلہ'' کا انعام تھا؟ یہ انعام تھا حیدرآباد کی سیاست کو قائداعظم اور مسلم لیگ سے بے تعلق کر کے کانگریس سے منتھی کرنے اور اس طرح حیدرآباد کو پکے ہوئے پھل کی طرح بھارت کی گود میں ڈالنے کا! اور یہ گروہ اس ''خدمت جلیلہ'' کو انجام دینے کے قابل اسی وقت ہوسکا جب کہ اس نے بہادر یار جنگ کا گلا زہریلے تمباکو کے دھوئیں سے گھونٹ دیا! اسی لئے میں کہتا ہوں کہ حیدرآباد (۱۷ ستمبر ۴۸ء کو نہیں۔ ۲۶ رجون ۴۴ء کو ختم ہوگیا جب بہادر یار جنگ نے آخری ہچکی لی)۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۹۳۸ء سے سازشی ٹولہ برابر مصروف بکار رہا اور یہی وہ ٹولہ ہے جس کے افراد' پولیس ایکشن کے بعد بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز ہوئے۔

اس سازشی ٹولہ کے خدمات جلیلہ کے باعث حیدرآباد کو پکے ہوئے پھل کی طرح بھارت کی گود میں ڈالنے کا سہرہ ان ہی قوم فروشوں کے سر ہے اور اسی ٹولہ نے بہادر یار جنگ کا گلہ زہریلے تمباکو کے دھوئیں سے گھونٹ دیا۔ کچھ نام در پردہ بھی ہیں جو اس سازشی ٹولے کے رکن رکین رہے ہیں۔

علی یاور جنگ کا بھی اس میں ذکر ہے اس تعلق سے خود ہوش بلگرامی نے لکھا ہے کہ:

''اتحادی قائدین علی یاور جنگ کے داؤ پیچ سے گھبراتے تھے اور ان کو اس کا اندیشہ لگا رہتا تھا کہ نہ معلوم کس دن یہ بنی بنائی عمارت کو ڈھا دیں اور کس وقت ایسا چکمہ دیں کہ اتحادی چاروں خانے چت ہو جائیں۔ دونوں منافعت سے ملتے جلتے تو تھے اور ٹیلیفون سے باتیں بھی ہوتی رہتی تھیں مگر دونوں ایک دوسرے کو زیر کرنے کا موقع تلاش کرتے رہتے تھے۔''

(حوالہ: مشاہدات' از: ہوش بلگرامی' ص:۳۵۸)

اس طرح علی یاور جنگ کے سازشی مزاج کا ہوش بلگرامی نے کھلے عام اعتراف کیا ہے۔ ہم لاکھ کوشش کے باوجود نواب صاحب چھتاری کے اس سازشی گروپ سے تعلق خاطر کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ انہوں نے سازشی ٹولہ کے خلاف اہل دکن کے احساسات نفرت کو ملکی غیر ملکی کے زیر عنوان ایک نیا راستہ دیا ہے اور جگہ جگہ اس سازشی ٹولہ کے افراد کی تعریف کی ہے۔

''میں نے حضور نظام کی تجویز کو منظور کر لیا لیکن حیدرآباد جانے میں ذہنی خلجان تھا۔ حیدرآباد کے متعلق عجیب خبریں مشہور تھیں' درباری سازشیں جو شخصی حکومت میں ہونا لازمی ہیں' حکمراں کی مداخلت' گروہ بندی وغیرہ''۔ (حوالہ: یادایام' ص:۵)

''میں نے اپنے عہدے کا جائزہ پہلی ستمبر ۱۹۴۱ء کو لیا۔ اگست کے مہینہ میں روزانہ اجنبی حضرات کے خطوط حیدرآباد سے آتے تھے' جو متضاد پند و نصائح اور مشوروں سے پر ہوتے۔ درباری سازشوں کے قصے' گروہ بندی کی کہانی بڑی آب و تاب سے بیان کی جاتی تھیں۔ درباری سازشوں کا سرچشمہ نواب کاظم یار جنگ کو بتایا جاتا تھا۔ (وہ معین انصاری کیبنٹ کے سکریٹری تھے) کے طرفدار تھے۔ یہ بعد کو معین نواز جنگ کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ یہ دونوں حضرات ملکی گروہ کے قائدین میں سے تھے۔''

یعنی ملکی گروہ کی قیادت کرنے والے بے ایمان لوگ نواب صاحب چھتاری کی نظر میں درباری سازشی تھے۔

''غیر ملکی حضرات میں بلگرامی خاندان کے لوگوں کو خاص طور پر نشانہ بنایا جاتا تھا۔ یہ خاندان تین پشت سے حیدرآباد میں رہتا چلا آرہا تھا۔نواب عمادالملک مرحوم سے لیکراس زمانے تک جب میں گیا حیدرآباد کی قابل قدر وفادارانہ خدمات اس خاندان کی تھی مگر غیر ملکی دھبہ نہیں مٹا تھا' اس خاندان کے لوگوں میں نواب علی یاور جنگ کے ساتھ خاص طور پر حسد اور بدگمانی تھی' نواب علی یاور جنگ کی بہت ممتاز شخصیت تھی' ان کی علمی قابلیت' فہم اور زمانہ شناسی حیدرآباد میں بے مثل تھی ۔ وہاں وزیر بھی رہے اور حیدرآباد کی تباہی کے بعد حکومت ہند نے U.N.O میں ہندوستان کے نمائندے کی حیثیت سے بھیجا۔'' (حوالہ: یادایام' از نواب صاحب چھتاری' ص:۷۶)

نواب صاحب چھتاری کا راست ربط و تعلق اسی سازشی ٹولہ کے ساتھ رہا کیوں کہ وہ بھی واردھا کے فسوں گر کے چرن چھونے والوں میں سے ایک تھے۔

''۶ رجون ۴۷ءکو دہلی گیا۔مہاتما گاندھی جی سے ملا۔ میں نے کہا کہ مہاتما جی جب پہلی بار چھ برس ہوئے میں حیدرآباد گیا تھا تو آپ نے مجھے مبارکباد کا خط لکھا تھا۔ اب میں پھر حیدرآباد جارہاہوں' آپ کی آشیرواد چاہتا ہوں۔مہاتما گاندھی نے کہا کہ ان کی آشیرواد اس شرط کے ساتھ ہے کہ حیدرآباد کے لوگوں کو خوش رکھوں ۔ میں نے کہا مسز نائیڈو حیدرآباد کی ہیں ان سے پوچھئے اور یوپی کے متعلق پنتھ جی سے پوچھئے کہ میں نے کبھی فرقہ وارانہ نظر سے کوئی کام کیا۔ رخصت ہوتے وقت مہاتما جی نے کہا' خوش رہو' خوش رکھو۔ مہاتما جی نے ایسا جامع اور پر معانی فقرہ کہا کہ جسے میں کبھی نہ بھول سکا۔ (حوالہ: یادایام' از: نواب صاحب چھتاری' ص:۲۳۳)

ایک حافظ قرآن اور ایک مسلم ریاست کا صدر اعظم' گاندھی جی سے آشیرواد لے۔ اس سے بڑھ کر اس شخص کی اپنی قوم اور متعلقہ ریاست کے مسلم مفادات سے غداری کا اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے۔

اب ذرا قائداعظم سے متعلق بھی ان کی تحریر پر غور مطلوب ہے۔

''مسٹر جناح سے ملاقات ہوئی' ان کا طرز گفتگو بالکل ایک طرفہ تھا۔ وہ اس پر زور دیتے

تھے کہ سر سی پی راما سوامی آیر (جو ریاست ٹراونکور کے دیوان تھے) کی طرح حکومت ہند سے مجھے بھی لڑنا چاہیئے۔ میں نے یہ بھی کہدیا کہ میں پنڈت نہرو سے بھی ملوں گا' بس اس پر بگڑ گئے اور کہاں تم اس مغرور سے مل کر کیوں اپنے آپ کو ذلیل کرتے ہو۔

شام کے ساڑھے چار بجے پنڈت جی سے ملا...... وہ چپ سنتے رہے' کہا کچھ نہیں'' ہوا وہی جو قائداعظم نے کہا تھا۔

۱۷ رجون ۴۷ء کو صبح سردار پٹیل سے نواب صاحب چھتاری ملے اوران سے کہا کہ :

''آپ کی پارٹی کے مقامی لیڈر سرکار کو برا بھلا کہتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ پہلے ان کا کام فقط شورش پھیلانا تھا اور اب انتظام کرنا اور ہر شورش کو روکنا ان کا فرض ہے۔''

(حوالہ: یادِ ایام' از: نواب صاحب چھتاری' ص: ۲۲۵ سے ۲۲۷)

سردار پٹیل نے ان کی رائے سے اتفاق کیا۔

سردار پٹیل کا آشیرواد لے کر واپس ہوئے' سردار پٹیل سے ان کی جو گفتگو ہوئی وہ یہ کہ کانگرسیوں کا کام پہلے شورش پھیلانا تھا' اس میں وہ کامیاب ہو چکے ہیں' اب انتظام حکومت ان کے ہاتھوں میں آئے گا اس لئے اب ہر شورش کو روکنا کانگرسیوں کا کام ہونا چاہیئے۔

ان چند حوالوں سے یہ بتانا مقصود تھا کہ نواب صاحب چھتاری کو مسلم مفادات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ یہ ایک مرعوب ذہنیت کے قوم پرست مسلمان تھے اور کانگرس کے ایجنٹ' یہی وجہ تھی کہ از ابتداء تا انتہا یہ سازشی ٹولہ کا اور کانگرس کا ساتھ دیتے رہے۔

سازشی ٹولہ' اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف رہا اور کامیاب بھی۔ اسباب مخالف میں صرف سازشی ٹولہ کے مفادات کا متاثر ہونا ہی شامل نہ تھا اور بھی اسباب وعوامل تھے۔ سازشی ٹولہ تو مطلوب تھا...... مقصود کا...... آگے اس پر بحث ہوگی۔

اس باب میں سازشی ٹولہ کے تعلق سے جتنی حقیقتوں کا اظہار کیا گیا ہے اس سے کوئی بھی واقف انکار نہیں کرسکتا' سازشیوں کی یہ مختصر فہرست ہے' ساتھ ہی سیاسی عوامل میں بہادر یار جنگ کی شہادت کا پس منظر اور وسیع تر ہے۔

ہم اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرسکتے کہ نظام کی رعایا پوری طرح نظام کی گرفت میں

تھی۔ جاپانی عوام کی طرح دکن کے عوام بھی بادشاہ کی ذات کو قابل پرستش سمجھتے تھے۔ علماء' امراء' مشائخین اور سر براہ حکومت شخصیتوں کی ہر حرکت پر نظام کی نظر تھی۔ نظام ان کے شخصی خیالات' خاندانی حالات' کمزوریوں اور خوبیوں سے پوری طرح واقف تھے اور ہر ہر لمحہ کی انہیں خبر ملتی رہتی تھی۔

یہ حقیقت کسی ثبوت کی محتاج نہیں کہ دکن کی سیاست کا محور' والی ریاست نواب میر عثمان علی خاں کی مزاج شناسی کے سیاسی دائرے میں محدود تھا' بد قسمتی یہ تھی کہ ان کی شخصی اور نجی کمزوریوں کے باعث' ان کی مزاج شناس شخصیتوں میں جو لوگ شامل تھے وہ ایک خاص مکتب فکر کا حامل ٹولہ تھا جس کا تعلق مفادات حاصلہ سے تھا ان کے مزاج کے مطابق انہوں نے سفلہ نوازی کو شعار بنایا۔ جس کے باعث یہ سازشی ٹولہ قریب سے قریب تر ہو گیا۔ لیکن یہ ماننا پڑے گا۔ کہ نظام کی مرضی اور منشا کے بغیر مطلوب انسان (سازشی ٹولہ) اتنا بڑا اقدام کرنے کی جرأت تو بڑی بات ہے ہمت بھی نہیں کر سکتے تھے۔

تجزیہ حالات و واقعات کی روشنی میں کیا جائے تو نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ کٹ پتلی کا ناچ ہوا۔ ناگ نے اذاں دینے والے سفید مرغ کے گلے کو ڈس لیا۔ مؤذن حق کی آواز سدا کے لئے خاموش ہو گئی مگر ڈور کے کنارے پر رقص کرنے والی کٹھ پتلی' ناچتے رہے اور ڈور کے کنارے پر ہر دور میں ہر بادشاہ نے نت نئے اشارے پر ڈور کے کنارے پر کٹھ پتلی کو نچایا ہے۔ اور سانپ کی آواز پر رقص کرتا رہا۔ حقائق زیر نقاب تھے اس لئے یہ عنوان آج تک حقائق کی کھلی کتاب نہ بن سکا۔

کیسے سمجھوں کہ لب بام نہیں ہے کوئی
جب میں روتا ہوں تو ہنسنے کی صدا آتی ہے

اپنے مضمون کے چوتھے فقرے میں فاضل مضمون نگار نے حکومت برطانیہ کے اس سازش میں ملوث ہونے کے خیال کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایک نظریہ یہ ہے کہ زہر خورانی کا یہ واقعہ برطانوی حکومت کے اشارۂ چشم و ابرو کا نتیجہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ برطانوی حکومت بہادر یار جنگ سے سخت ناراض تھی اور یہ ناراضگی اس وقت انتہا کو پہنچ گئی جب دوسری جنگ عظیم کے چھڑ جانے کے بعد بہادر یار جنگ نے مساعی جنگ

میں رکاوٹ پیدا کرنے کی مہم چلائی تھی۔''

ہندوستان چھوڑ دو تحریک کے بانی گاندھی جی کو برطانوی حکومت نے نہ صرف معاف کر دیا بلکہ سینے سے لگایا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بہادر یار جنگ کو زہر دے دیا۔

''علاوہ ازیں خود قائداعظم نے ۱۹۴۳ء کے وسط میں بہادر یار جنگ کو وائسرائے کے مشیر برائے ریاست ہائے ہند سر فرانسس وائیلی سے دہلی میں ملایا تھا۔ یہ بڑی اہم سیاسی ملاقات تھی۔ اس ملاقات میں سر فرانسس وائیلی بہادر یار جنگ کی سیاسی فراست و تدبر سے بے حد متاثر ہوا تھا اور اس کے بعد اس نے وائسرائے کو جو مشورہ دیا تھا اس کی وجہ سے بہادر یار جنگ اور ان کی سیاسی سرگرمیوں کے بارے میں برطانوی حکومت کی پالیسی کا رخ تبدیل ہو گیا۔''

اس بیان میں تین نکات بیان کئے گئے ہیں:

''بہادر یار جنگ نے مساعی جنگ میں رکاوٹ پیدا کرنے کی مہم چلائی تھی۔'' جو مبنی بر حقیقت نہیں ہے۔ البتہ قائداعظم نے اس خصوص میں بیان جاری فرمایا تھا کہ وار کونسلر اور نیشنل وار فرنٹ کی کمیٹیوں میں مسلمان شریک نہ ہوں۔ اس طرح قائداعظم نے مسلمانوں کو مساعی جنگ میں حصہ لینے سے منع فرمایا تھا۔ اس خصوص میں ریاستی مسلمانوں کا موقف سیاسی حیثیت سے بھی جدا تھا۔ قائد ملت نے قائداعظم سے اختلاف رائے کا اظہار کرتے ہوئے اپنے اختلافی نقطۂ نظر کی وضاحت فرمائی اور قائداعظم سے اس کے لئے رہنمائی چاہی۔

وار کونسلز اور نیشنل وار فرنٹ میں شریک نہ ہونے کی نسبت آپ کے جو بیانات اخبار میں شائع ہوئے ہیں ان کو پڑھ کر ریاستی مسلمان مجھ سے دریافت کر رہے ہیں کہ ان کو حدود ریاست کے اندر اپنے رئیس کی امداد کے لئے اس قسم کی کمیٹیوں میں شریک ہونا چاہئیے یا نہیں۔ میں ذاتی طور پر یہ رائے رکھتا ہوں کہ آپ نے جس بنیاد پر برطانوی ہند کے مسلمانوں کو مساعی جنگ میں حصہ لینے سے منع فرمایا ہے وہ ریاستوں سے تعلق نہیں رکھتے ہیں۔ آپ بجا طور پر یہ خیال فرماتے ہیں کہ جب تک حکومت ہند میں مسلمانوں کو موثر اشتراک عمل کا موقعہ نہ ملے ہمارا برطانوی ہند میں جنگی مساعی میں حصہ لینا قطعاً نامناسب ہے لیکن ریاستوں میں یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا' وہاں مسلمانوں کا برطانوی حکومت سے راست تعلق نہیں ہے' ان کے رؤسا حکومت برطانیہ سے چند

معاہداتی ذمہ داریاں رکھتے ہیں اور حکومت برطانیہ کی امداد پر مجبور ہیں۔ اب اگر مسلمانان ریاست مساعی جنگ میں امداد سے دریغ کرتے ہیں تو یہ انکار حکومت برطانیہ سے نہیں ہوتا بلکہ اپنے رئیسوں کے مقابلہ میں انکار بن جاتا ہے۔ اسی لئے میں یہ سمجھتا ہوں کہ جن ریاستوں میں رئیسوں نے مسلمانوں کے حقوق کا لحاظ کیا ہے اور کبھی ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا وہاں مسلمانوں کو ان کی امداد سے روکنا نامناسب ہوگا۔

امید کہ آپ بعجلت ممکنہ جواب مرحمت فرما کر مجھے ممنون فرمائیں گے۔

(حوالہ: خط موسومہ قائداعظم خط نمبر ۳۱۴ مورخہ ۱۴ر جولائی ۴۲ء ص: ۳۳۱، ۳۳۲ مشمولہ مکاتیب بہادر یار جنگ۔ کراچی)

قائداعظم جب قائد ملت کی رائے سے متفق ہوئے تو نواب صاحب نے مساعی جنگ میں انگریزوں کی امداد میں پوری دلچسپی سے حصہ لیا۔ یہ ان کے سیاسی تدبر کا ثبوت تھا۔ ''برطانیہ ہند کے طول و عرض میں حالات کی رفتار حکومت کے ارباب حل و عقد کو دعوت فکر دے رہے ہیں، اس حصہ ملک کا سیاسی مرتبہ شدید انقلابی دور سے گذر رہا ہے۔ خواہ ''ویسٹ منسٹر قانون'' کے مطابق ہی کیوں نہ ہو وہ آزادی حاصل کرنے کے قریب ہے۔''

(حوالہ: بہادر یار جنگ کی سیاسی تقاریر، مرتبہ نذیر الدین احمد، ص: ۱۶۵، ۱۶۶، ناشر بہادر یار جنگ اکیڈیمی حیدرآباد)

ایسی صورت میں وہ انگریزوں کی حربی کارخانوں کے ذریعے امداد کے زیر عنوان، یہ چاہتے تھے کہ حیدرآباد میں آلات حرب کے کارخانے قائم ہوں تا کہ مابعد جنگ جب ہندوستان سے انگریز چلا جائے تو حکومت حیدرآباد اس قابل رہے کہ اپنی ضروریات اور تحفظ کے لئے کسی کا محتاج نہ رہے۔ مجلس اتحاد المسلمین نے اس خصوص میں اپنی یادداشت حکومت کو پیش کی، جو سیاسی بصیرت کی آئینہ دار تھی۔

یادداشت

موجودہ فوجی امداد وقار مملکت کے اعتبار سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی

۱۔ حکومت مسلمانان حیدرآباد کے اس مستحکم ایقان سے ناواقف نہیں کہ ہٹلریت کے خلاف برطانیہ کی مہیب کشمکش نہ صرف اس کی حریت کی بقا کی خاطر بلکہ اس کے ہر اتحادی اور حلیف کے تحفظ کے لئے جاری ہے۔ مسلمان اس حقیقت کو معلوم کر کے مطمئن اور مسرور ہیں کہ حیدرآباد کے

فوجی اور دیگر وسائل اپنے حلیف کی اعانت کے لئے وقف کردئے گئے ہیں۔ لیکن خلق اس امر کا ہے کہ یہ اعانت مملکت کے وقار کے اعتبار سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔

آلات حرب کے کارخانے فوراً قائم کئے جائیں

۲۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حیدرآباد کی حربی طاقت اور حق اسلحہ سازی پر خواہ کسی نوعیت کے ہوں بروئے معاہدات کسی قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ عہد ماضی کی حکمت عملی میں سہل انگاری کے باعث حیدرآباد کو اپنی مدافعت کے لئے بیش از بیش برطانوی حلیف کا دست نگر ہونا پڑا اور نتیجتاً آج بڑی ندامت کے ساتھ ہم مشاہدہ کررہے ہیں کہ حیدرآباد کے نام سے ایک حقیر فوج محاذ جنگ پر جاتی ہے جس کے لئے تعجب ہے کہ آلات حرب تمام و کمال ممالک غیر سے فراہم کئے جاتے ہیں۔ اس لئے مجلس کی رائے میں باعتبار اقتضائے وقت اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ جہاں تک فوجی امور کا تعلق ہے حکومت کے موجودہ طریقہ عمل کا جائزہ لیا جائے اور ملک میں حکومت کی جانب سے بلا تاخیر بہ تعداد کثیر کارخانوں کا قیام عمل میں لایا جائے تا کہ جدید حربی ضروریات کے مطابق مملکتی افواج کے لئے آلات حرب مہیا ہوسکیں۔ ایک واضح حقیقت ہے کہ تاوقتیکہ اس کا انتظام نہ ہو اہل ملک بکمال شوق جنگ میں حصہ لینے کے لئے زیادہ سے زیادہ قوت نہیں صرف کرسکتے اس لئے مجلس اپنی رائے میں مناسب تصور کرتی ہے کہ وہ ساری مالی اعانت جو جنگ کے سلسلہ میں حکومت یا اہل ملک کی جانب سے حاصل ہو فوجی طاقت کی توسیع اور مجوزہ حربی کارخانوں کے قیام کے لئے استعمال کی جائے۔

اس اسلامی مملکت کی حربی طاقت کے ازسر نو قیام کے لئے مسلمان ہر قربانی کیلئے تیار ہیں

۴۔ زائد فوج اور حربی کارخانوں کے لئے اشخاص کی فراہمی کے علاوہ مجلس اتحادالمسلمین اپنے اراکین میں سے ضرورت کے مطابق رضا کاروں کی مناسب تعداد مہیا کرنے پر بھی آمادہ ہے جو نہ صرف ملک کا امن وامان برقرار رکھے بلکہ میدان جنگ کی فوج کے لئے محفوظ دستہ کا کام انجام دے سکے گی۔ مجلس کامل وضاحت کے ساتھ بیان کردینا چاہتی ہے کہ اسلامی مملکت کی حربی طاقت کے ازسر نو قیام کی خاطر مسلمانان حیدرآباد ہر قربانی اور ایثار کے لئے بے چینی کے

ساتھ آمادہ ہیں تاکہ ایک طرف اس ضرورت کے وقت اپنے حلف کی پوری ساز وسامان کے ساتھ اعانت کرسکیں اور دوسری طرف اندرون ملک بدامنی کی صورت میں قیام امن کے فرائض بجالائیں۔

حیدرآباد خودمختار رہا ہے' وہ موجودہ پست حالت پر قانع نہیں رہ سکتا

۵۔ دوسرا مسئلہ جو کسی طرح کم اہم نہیں' حیدرآباد کی آزادی اور اقتدار کا ہے جس کی جانب مجلس کی توجہ مرکوز ہے۔ ۱۷۲۴ء میں جب سے کہ حضرت نظام الملک آصف جاہ اول نے جنوبی ہند میں اپنی آزادی کا اعلان فرمایا حیدرآباد خودمختار رہا ہے۔ سلاطین حیدرآباد نے اپنی اسی آزادانہ حیثیت میں ضرورت کے وقت برطانیہ کی مدد کی اور اس سے تحائف کا رشتہ قائم کیا۔ دونوں حکومتوں کے درمیان جو معاہدات طئے پائے ان کی کوئی دفعہ ایسی نہیں کہ حیدرآباد کو اس کی موجودہ حیثیت تک گھٹادے جو اس کے وقار کے منافی اور اقتدار کے مغائر ہے۔ یہ تصور موجودہ نسل کے لئے سخت تکلیف دہ ہے کہ حیدرآباد اپنی اس حلیف طاقت کی بدولت اس پستی کو پہنچ گیا ہے جس کی ہمیشہ اس نے آڑے وقتوں میں مدد کی۔ وہ اپنی موجودہ حالت پر قانع رہنے کے لئے آمادہ نہیں جو عہد ماضی کے ایک ناگوار دور کی وراثت ہے۔ حیدرآباد کو وہ پھر ایک بار قوی اور آزاد دیکھنے کے لئے بیتاب ہے تاکہ بلامزاحمت استبدادی عمل درآمد کے پنجہ سے آزاد ہوکر حیدرآباد حیاتِ نو حاصل کرسکے۔

مملکت حیدرآباد خود ہی اپنی قسمت کی تعمیر کرے گی

۶۔ برطانوی ہند کے طول وعرض میں حالات کی رفتار حکومت کے ارباب حل وعقد کو دعوت فکر دے رہی ہے۔ اس حصہ ملک کا سیاسی مرتبہ شدید انقلابی دور سے گزر رہا ہے' خواہ ''ویسٹ منسٹر قانون'' کے مطابق ہی کیوں نہ ہو وہ آزادی حاصل کرنے کے قریب ہے جب انگلستان برطانوی ہند کے ساتھ جس نے پوری شدت سے حکومت کی مخالفت کی ہے یہ سلوک کرسکتا ہے تو حیدرآباد جیسا یار وفادار اپنے حلیف کی جانب سے کم از کم اس کا متوقع ہے کہ وہ اس کو اپنی قسمت کی تعمیر اور اپنے ہمسائے یعنی ہندوستان کی آئندہ مقبوضاتی حکومت کے ساتھ دوستانہ تعلق قائم رکھنے کے لئے تنہا اور آزاد چھوڑ دے۔

حیدرآباد کی سابقہ خود مختارانہ حیثیت عود کر آنی چاہئیے

۷۔ یہ امر بھی ناقابل فراموش ہے کہ برطانوی ہند سے حیدرآباد کے تعلقات' معاہدات کی بنیاد پر قائم ہے اور مجلس کی رائے میں ان معاہدات کی جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے دفاعی اور تجارتی ہیں۔ اس وقت کوئی اہمیت باقی نہیں رہ سکتی جب کہ برطانیہ براہ راست ان فرائض اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے قابل نہ رہے جو فریق معاہدہ کی حیثیت سے اس پر عائد ہوتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر جس لمحہ ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ حاصل ہو جائے' حیدرآباد کی اپنی سابقہ خود مختار حیثیت عود کر آئے گی اور مقبوضاتی حکومت کے ساتھ جدید معاہدات طئے کرنے میں وہ بالکلیہ آزاد ہوگا۔

۷۔ یہ امر بھی ناقابل فراموش ہے کہ برطانوی ہند سے حیدرآباد کے تعلقات' معاہدات کی بنیاد پر قائم ہے اور مجلس کی رائے میں ان معاہدات کی جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے دفاعی اور تجارتی ہیں۔ اس وقت کوئی اہمیت باقی نہیں رہ سکتی جب کہ برطانیہ براہ راست ان فرائض اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے قابل نہ رہے جو فریق معاہدہ کی حیثیت سے اس پر عائد ہوتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر جس لمحہ ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ حاصل ہو جائے' حیدرآباد کی اپنی سابقہ خود مختار حیثیت عود کر آئے گی اور مقبوضاتی حکومت کے ساتھ جدید معاہدات طئے کرنے میں وہ بالکلیہ آزاد ہوگا۔

حیدرآباد کو اس کے سارے سابقہ علاقے واپس ملنے چاہئیں

۸۔ برطانیہ ہند کو مقبوضاتی مرتبہ ملنے کی صورت میں چوں کہ یہی امور اس کے ناگزیر مضمرات ہوں گے اس لئے سب سے پہلا مسئلہ جو حکومت حیدرآباد کی توجہ کو مرکوز کرسکتا ہے وہ مفوضہ علاقوں کے استرداد کا ہے جو برطانوی حکومت کو ان امدادی افواج کے مصارف کی پابجائی کے لئے تفویض کئے گئے تھے جو اس کے اغراض کے لئے اندرون مملکت متعین کی گئی ہیں۔ ملک کے ان مجبور کن حالات کا وجود اب باقی نہیں رہا جن کے تحت گذشتہ زمانہ میں حیدرآباد نے اپنے بعض علاقوں کا نظم و نسق دفاعی اغراض کے لئے برطانوی حکومت کے سپرد کردیا تھا۔ کیوں کہ اب حیدرآباد ان علاقہ جات کا خود انتظام کرسکتا ہے اور اپنے محاصل کے ذریعہ زائد فوج کے اخراجات

بھی برداشت کرسکتا ہے جس کی حال اور مستقبل میں اس کو ضرورت ہے۔ مجلس حکومت حیدرآباد سے امید کرتی ہے کہ ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ عطا ہونے سے بہت قبل ان مسائل کی نسبت کارروائی کا آغاز کرکے اطمینان بخش نتائج کے حصول کی کوشش فرمائے گی۔

الف: مجلس ۱۔ حکومت افواج میں توسیع' ۲۔ حربی اسلحہ سازی کے کارخانوں کے قیام کا بے چینی سے انتظار کررہی ہے تاکہ اس جنگ کے دوران میں برطانیہ کی خاطر خواہ اعانت کرسکے اور جنگ کے خاتمہ کے بعد اس کی حربی طاقت خود اس کی دفاع کا موجب ثابت ہو۔

ب: مجلس اس اضطراب کے ساتھ حکومت حیدرآباد سے وقت کی اس اہم ترین ضرورت کے پیش نظر برطانوی ہند کو مقبوضاتی مرتبہ ملنے کی توقع پر حسب ذیل امور کی نسبت حکومت برطانیہ سے گفت وشنید آغاز کرنے کا شدید مطالبہ کرتی ہے۔

۱۔ امدادی افواج کی برخواستگی جن کو حکومت برطانیہ نے حکومت آصفیہ کے مصارف پر حدود مملکت میں متعین رکھا ہے اور نتیجۃً مقبوضہ علاقہ جات کا استرداد۔

۲۔ برطانیہ کے ساتھ حلیفانہ تعلقات کی اس طرح تجدید کہ جس کے ذریعے حیدرآباد کی داخلی اور خارجی آزادی اور انفرادیت کا تیقن حاصل ہو جائے۔

خاتمہ پر مجلس اس حقیقت کو پوری شدت کے ساتھ ظاہر کردینا چاہتی ہے کہ اپنے بیدار سیاسی شعور کے ساتھ مسلمانان حیدرآباد و نیز مسلمانان ہند حیدرآباد کے تخت وتاج کو اپنی سیاسی برتری کا مظہر تصور کرتے ہیں اور اس کی حریت وانفرادیت کی بقا کے لئے والہانہ شوق واخلاص کے ساتھ ہر قسم کی قربانی کے لئے آمادہ ہیں۔ اس لئے حکومت حیدرآباد کا مقدس فریضہ ہے کہ عظیم تر ہندوستان میں حیدرآباد کی آئینی حیثیت کے دوبارہ حصول میں متذکرہ صدر طریقہ کے مطابق کسی کوشش اور کسی ایثار سے دریغ نہ فرمائے۔

مجلس کمال عقیدت کے ساتھ دست بدعا ہے کہ ان کے پیش نظر مقاصد کی پیش رفت میں خدائے مسبب حکومت کو کامل بصیرت اور قوت عطا فرمائے۔

اگر یہ مناسب موقعہ ہاتھ سے نکل جائے یا حکومت بہ اقتضائے وقت سعی بلیغ سے قاصر رہے مجلس کو یقین ہے کہ مسلمانان حیدرآباد وہند میں ایسی صورتحال کے باعث جو ناگزیر ردعمل ظہور

پذیر ہوگا اس کی تمام تر ذمہ داری حکومت پر عائد ہوگی۔

''بہادر یار جنگ صدر مجلس اتحاد المسلمین''

پہلی بار جنگ کے زمانے میں مجلس کی جانب سے حصول آزادی کے سلسلے میں اتنے سخت الفاظ میں اظہار مدعا کیا گیا۔

ساتھ ہی امداد جنگ کے سلسلے میں قائد ملت نے مجلس جاگیر داراں میں جو یادگار تقریر فرمائی اس تقریر میں بھی انگریزوں کے خلاف تاریخ کے حوالوں سے ریاست حیدرآباد کی امداد کے جواب میں انگریزوں کے مکر و فریب کا تذکرہ اور ہندوستان کے مقبوضاتی درجہ حاصل کرنے سے قبل حیدرآباد کی آزادی کے مسئلہ پر سیر حاصل تقریر فرمائی تھی' انگریز اور نظام دونوں ہی ان خیالات سے سیاسی عدم سلامتی اور آثار نجاوت کے احتمال کی صورت کو پیش نظر رکھے ہوئے تھے۔ اس دوران نواب صاحب کی ہر حرکت پر کڑی نظر رکھی گئی تھی اور ان کے چاروں طرف خفیہ جال بچھا دیا گیا تھا۔ تقریر کا عنوان اگرچہ امداد جنگ تھا اور سرکاری قرارداد کی تائید کے لئے نواب صاحب کو مدعو کیا گیا تھا اس موقعہ سے نواب صاحب نے پورا پورا استفادہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا :

دوستو ! آج ہم جس مقصد کے لئے جمع ہوئے ہیں یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ جب سے برطانیہ کے باشندے ہندوستان میں آئے اور ہمارے درباروں میں تاجروں کی طرح حاضر ہو کر ہماری امداد کی خواہش کی اس دن سے ہم ان کی برابر مدد کرتے رہے ہیں۔ دو سو سال کی تاریخ شاہد ہے کہ انگریزوں پر کبھی ایسا برا وقت نہیں آیا جس میں ہم نے ان کی دستگیری نہ کی ہو۔ ٹیپو سلطان کے مقابلہ میں ان کی بے چارگی ۱۸۵۷ء کے غدر میں ان کی پریشانی ہم سے دیکھی نہ گئی اور ہم نے اپنے ہم مذہبوں کے مقابلے میں اپنی ساری طاقتوں سے ان کی امداد کی اور ہندوستان میں رہنے کے قابل بنایا۔ برطانوی مدبر اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ اگر ہماری امداد شامل نہ ہوتی تو ہندوستان کی تاریخ وہ نہ ہوتی جو آج ہے۔ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء کی جنگ عظیم میں ہم نے نہ صرف اپنی فوجیں دیں اپنا روپیہ دیا اور اپنے تمام وسائل سے مدد کی بلکہ ترکوں کی انگریزوں سے مخالفت ہونے کے باوجود ہماری اخلاقی امداد اور جلالۃ الملک خسرو دکن کی شاہانہ اپیل نے ہندوستان کے

مسلمانوں کو انگریزوں سے منحرف ہونے نہ دیا۔ ان سارے واقعات کی روشنی میں ہمارا آج کا اجتماع جناب صدر کی پرزور اپیل اور راجہ محبوب کرن بہادر کا پیش کیا ہوا رزولیوشن ہماری روایات کے عین مطابق ہے اور ہماری قدیم شرافت کا آئینہ دار ہے۔

اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی کا حلیف ہم سب کا حلیف ہے۔ ارشاد ہمایونی بلالحاظ مذہب و ملت ہم سب کے جذبات واحساسات کا ترجمان ہے اس لئے ہم اپنا فرض تصور کرتے ہیں کہ اس جنگ میں اپنے حلیف کی پوری پوری مدد کریں اور مجھے یقین ہے کہ آپ اس رزولیوشن کو پورے جوش کے ساتھ منظور کریں گے لیکن ساتھ ہی ساتھ میں اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ آپ کی چشم و آبرو کی جنبشوں سے آپ کے قلب کے ارتعاش کا پتہ لگا رہا ہوں اور میرے تصور کے کان ان آوازوں کو سن رہے ہیں جو آپ کے قلب کی گہرائیوں میں اٹھ رہی ہے۔ آپ بامروت ہیں اور عقلمند اور میں شوخ ہوں اور دیوانہ' آپ سوچتے ہیں مگر کہتے نہیں اور میں اپنے جذبات کو چھپا نہیں سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کے دل میں رہ رہ کر یہ سوال پیدا ہو رہا ہے کہ ہماری گذشتہ دوسو سالہ امدادوں کا کیا بدلہ ملا۔ اور آج ہم کیا توقع کر سکتے ہیں؟ آپ کے دل سے آوازیں اٹھ رہی ہیں کہ کیا ہم اپنے عہدوں کو پورا کرتے ہوئے دوسروں کی بنیادوں کو مضبوط نہ کرتے گئے! اور کیا اس کے بدلے میں آہستہ آہستہ ہماری طاقت کمزوری اور ہماری آزادی پابندی سے نہیں بدلتی گئی۔ کیا دوستی ہی دوستی کے پیرایہ میں ہم کو ایک کمزور ترین قوم اور ملک نہیں بنایا گیا! کیا ہماری گذشتہ جنگ عظیم میں ہماری امداد کے بدلہ میں لارڈ ریڈنگ کا دلخراش اور انصاف کش مکتوب نہیں ملا اور اگر یہ حقیقت ہے تو ہم آئندہ کیا توقع کر سکتے ہیں! میں چاہتا ہوں کہ آپ کے شبہات کو دور کروں اور آپ کو اس قابل بناؤں کہ آپ قلب و دماغ کی پوری آمادگی کے ساتھ اس وقت برطانیہ عظمی کی مدد کریں اور صرف فرمان خداوندی کی تعمیل اور اپنے جذبات کے خلاف تعمیل آپ کے پیش نظر نہ ہو!

جنگ کے مقاصد :

آپ کو واقف ہو جانا چاہئیے کہ گذشتہ جنگ کے مقاصد اور آج کی لڑائی کے مقاصد میں بہت بڑا فرق ہے۔ آج کی لڑائی حق وصداقت کے لئے لڑی جارہی ہے۔ برطانیہ کے حل وعقد نے ایک سے زیادہ مرتبہ اعلان کیا ہے کہ وہ معاہدات کا احترام کرانے کے لئے لڑ رہے ہیں اور

اس بات کو ہر شخص جانتا ہے کہ اس وقت برطانیہ اور اس کے حلیف چھوٹی قوموں کی آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں۔ ان واضح اور صاف مقاصد جنگ کی موجودگی میں آپ کے ان تمام شبہات کو دور ہو جانا چاہئیے جو اس وقت آپ کو متخبض کر رہے ہیں اور آپ کو یقین رکھنا چاہئیے کہ ہماری یہ امداد سابقہ کی طرح رائیگاں نہیں جاسکتی۔ جنگ کے دو ہی نتائج ہو سکتے ہیں، فتح یا خدانخواستہ شکست، ہم کو برطانیہ کی طاقت سے زیادہ ان کی نیت اور مقاصد سے توقع ہے کہ وہ اس جنگ میں اس کی کامیابی کے ضامن ہوں گے اور ہم اس کی کامیابی کے اس لئے متمنی ہیں کہ ہماری قسمتیں اس سے وابستہ ہوگئی ہیں اس کی فتح ہماری زندگی ہے اور اس کی شکست ہماری تباہی۔ ہم کسی دوسرے فاتح سے وہ توقع بھی نہیں کر سکتے جو آج ہم کو حکومت برطانیہ سے ہے اگر آپ سمجھ گئے ہیں کہ فتح یقینی ہے تو یہ بھی معلوم کر لیجئے کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے۔ سب سے پہلی چیز جو ہوگی وہ یہ ہے کہ حسب وعدہ حکومت برطانیہ ہندوستان کو قانون وسٹ منسٹر کے مطابق مقبوضاتی مرتبہ عطا کر دے گی۔ اس کے دوسرے الفاظ میں یہ معنی ہیں کہ ہندوستان میں مخالف حکومت برطانیہ کی جو کوششیں پچاس برس سے جاری ہیں بار آور ہوں گی۔ اور برطانیہ اپنے ہاتھوں سے اپنے دشمن کو آزادی کا پروانہ دے گا، کیا اس حالت میں آپ توقع کر سکتے ہیں کہ دشمنوں کو پروانہ آزادی دینے والی حکومت اپنے دوستوں کو مشورے، ایماء اور اشارے کی نازک زنجیروں میں مقید اور پابند رکھے گی، ہرگز ممکن نہیں۔

کامل آزادی اور بیرونی مداخلتوں کی موت

اس جنگ کی کامیابی حیدرآباد میں ہماری بیرونی مداخلتوں کی موت کا پیغام ہوگی اور حیدرآباد اپنے تمام مسائل اندرونی میں کامل آزاد اور صرف اپنے بادشاہ کی مرضی کا تابع ہوگا۔

ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ ملنے کے معنی یہ ہیں کہ اب ہمارے اطراف راست برطانوی حکومت کی بجائے ہندوستانی حکومت کا فرما ہوگی اور یہ امر مسلم ہے کہ ہمارے تمام معاہدات تاج برطانیہ کے ساتھ ہیں۔ مقبوضاتی مرتبہ کے ساتھ ہندوستان کو اختیارات مدافعت بھی کاملاً مل جائیں گے اور ہم نے اپنی مدافعت کے اختیارات اپنی رضامندی سے تاج برطانیہ کے تفویض کئے تھے۔ ان تمام حالات کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا چوں کہ حکومت برطانیہ راست ہماری مدافعت کے

قابل نہ ہوگی اوراس بات کے ہم مجاز ہیں اور ہوں گے کہ جدید ہندوستانی حکومت سے جس قسم کے تعلقات مناسب سمجھیں قائم کریں۔اس لئے لازمی طور پر وہ تمام معاہدات منسوخ ہوجائیں گے۔جو ہم نے مدافعت کے سلسلہ میں تاج برطانیہ سے کئے ہیں اوراس کالازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ چوں کہ اب خود ہم کواپنی مدافعت کا سامان کرنا ہوگا اس لئے وہ تمام مقبوضات جو ہم نے مدافعتی افواج کے اخراجات کے لئے یاکسی اور طریقہ پر انعاماً وعطاءً تاج برطانیہ کے تفویض کئے تھے ہم کو واپس مل جائیں گے۔میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ جنگ کے وہ لازمی نتائج ہیں جن سے کوئی معاہدات کا احترام کرنے والی حق وصداقت کے لئے قربانی کرنے والی قوم انکارنہیں کرسکتی۔

فتح کا تیسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم نے اپنے اطراف اور جوانب پر چھائی ہوئی اور ہم کو چاروں طرف گھیری ہوئی جس طاقتور حکومت کو اپنے بیرونی تعلقات کا اختیار تفویض کیا تھا چوں کہ وہ ہمارے اطراف راست کارفرمانہ ہوگی اس لئے خود بخود سارے معاہدات باقی نہ رہیں گے۔جو بیرونی تعلقات کے سلسلہ میں تاج برطانیہ کے ساتھ کئے گئے اور ہم ایسی آزاد مملکت ہوں گے جس کو یہ اختیار ہوگا کہ تاج برطانیہ کے ساتھ اپنی غیر متزلزل دوستی کو قائم رکھتے ہوئے دنیا کی دوسری طاقتوں کے ساتھ جیسے تعلقات چاہیں قائم کریں میں چاہتا ہوں کہ ان حقائق کی روشنی میں آپ اپنے قلب کے ان تمام شکوک کو رفع کریں جواس وقت پیدا ہورہے ہیں اوران حقیقتوں کو استواری کے ساتھ اپنے قلب میں پرورش کرتے ہوئے جلالۃ الملک کے ارشاد کی تعمیل میں اس جنگ میں حکومت برطانیہ کی امداد کریں۔

میں آپ کے قلب کے اس دوسرے شبہ کو بھی جانتا ہوں کہ آپ سوچ رہے ہیں کہ اگر خدانخواستہ برطانیہ کو شکست ہوئی اور ہندوستان پر اس کی گرفت ڈھیلی ہوگئی' ہندوستان میں نراج پیدا ہوگیا اور ہمارا ملک ان خطرات سے دوچار ہونے لگا جو آج ہم کو دورنظر آرہے ہیں تو معاہدات کی روشنی میں جو حکومت برطانیہ نے ہم سے کئے ہیں ہم اس سے کس امداد کی توقع کرسکتے ہیں؟ خصوصاً جب کہ معاہدات کی رو سے برطانیہ اس وقت ہماری امداد پر مجبور نہیں ہے جب کہ اس کی فوجیں دوسری طرف مشغول ہیں کیا ہم اتنے طاقتور ہیں کہ ایسی طوائف الملوکی کا مقابلہ کریں۔

میں اس شبہ کو آپ کی موجودہ امداد میں خارج نہیں تصور کرتا کیوں کہ آپ کی حکومت آج بھی مجبور نہیں ہے کہ آپ کی فوجی طاقت میں اضافہ نہ کرے۔ یہاں حکومت کو چاہیئے کہ حال کی نزاکت کا اندازہ کرتے ہوئے فوراً اپنے یہاں سامان حرب تیار کرنے والے کارخانے قائم کرے۔ اپنے توپ کے سانچے بندوق سازی کے ٹوٹے ہوئے کارخانوں کو دوبارہ زندہ کرے اور اپنے ملک کو اس قابل بنائے کہ اپنے حلیف کی اس پریشانی میں بوقت ضرورت اپنی آپ حفاظت کر سکے، ہم کو یقین ہے اور برطانیہ سے اس یقین کے قائم نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ جو آلات حرب ہم تیار نہیں کر سکتے اور جنگی موجودہ زمانہ میں شدید ضرورت ہے مثلاً ہوائی جہاز، مشن گن، دبابے، ہوائی مدافعت کے سامان انٹی ایرکرافٹ توپیں وغیرہ، وہ ہم کو فراہم کئے جائیں گے بلکہ بعجلت ممکنہ فراہم کئے جائیں گے۔ کیوں کہ زمانہ کی رفتار خطرات کو کچھ زیادہ دور نہیں بتا رہی ہے اس کے علاوہ خود ہم جاگیرداروں کا فریضہ ہے کہ حکومت برطانیہ کی ممکنہ مدد کریں، ملک کے لئے ایک ایسی شہری فوج تیار کریں جو اندرونی خلفشار کی صورت میں ہمارے کام آئے مجھے یہ سن کر مسرت ہوئی کہ خود جاگیرداروں کی نوجوان اولاد نے اپنے آپ کو فوجی خدمت کے لئے پیش کیا ہے۔ ہمارا شیوہ ہمیشہ سے سلاطین آصفیہ کی عماری کے سامنے داد شجاعت دینا ہے اور آج بھی ہم کو اپنا یہ فرض یاد ہے۔

برادران طبقہ !

اب مجھے یقین ہے کہ اس رزولیوشن کو جو آپ کے سامنے پیش کیا گیا منظور کرنے میں آپ کو کوئی تامل نہ ہوگا، لیکن ساتھ ہی ساتھ آپ کو آپ کے بھائی کی طرح نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے ان قلبی جذبات کو جس کی میں نے اس وقت ترجمانی کی اپنے قلوب کے صندوق میں بند رکھنا چھوڑ دیں۔ تاریخ کے ہر دور میں آپ حکومت کی ریڑھ کی ہڈی رہے ہیں اور آج بھی کسی طبقہ کو سب سے زیادہ حکومت کے حال اور مستقبل پر غور کرنے کا حق ہے تو وہ آپ ہی کا طبقہ ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں آپ میں ایک بیداری کی لہر دیکھ رہا ہوں۔

ایک سال قبل جب کہ خطرہ آپ کے دروازہ کی زنجیر کھٹکھٹا رہا تھا، آپ سو رہے تھے اور آپ کی نیند موت کے خواب سے بھی بدتر نظر آ رہی تھی لیکن آج سات ہزار میل دور خطرہ کو دیکھ کر

اس کا احساس پیدا کرنا اوراس کے مقابلے کے لئے تیار ہونا ہر طرح قابل مبارکباد ہے یہ خطرہ گذشتہ خطرہ سے یقیناً عظیم تر ہے۔

ہم کو اس جنگ میں امداد دیتے ہوئے یہ نہیں سمجھنا چاہئیے کہ ہماری امداد دور جارہی ہے۔ انگلستان کا میدان جنگ ہمارے محاذ کا پہلا مورچہ (یعنی فرسٹ لائن آف ایکشن) ہے اوراس مورچہ کی مضبوطی اورکامیابی پر ہمارے آخری مورچہ کے تحفظ کا انحصار ہے۔

میری یہ تقریر کسی پریشان یا مصیبت زدہ حلیف کے سامنے پیش کردہ شرائط نہیں ہے۔ ہماری امداد غیر مشروط ہے کیوں کہ ہم فطرتاً اوراپنی جبلی شرافت کی وجہ سے اپنے حلیف کی امداد پر مجبور ہیں اور ہمارے آقائے ولی نعمت امداد کررہے ہیں تو ہماری امداد میں کوئی شرائط نہیں ہوسکتے۔ میری یہ تقریر آپ کے شبہات کے ارتفاع اور مستقبل کے متعلق آپ کے یقین کے اضافے کے لئے ہے اوراپنے حلیف کی یاد کی تازگی اوراس کے جذبات شرافت صداقت کو ابھارنے کے لئے ہے۔ بحمداللہ اب حیدرآباد میں اتنا شعور پیدا ہوچکا ہے کہ کوئی ناسمجھ سے ناسمجھ آدمی میرے ان خیالات کو تنہا میرے خیالات نہیں قرار دے سکتا یہ ملک اور خصوصاً طبقہ جاگیرداران کے ہرایک فرد کے قلب کی آواز ہے جس کونظرانداز کرنا برطانیہ کے لئے ایسا ہی ہے جیسے کوئی طوفانی سمندر کا کشتی شکستہ مسافراس تختہ کونظرانداز کردے جس کے سہارے وہ موجوں کا مقابلہ کرسکتا ہے اورجس کو باقی رکھ کر ہی وہ ساحل مراد تک پہنچ سکتا ہے۔

(حوالہ: بہادر یار جنگ کی سیاسی تقاریر، مرتبہ نذیرالدین احمد، ص: ۱۷۰تا۱۸۰، ناشر بہادر یار جنگ اکیڈیمی، چیلہ پورہ، حیدرآباد)

”حیدرآباد کی معاہداتی دوستی اوروفاداری کے بدلے میں حکومت برطانیہ نے جن طفل تسلیوں سے نظام اور رعایا نظام کو خوش کرتی رہی اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے اور جدوجہد کو تیز تر کرنے کے موزوں وقت پر یہ اعلان کیا کہ ”حیدرآباد اپنی حکومت برطانیہ کے ساتھ تاریخی دوستی کا صرف ایک معاوضہ چاہتا ہے اوروہ یہ ہے کہ حکومت برطانیہ حیدرآباد کے معاہدات کا احترام کرے اوراس کی آزادی کو تسلیم کرے۔“

سرفرانس وائیلی مشیر وایسرائے برائے ریاست ہند سے بلا شبہ ۱۹۴۳ء میں نواب صاحب کو متعارف کیا اوروہ پہلی بار بہادر یار جنگ کی سیاسی بصارت وبصیرت سے آگاہ ہوسکا۔

ساتھ ہی اس کو اس امر کا بھی اندازہ ہو گیا کہ انگریزوں کے ہندی مسلمان دانشوروں میں سب سے زیادہ باشعور دشمن صرف اور صرف نواب صاحب کی ذات ہے۔ یہ سمجھنا کہ اس ملاقات کے باعث نواب صاحب کی سیاسی سرگرمیوں کے بارے میں برطانوی حکومت کی پالیسی کا رخ بدل گیا تھا' سراسر غلط ہے۔

سرفرانس وائیلی سے قائد ملت نے فرمایا تھا کہ:

''مجھے کہا جاتا ہے کہ میں مخالف برطانیہ ہوں۔ میں آج آپ کو اس کے متعلق وہی جواب سنانا چاہتا ہوں جو میں نے دہلی میں وائسرائے کے مشیر سیاست سرفرانس وائیلی کو دیا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ :

''میں مخالف برطانیہ ہوں اور نہیں ہوں۔ ایک ہندوستانی کی حیثیت سے ہندوستان پر برطانیہ کے تسلط کو ناپسند کرنا اور ہندوستان کی آزادی کی تمنا رکھنا اور اس کو برطانوی اقتدار سے جس قدر جلد ہو آزاد کرانے کی کوشش کرنا میرا فطری حق ہے اور مجھے اس پر ناز ہے جس طرح ایک آزادی پسند محبّ وطن انگریز کو اپنے اس جذبہ پر ناز ہو سکتا ہے کہ اس کا وطن جرمنوں کے تسلط سے محفوظ رہے کیا کوئی انگریز اس کو برداشت کرے گا کہ فرانس جرمنی اس پر حکومت کرے۔ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو اس کو میرے اس جذبہ آزادی کی قدر کرنی چاہئیے۔''

(حوالہ: تقریر شائع شدہ رہبر دکن' مورخہ ۲۰ر مارچ ۱۹۴۴ء)

سرفرانس وائیلی سے اس ملاقات کے بعد نواب صاحب کا نام انگریزوں کے مخالف مسلم زعماء میں سرفہرست آ گیا۔

حیدرآباد کا ریزیڈنٹ تو سارے ممالک محروسہ میں اگر انگریز کا کسی کو دشمن سمجھتا تھا تو وہ نواب صاحب کی ذات تھی۔

نواب میر معظم حسین (رئیس جنگ نبیرہ فخر الملک) جو ریزیڈنٹ کے پرسنل سکریٹری تھے ان سے ایک راز کے واقعہ کا علم ہوتا ہے۔

آزادی ہند کے اعلان کے بعد جب ریزیڈنٹ حیدرآباد سے جا رہا تھا اس وقت ایک الماری جس میں راز کے کاغذات تھے۔ نواب میر معظم حسین کے حوالے کیں اور کہا کہ مجھے تم پر

بھروسہ ہے۔ یہ سارے کاغذات جلا دینا۔

اس الماری کے ایک خانے میں ساری کی ساری فائیلیں نواب بہادر یار جنگ سے متعلق تھیں‘ اس کے یہ معنی ہوئے کہ نواب صاحب کی شہادت کے بعد بھی ان کے اعصاب پر نواب صاحب کی انگریز دشمنی کا خوف طاری تھا۔

سکندر آباد کی میلاد کمیٹی کے زیر اہتمام کربلا میدان میں ہر سال ماہ ربیع الاول میں میلاد کمیٹی سکندر آباد کے زیر اہتمام منعقد ہوا کرتا تھا جس کمیٹی کے صدر خاں بہادر احمد علاء الدین (احمد نواز جنگ) تھے۔

قائد ملت کی زبان بندی کی مدت کے ختم پر اور نظام کے تقریر کرنے کے فرمان جاری کئے جانے کے بعد میلاد کمیٹی سکندر آباد نے نواب صاحب کی زیر صدارت جلسہ میلاد کا اعلان کیا۔ اس اعلان کی اشاعت کے بعد ریزیڈنٹ نے معتمد میلاد کمیٹی کے نام مراسلہ جاری کیا جس میں مرقوم تھا کہ حدود ریزیڈنسی میں نواب بہادر یار جنگ کو تقریر کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اقطاع ہند میں جو شخص تقریر کر سکتا ہے جو برطانوی علاقہ ہے وہی شخص کنٹونمنٹ کے علاقے میں تقریر نہیں کر سکتا۔ ہزار کوششوں کے باوجود اجازت نہیں دی گئی‘ مسلمانوں نے احتجاجاً جلسہ ملتوی کر دیا۔

دوسرے سال بھی یہی صورت پیش آئی لیکن اس بار یہ رعایت دی گئی کہ بہادر یار جنگ اپنی تقریر قلمبند کر کے جلسہ میں پڑھیں اور اس کی ایک کاپی ریزیڈنٹ کو روانہ کریں۔ نواب صاحب نے تقریر قلمبند کر کے پڑھنے سے انکار کر دیا۔

اس بار حکومتی کوششوں کے باعث جلسہ ملتوی نہیں کیا گیا کیوں کہ یہ جلسہ نظام کی ایماء پر منعقد کیا گیا تھا تاکہ ریزیڈنٹ کا مقام متاثر نہ ہو۔

مولانا مظہر علی کامل نے اپنی تقریر کے بعد ایک قرارداد مذمت پیش کی۔ ”حیدر آباد و سکندر آباد کا یہ عظیم الشان جلسہ حکومت سکندر آباد کے اس فعل کو سخت غم و غصہ کی نظر سے دیکھتا ہے کہ اس سال بھی اس نے نواب بہادر یار جنگ کی تقریر صدارت کی اجازت نہیں دی حالانکہ نواب صاحب کو نہ صرف ممالک محروسہ سرکار عالی میں تقریر کی عام اجازت ہے بلکہ ہندوستان کے تمام بڑے بڑے مرکزوں میں نواب صاحب کی تقریریں ہوتی رہتی ہیں۔ حکومت سکندر آباد کا نواب

صاحب کو کسی اقرار کا پابند کرنا' اس جلسہ کی رائے میں غلط ہے اور مسلمانوں کی دل آزاری کا باعث ہے۔

یہ جلسہ میلاد کمیٹی کے اس فعل پر اپنی بے اعتمادی کا اظہار کرتے ہوئے اس کے طریقہ عمل کو قابل مذمت قرار دیتا ہے کہ ایک مذہبی جلسہ میں حکومت سکندر آباد کی اس مداخلت کو کمیٹی نے آسانی کے ساتھ برداشت کیا۔

(حوالہ: یادداشت (غیر مطبوعہ) از: رفیق قائد ملت جناب سید یوسف تصور صاحب مرحوم ص: ۲۰۲ تا ۲۱۳)

ہاشم علی خاں کے گھر دعوت میں ریزیڈنٹ کی جانب سے جو خاتون نمائندہ موجود تھیں اس کا ذکر آخری باب میں موجود ہے۔ ویسے یہ خیال کہ ''انگریزوں کے گاندھی جی جیسے مخالف کو زہر نہیں دیا گیا تو بہادر یار جنگ کو برطانوی حکومت زہر کیوں دیتی' برطانی حکومت نہیں مقامی ریزیڈنٹ اس سازش میں شریک تھا۔ ریاستوں میں جو مظالم' بادشاہوں اور راجاؤں نے اپنی رعایا پر کیے ان کا شمار بھی مشکل ہے اور خود مضمون نگار نے ریزیڈنٹ کے بارے میں اپنے اس مضمون میں لکھا ہے کہ:

''ان اختلافات کا دوسرا بڑا سبب ریزیڈنسی تھی' ریزیڈنٹ کی حیثیت آئین و معاہدات کی رو سے برطانوی سفیر کی سی تھی لیکن برطانوی حکومت کی ڈپلومیسی نے رفتہ رفتہ ریزیڈنٹ کو سفیر سے بڑھا کر نظام کا ''سیاسی نگراں کار'' (Political Controller) بنا دیا تھا۔ ریزیڈنٹ کو یہ مرتبہ کیسے حاصل ہوا۔ یہ بجائے خود تاریخ حیدر آباد کا ایک دلدوز باب ہے اور اس کی تفصیلات میں جانا موضوع زیر بحث سے خارج ہے۔ بہر حال یہ امر واقعی تھا کہ ریزیڈنٹ نہ صرف برطانوی سفارت کی نگرانی کیا کرتا تھا بلکہ مملکت حیدر آباد کے اندرونی سیاسی معاملات میں بھی ملوث تھا اور نظام پر اس کا خاصا دباؤ رہتا تھا۔ بہادر یار جنگ کی کوئی تقریر یا سیاسی سرگرمی ریزیڈنٹ کو ناگوار گزرتی تو وہ فوراً نظام پر اثر انداز ہوتا اور عثمان علی خاں کا ایک عتاب نامہ بہادر یار جنگ کے نام صادر ہو جاتا ان دو اسباب کے سوا نظام کے عتاب کا کوئی تیسرا سبب نہ تھا۔ نہ میرے علم میں ہے۔''

مندرجہ بالا مضمون سے ریزیڈنٹ کے نواب صاحب سے شدید جذبہ انتقام کا پتہ چلتا ہے اور وہ سر فرانسس وائیلی ملاقات صرف خوش فہمی بن کر رہ جاتی ہے۔

بدقسمتی سے نظام اور قائد ملت کے تعلق سے اس جرم میں نظام کے بری الذمہ ہونے کے باب میں مضمون نگار کا خیال بڑی حد تک خیالی اور قیاسی ہے اور روایاتی شاہ پرستی نے مضمون نگار کے قلم کو گمراہ کر دیا وہ لکھتے ہیں:

۵۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ اس حادثہ میں حیدر آباد کے آخری حکمراں میر عثمان علی خاں کا ہاتھ تھا کیوں کہ بہادر یار جنگ ان کے مخالف تھے اور نظام ان کے وجود کو اپنے تخت و تاج کے لئے خطرہ تصور کرتے تھے۔ اس گروہ نے نظام اور بہادر یار جنگ کے ظاہری تعلقات کو خصوصاً خطاب و جاگیر کی واپسی کے واقعات کو (جو بہادر یار جنگ کی زندگی کے آخری ایام میں رونما ہوئے۔ ذہن میں رکھتے ہوئے یہ رائے قائم کی ہے۔ نظام اور بہادر یار جنگ کے باہمی تعلقات کی مفصل تاریخ تو یہاں بخوف طوالت بیان نہیں کی جاسکتی لیکن اس کا لب لباب یہ ہے کہ ان کے درمیان سخت اختلافات بھی پیدا ہوتے رہتے اور پھر صفائی بھی ہو جاتی تھی۔ ان اختلافات کے بنیادی اسباب دو ہی ہوا کرتے تھے ایک یہ کہ نظام کے اطراف مصاحبین کا ایک ایسا گروہ تھا جو انہیں قائد مرحوم کے خلاف یہ کہہ کر بھڑ کا تا رہتا تھا کہ بہادر یار جنگ حقیقتاً ان کے وفادار نہیں ہیں۔ حسن اتفاق سے ایک دوسرا اتنا ہی با اثر گروہ ایسا بھی تھا جو اس قسم کے شر انگیزیوں کا فوراً ازالہ کر دیا کرتا تھا۔''

غرض جاگیرداری سے بہادر یار جنگ از خود دست بردار ہوئے لیکن نظام دکن سے ان کے تعلقات کا اس واقعے سے خاتمہ نہیں ہو گیا جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکے کہ نظام قائد مرحوم کے ذاتی دشمن تھے۔ جو گروہ اس خیال کا حامی ہے وہ تو یہی کہتا ہے کہ نظام نے پہلے تو جاگیر چھین لی پھر ان کی جان لے لی مگر یہ ہوائی باتیں ہیں۔

بلکہ بہادر یار جنگ کی زندگی کے آخری دور میں تو عتاب کے بجائے نظام دکن نے واپسی خطاب و جاگیر تک کا فیصلہ کر لیا تھا جس کا ذکر بہادر یار جنگ کے مکتوب بنام قائد اعظمؒ میں بھی ملتا ہے۔ (دیکھئیے مکاتیب بہادر یار جنگ، ص: ۴۳۹، مکتوب: ص: ۴۲۹)

خفگی و ناراضی کے مواقع پر بھی میں قائد مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا ہوں اور بعض مرتبہ ایسے موقعے بھی آئے کہ ان سے بالکل تنہائی میں نظام دکن کی افتاد طبعیت اور ان کی ریاست

سے متعلق تفصیلی بات چیت ہوئی۔ میں نے انہیں بعض وقت باچشم گریاں، نہایت دلگیر و دل گرفتہ اور نظام پر سخت تنقید کرتے ہوئے بھی پایا لیکن انہوں نے کسی مرتبہ بھی یہ نہیں کہا یا یہ تاثر نہیں دیا کہ نظام ان کی جان کے درپے ہیں یا انہیں کوئی جسمانی آزار پہنچانے والے ہیں۔

آخری زمانے میں خطاب و جاگیر کی واپسی کا جو واقعہ پیش آیا اس کے متعلق بھی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ نظام نے ناراض ہوکر قائد مرحوم کی جاگیر اور خطاب چھین لئے تھے اور ان کی تقریر پر پابندی عائد کردی تھی۔ حقیقت یوں ہے کہ نظام نے جاگیر و خطاب چھینے نہیں تھے بلکہ خود قائد مرحوم نے انہیں واپس کردیا تھا۔

ان واقعات کی روشنی میں یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ زہر خورانی کے اس اندوہناک واقعہ میں نظام کا ہاتھ ہو۔

قائد ملت نظام کے فرمان ۸ر ستمبر ۱۹۴۱ء کی روشنی میں یا تو مسلمانوں کے قائد کی حیثیت سے مظلوم اور بے سہارا انسانوں کی خدمت انجام دے سکتے تھے یا جاگیر دار کی حیثیت سے برقرار رہ سکتے تھے۔

(تفصیل کیلئے دیکھئے سوانح بہادر یار جنگ جلد دوم، ص: ۲۵۰ تا ۲۵۳ مصنف نذیر الدین احمد ناشر بہادر یار جنگ اکیڈیمی، حیدرآباد)

جاگیر اور خطاب سے دست برداری کے بعد نواب صاحب نے اپنی تقریر میں نظام کے عدم اعتماد اور اپنی وفاداری اور خطاب و جاگیر سے دست برداری کو پروانہ آزادی سمجھا اور صاف صاف اس حقیقت کا اظہار کردیا کہ "تعلیمات اسلام میں ایک بڑی قربانی بہت سوں کی طرف سے فدیہ کا کام نہیں دی اور میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلے میں میری طرف سے جو ہوگا وہ سب معاشدار ارکان مجلس کا فدیہ تصور کیا جائے گا۔"

میں اپنے مالک کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے معاشدار رہنے یا سیاست میں حصہ لینے کا انتخاب خود ہماری صوابدید پر چھوڑا۔ اب سوچنا چاہیئے کہ آیا میں بحیثیت معاشدار ہر قسم کی سیاسی کوشش سے الگ رہ کر اپنے مالک کا حق نمک ادا کرسکوں گا یا وقت آ گیا ہے کہ سیاسیات حاضرہ سے متعلق رہ کر میں اس نمک خواری کا حق ادا کروں جس کا شرف میری پانچ پشتوں کو نصیب رہا ہے۔

میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ امتحان وفا کا وقت ہے۔ مجھ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی خود غرض،

تن آسان بندہ زر اور نمک حرام نہ ہوگا۔ اگر میں اس زمانہ میں محض اپنی جاگیر اور اعزاز کے خیال سے مالک اور ملت و ملک کی خدمت گذاری سے روگردانی کروں۔ یہ تو بہت مبارک ہوا کہ اب دیوانہ کوئے محبت جیب و دامن کی فکر سے بھی آزاد ہو رہا ہے۔ میں اس کو اپنے لئے نہ کوئی پابندی سمجھتا ہوں نہ سزاء بلکہ یہ تو میرے لئے پروانہ آزادی ہے۔ پابندی بھی ایک سزاء ہوتی ہے اور میں کسی سزاء کا مستحق نہیں ہوں۔ کسی شاعر نے میرے ہی لئے کہا ہے ؎

وفا خطا تھی خطا میں نے زندگی بھر کی
اب اس کے بعد جو مرضی ہو بندہ پرور کی

میں آج اپنی پانچ پشتوں کے کھائے ہوئے نمک کو حلال کر رہا ہوں اور نہایت مسرت کے ساتھ کہہ رہوں کہ ؎

بیا جاناں تماشا کن کہ در انبوہ جاں بازاں
بصد ساماں رسوائی سر بازار می رقصم
تو آں قاتل کہ از بہر تماشہ خون من ریزی
من آں بسمل کہ زیر خنجر خوں خوار می رقصم

انشاء اللہ زمانہ خود بتادے گا کہ میں کیا ہوں اور میں نے کس طرح اقتدار شاہی کا تحفظ کیا ہے اور یہ میری خدمات نہ کسی بڑی تنخواہ کی خاطر ہیں اور نہ منصب و جاگیر و خطاب کی خاطر!

''میرے آشیانے پر بجلی چمک رہی ہے' اس کو جل جانے دو' تمہارے لئے یہ مبارک فال ہے' یہی ابر تمہارے گلشن حیات پر برسیں گے اور بہت جلد اس میں بہار آئے گی۔ میں اپنے اجڑے ہوئے آشیانے کی خاکستر پر بیٹھا اس بہار کا لطف اٹھاؤں گا' ہوائیں چل رہی ہیں' ابر چھٹیں گے۔ آفتاب امید چمکے گا اور دنیا دیکھے گی کہ حق ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے اور باطل کے پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح اڑتے ہوئے نظر آئیں گے۔''

ایک قریبی شخصیت نے پوچھا (جب جاگیر اور خطاب واپس کر دیا) یہ کیا کیا؟ تو نواب صاحب نے مسکراتے ہوئے جواباً ارشاد فرمایا ؎

آ گئے تھے برق کی زد میں تمام اہل چمن

ہم نے اپنے آشیانے کو مقابل کر دیا

مضمون نگار کا یہ بیان کہ ''بہادر یار جنگ از خود دست بردار ہو گئے لیکن نظام دکن سے ان کے تعلقات کا خاتمہ نہیں ہوا اور پہلے نظام نے جاگیر لی اور پھر جان لی یہ ہوائی باتیں ہیں۔ نظام قائد مرحوم کے ذاتی دشمن نہیں تھے۔'' قبل اس کے کہ عتاب واپسی خطاب والی بات چھیڑی جائے ایک اور بات جس کا ذکر مضمون نگار کے مضمون میں نہیں ہے وہ بھی نظام کی قائد ملت سے بے پناہ محبت کا ثبوت ہے۔

قائد ملت کو شہر بدر کرنے کا منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچ گیا' نواب صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی' قبل اس کے کہ احکام جاری ہوں انہوں نے خود ہی شہر حیدر آباد کو خیر باد کرنے کا ارادہ کر لیا اور پورے انتظامات بھی۔ نظام کو راز کے ذرائع سے اس کا علم ہوا اور اس خصوص میں ۱۵/ مارچ ۱۹۴۲ء کو ''ایک دو کلمہ'' کے زیر عنوان اخبارات میں نظام کا فرمان شائع ہوا۔

یک دو کلمہ

از نظر ما صحافتی بیان مولوی بہادر یار جنگ زیر عنوان ''فی الحال تخلیہ شہر کا ارادہ نہ کریں۔ مورخہ ۲۴/ صفر در رہبر دکن گذشتہ واو ہر چہ کہ گفتہ است لائق توجہ کہ مبنی بر واقعہ و ہم خیر سگالیست۔ تاہم انسان را باید کہ بر مواقع امتحان پائے استقامت را تزلزل نہ آید بلکہ دائد کہ ہر چہ در قسمت مقدر گشتہ است ایں غیر مبدل لہذا آں در وقوع روزے آمد نیست نظر بر آں باجرات و ہمت مقابلہ شداید بکند درانحالیکہ تصور او ایں باشد کہ ''بر سر اولاد آدم ہر چہ آید بگزرد''۔

(رہبر دکن ۱۱۔ اردی بہشت ۱۳۵۱ف مطابق ۱۵/ مارچ ۱۹۴۲ء یکشنبہ)

ترجمہ فرمان

یک دو کلمہ

''فی الحال تخلیہ شہر کا ارادہ نہ کریں'' کے عنوان سے مولوی بہادر یار جنگ کا صحافتی بیان ہماری نظر سے گذرا۔

مورخہ ۲۴/ صفر کے رہبر دکن کی پچھلی اشاعت میں انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ لائق توجہ

اور واقعات پر مبنی اور خیر سگالی بھی ہے ۔ تاہم انسان کو چاہیئے کہ امتحان کے موقعوں پر پائے استقامت میں تزلزل نہ آئے بلکہ جو کچھ مقدر ہے اس کو غیر مبدل سمجھنا چاہیئے کہ اس کے واقع ہونے میں کوئی تاخیر نہیں ۔اس کے پیش نظر مشکلات کا جرات اور ہمت سے مقابلہ کرنا چاہیئے اس حال میں کہ ان کا تصور اس معاملہ میں یہ ہو کہ ''برسر اولاد آدم ہرچہ آید بگزرد'' ۔

آدم کی اولاد پر جو مصیبت بھی نازل ہوتی ہے گزر جاتی ہے ۔ (فرمان کا ترجمہ رفیق قائد ملت مولوی عبدالرحمٰن سعید' سعید صدیقی مقیم شکاگو نے فرمایا ۔)

''نظام کے اطراف سازشی گروہ ہی کا دور دورہ تھا' سر اکبر کی سرپرستی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور اس سازشی گروہ کی بنیادیں اس درجہ مضبوط کر دیں کہ سازش کے سارے راستے ہموار ہو گئے' جس کا ذکر اس باب میں مذکور ہے ۔ یہ سمجھنا کہ نظام کے پاس ایک با اثر گروہ ایسا بھی تھا جو اس قسم کی شر انگیزیوں کا فوری ازالہ کر دیتا تھا ۔صرف خوش آئند خیال ہے ۔ وفادار موجود تھے ۔لیکن ان کا نظام پر اثر نہیں تھا' نظام بہادر یار جنگ کو بے وفا' مالک کا باغی اور ہونے والا مسولینی سمجھتے تھے' یہی بات کونسل کے ارکان بھی کہتے تھے اور ان سب کا یہ یقین تھا ۔اس طرح نواب صاحب کی وفاداری محتاج توثیق ہوئی ۔ ہر امیر و رئیس اور زعماء ملت سے نظام' بہادر یار جنگ کی وفاداری کے بارے میں اپنے شک کا اظہار کرتے تھے' بہادر یار جنگ میموریل لکچرس (مدینہ ٹکنیکل کالج) میں جس میں راقم الحروف بحیثیت مہمان خصوصی مدعو کیا گیا تھا بیرسٹر اکبر علی خاں سابق گورنر اڑیسہ نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا تھا:

''سرکار ہمیشہ مجھ سے بہادر یار جنگ کی وفاداری کے بارے میں دریافت کرتے' میں عرض کرتا سرکار بہادر یار جنگ آپ کے بے حد وفادار خادم ہیں ۔ سرکار کو صرف میری اس بات پر یقین نہیں آتا تھا ۔''

آنریبل سر عبدالعزیز وزیر حکومت آصفیہ کے نام نواب صاحب کے خط سے ہمارے مندرجہ بالا خیال کی تصدیق ہوتی ہے کہ خود بہادر یار جنگ یہ جانتے تھے کہ نظام کے خیالات ان کے بارے میں کیا ہیں تب تو انہوں نے نظام کے متعلق دعا کی کہ '' خدا اعلیٰ حضرت کو اپنے حقیقی دوست اور دشمن کی صحیح تمیز عطا کرے ۔''

آنریبل سر سید عبدالعزیز صاحب حیدرآباد

مکرمی ! السلام علیکم ۔ مزاج شریف ۔ محبت نامہ باعث تشکر ہوا۔ آپ کا وجود انتہائی پریشانی اورابتلاء میں بھی میرے لئے وجہ تسکین رہااور میں ہمیشہ آپ کواپنا ایک مخلص دوست اور کرم فرما سمجھتا رہا ہوں۔ آج آپ نے جن جذبات خلوص ومحبت کا اظہار فرمایا ہے وہ میرے لئے غیر متوقع نہیں ہیں۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے اورخوش رکھے۔

سید صاحب! اس ساری کارروائی میں صرف ایک دفعہ مجھے آپ سے رنج رہا۔ آج اس کا ذکراس لئے کردیتا ہوں کہ آج کے بعد وہ کھٹک بھی باقی نہ رہے جو کبھی کبھی دل میں پیدا ہوجاتی ہے کہ کیا آپ بھی مجھے اعلیٰ حضرت کا بے وفا سمجھتے ہیں!؟ آج چوں کہ آپ نے اپنے خط میں اس کو صاف کردیا اس لئے میں بھی ذکر کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ وہ عرض داشت جس میں کونسل نے مجھے بے وفا، مالک کا باغی اور ہونے والا مسولینی ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی اس سے آپ بھی متفق تھے۔ آپ کا یہ عذر کہ واقعات آپ کی تشریف آوری سے قبل کے تھے اس لئے معقول نہیں ہے کہ بحث واقعات سے نہیں بلکہ نتائج سے ہے جو آپ کی موجودگی میں نکالے گئے اور آپ نے ان نتائج سے اتفاق کیا۔ بہرحال آپ کے آج کے خط نے وہ کھٹک بھی دل سے دور کردی۔ آپ بھی اس جملہ معترضہ کو فراموش کردیجئے۔

میں ان کیفیات سے واقف ہوں جو گذشتہ ۶ ماہ سے آپ کے قلب پر گذرتے رہے ہیں۔ گو میں آپ سے بہت کم ملا لیکن ہمیشہ میں نے آپ کے ان احساسات کو صحیح سمجھا۔ ان کی دل سے قدر کی اور جہاں جہاں موقعہ ملا ان کو صحیح طور پر پہونچایا۔ میں خوش ہوں کہ آپ اپنے جذبات پر غالب آگئے اور آپ نے استعفی نہیں دیا۔ اللہ آپ سے حیدرآباد کی صحیح خدمت لے اور آپ دیر تک یہ خدمت انجام دیں۔

اب تو دل کچھ مردہ ہوگیا ہے۔ آپ احباب خوش ہوتے ہیں اس لئے میں بھی خوش ہوں ورنہ میرے لئے تو یہ پیغام رنج ہے کہ میری وفا محتاج توثیق بھی ہوئی۔ اگر آپ دل کی بات سننا چاہتے ہیں تو یہ ہے کہ دل بیٹھ گیا۔ اب اس میں وہ امنگ نہیں رہی جو ایک سال پہلے تھی۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے خدمت بلا جزا میں جو لطف ملتا تھا وہ اب مکرمت وعطا میں بھی نہیں ملتا۔

میں آپ کے ساتھ دعا میں شریک ہوں کہ خدا اعلیٰ حضرت کو سلامت رکھے اور ان کو اپنے حقیقی دوست اور دشمن کی صحیح تمیز عطا کرے۔ آمین‘...........................’’آپ کا مخلص‘‘

(حوالہ: خط نمبر ۱۶۰ مورخہ ۱۵ ؍ نومبر ۱۹۴۱ء ص: ۲۰۷‘ ۲۰۸‘ مشمولہ: مکاتیب بہادر یار جنگ۔ کراچی۔)

یہ سمجھنا کیسی خوش فہمی ہے کہ آخری زمانے میں نظام کے تعلقات بہادر یار جنگ سے مخلصانہ ہو گئے تھے۔

’’راہ کی مشکلات کا کچھ نہ پوچھئے‘ قائد اعظم کی راہ میں انگریز ہے‘ ہندو ہیں اور خود ان کے جماعت کے منافقین ہیں اور میرے راستے میں سب سے بڑھ کر ایک اور طاقت ہے جس کو نہ توڑ سکتا ہوں‘ نہ جس کے رہتے اپنے منزل کی طرف بڑھ سکتا ہوں‘ اپنی فکر کی واماندگیوں کا حال ممکن نہیں کہ زباں قلم سے ظاہر کر سکوں۔‘‘

(حوالہ: خط نمبر ۵۷۳ الف ص: ۵۷۴ مورخہ: ۱۸ ؍ اپریل ۱۹۴۴ء بنام جناب محمد علی استاد دینیات جامعہ عثمانیہ)

نواب صاحب کے روایاتی اطاعت کے رویہ سے شاید یہ اندازہ لگایا گیا کہ نظام سے بہادر یار جنگ کے تعلقات حد درجہ استوار تھے‘ مضمون نگار نے اس تلخ حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ قائد ملت کی سیاسی زندگی کے لمحات کی موجوں کا راستہ نظام کی سیاست کے ظلمات کے بیچوں بیچ سے گذرتا رہا لیکن اس کے باوجود روایاتی اطاعت کے ساتھ مسلمانوں کے جائز حقوق کا مطالبہ اور جدوجہد سیادت و قیادت کا سخت امتحان تھا۔ نظام اور ان کے درباریوں کے چال چال سے وہ اہل وطن پر آنے والی سیاسی مصیبت اور مصائب سے اپنی سیاسی بصارت و بصیرت کے باعث پوری طرح آگاہ تھے اور دکن پر پولیس ایکشن سے دس سال قبل وہ اپنی آنکھوں سے حیدر آباد کی سلطنت کو ہندوستان کے سمندر میں ایک موج کی طرح لہراتے‘ دو سو برس کے حاکم ازلی اور ابدی کو غلام بنتے دیکھ رہے تھے۔

’’دل چاہتا ہے کہ جذبات قلب کو صفحہ قرطاس پر نہ لاؤں۔ احتیاط گریبان گیر ہے لیکن سنئے کہے دیتا ہوں‘ مجھے معلوم ہے کہ حکومت میری نہیں رہی۔ میں جانتا ہوں کہ اس کو اسلامی حکومت کہنا اسلام کے لئے باعث ننگ و عار ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ خاک حجاز اقبالؔ کے الفاظ میں خشت بنیاد کلیسا بن گئی ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ہماری ساری امیدوں کا مرکز اور

ساری آرزؤں کا ٹھکانہ مجبور اور دوسروں کے اشارے کا محتاج ہے۔ میں اس کو بھی سمجھتا ہوں کہ بالآخر مجھ کو شکست ہوگی۔ حیدرآباد کی سلطنت مسلمانوں کے ہاتھ سے جائے گی اور ہندوستان کے سمندر میں حیدرآباد بھی ایک موج کی طرح لہرائے گا۔ دو سو برس کے حاکم ازلی اور ابدی غلام بن جائیں گے۔ یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ یہ سب کچھ بے وجہ نہیں ہو رہا ہے۔ مسلمانوں نے اپنی عدم جمعیت' خلاف ورزیٔ قوانین الٰہی' سستی' عیش پسندی اور کاہلی کی وجہ سے اپنے آپ کو اس تمام عذاب الٰہی کا مستحق بنالیا ہے۔

اسلامی سلطنت کے تصور میں جی رہا ہوں' اسلامی سلطنت کو پیدا کروں گا یا اسی تصور میں ہمیشہ کے لئے دنیا سے آنکھ بند کرلوں گا۔ اس کو طبعیت گوارا نہیں کرتی کہ جن پر چھ سو برس سے حکومت کی ہے۔ ان کے سامنے سر اطاعت خم کر دوں۔ کریلا ہوں اور نیم چڑھا۔ پٹھانوں کے محفوظ خون نے خلقت و جبلت میں آزادی بھر دی تھی' اسلام کی تعلیمات اور قرآن کے مطالعہ نے اس کو جلا دے دی۔ یہ خیال نہ کیجئے کہ صرف مندر کے سامنے جھکنا گوارا نہیں ہے' کلیسا کے اقتدار کو بھی گوارا نہیں کرتا۔ اس کے مینار و کلس ڈھلتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ کاخ دیوان کی اینٹوں کو جھڑتا ہوا دیکھ رہا ہوں' بنیادوں کا تزلزل محسوس کر رہا ہوں۔ واقعات یقین دلا رہے ہیں کہ باپ' بیٹا' روح القدس کی بجائے وہاں برہما' وشنو اور شیو کی مورتیاں کھڑی ہونے والی ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ میں خلیج بنگال سے امنڈتے ہوئے طوفان کو چھوڑ کر بحیرہ عرب کے چھٹتے ہوئے بادلوں کی طرح متوجہ ہو جاؤں۔ دیکھنے والی آنکھ منع کر رہی ہے اور سوچنے والا قلب روک رہا ہے لیکن میرا اگر بس چلے تو شاید تھاپی لے کر اپنی زندگی کی خاطر اور مسجد کے مضبوط ہونے تک کلیسا کی دو چار اینٹوں کو مضبوط کر دوں۔'' (حوالہ: خط موسومہ مولوی غلام احمد وکیل نظام آباد مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۳۸ء خط نمبر ۳۷ ص: ۱۲۶ تا ۱۲۷' مشمولہ مکاتیب بہادر یار جنگ کراچی)

نظام کس درجہ مہربان تھے' مضمون نگار کو قائد ملت کے خطبۂ صدارت کے ان اقتباسات سے بھی اندازہ ہو جائے گا۔

آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ حکومت نے ہم کو آج کے جلسہ کی اجازت ایک بہت ہی عجیب و غریب شرط کے ساتھ دی تھی اور وہ شرط یہ تھی کہ ''اس جلسہ میں کوئی سیاسی بات نہ ہو جو قابل

اعتراض ہو‘ کبھی آپ نے اتنا مبہم اور بے معنی حکم حکومت کے کسی ذمہ دار ادارے کو دیتے ہوئے دیکھا ہے۔

ہمارا نعرہ کہ اعلیٰ حضرت کا تخت و تاج ہمارے سیاسی و تمدنی اقتدار کا مظہر ہے۔ تین سال کی کامل خاموشی کے بعد جس میں وہ یقیناً نا قابل اعتراض رہا۔ آج قابل اعتراض بن گیا ہے‘ ہوسکتا ہے کہ ہماری ان تین سال کی صحبتوں میں بلند کئے ہوئے نعرہ ہائے تکبیر بھی قابل اعتراض تصور کئے جائیں اور کسی کی انتہائی بغاوت بھی بنظرِ لطف و کرم نا قابل اعتراض قرار پائے۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ سب کچھ اس جماعت کے ساتھ کیا جا رہا ہے جس کے خون کا ہر قطرہ‘ جس کی سانس کا ہر تموج جس کی زندگی کا ہر لمحہ‘ جس کی صلاحیتوں کا ہر گوشہ اس سلطنت کی وسعت آزادی اور استحکام کیلئے وقف ہے‘ میں حکومت کی ان تمام کارروائیوں کی اس سے بہتر مثال نہیں سمجھ سکتا جیسے کوئی درخت کے کسی ڈالے پر پیڑ کی طرف منھ کر کے بیٹھے اور پھر اس ڈالے کو تراشنا شروع کر دے۔

سیاسی اجتماعی اداروں کی زندگی کا وہی دور سب سے زیادہ صبر آزما ہوتا ہے جبکہ غلط فہمیاں پیدا کی جا رہی ہوں ۔ اپنوں کو غیر بنایا جا رہا ہو ۔ افترا پردازیوں کے طوفان اٹھ رہے ہوں‘ آشیانے کو آگ لگ رہی ہو اور وہی پتے ہوا دے رہے ہوں جن پر تکیہ کیا گیا تھا۔ یہی وقت آپ کے شعور و فہم کی آزمائش کا ہے۔

(حوالہ: خطبات مرتبہ نذیر الدین احمد ناشر بہادر یار جنگ اکیڈیمی حیدرآباد (خطبۂ سالانہ ۱۳۵۹ ہجری)

مشکل یہ تھی کہ دکن کے مسلمان اور ان کا قائد تو نظام کے تھے مگر وہ نہ مسلمانوں کے تھے اور نہ قائد ملت کے جس کا اعتراف خود قائد ملت نے فرمایا کہ ’’مشکل یہ ہے کہ جن کو ہم اپنا سمجھتے ہیں وہ فی الحقیقت ہمارے نہیں۔‘‘ (حوالہ: خط ۵۲ مورخہ ۱۲/ مارچ ۳۹ء مکاتیب بہادر یار جنگ کراچی)

نظام تو یہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کا نام و نشان ان کی سلطنت سے باقی ہے۔ چنانچہ شب دو شینہ کی بدمستیوں کا حال لکھا ہے ؎

شب دو شینہ کی بدمستیاں میں کیا کہوں ساقی
نکل آیا ہے دن اور ہے ابھی خواب گراں باقی

اور اسی غزل میں مسلمانوں پر اپنے کرم کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

سلاطینِ سلف سب ہوگئے نذرِ اجل عثمانؔ
مسلمانوں کا تیری سلطنت سے ہے نشاں باقی

بہادر یار جنگ نے اس شعر کو یوں بدلا کہ صورت حال بدل گئی

سلاطینِ سلف سب ہوگئے نذرِ اجل عثمانؔ
مسلمانوں سے تیری سلطنت کا ہے نشاں باقی

نیاز حیدر نے جو اسی سال مرحوم ہوئے۔ ۱۷ ستمبر ۴۸ء کو جب تاریخ نے باب بدلا اور جس دن نظام کی سلطنت ان کے ہاتھوں سے نکل گئی۔ نظام کے اسی شعر پر طبع آزمائی فرمائی تھی۔

وہ کہتے تھے کہ ان کی سلطنت ہی کے تصدیق میں
مسلمانوں کا ہے اس ملک میں نام و نشان باقی
عقیدت سے ادب سے گن رہی ہے من چلی دنیا
کہ ہیں دستار شاہانہ میں کتنی دھجیاں باقی

نظام کی عقل و حرارت کی کمی پر قائد ملت نے ارشاد فرمایا تھا کہ ''عقل و حرارت کی کمی ہے' بیشک اب وقت آ گیا کہ انتظار کے بغیر اس خود غرض اور ابلہ فریبی کی دنیا کے زمین و زماں کو برہم کر دیا جائے۔ خدا وہ وقت جلد لائے۔'' (حوالہ: مکتوب نمبر ۱۴۲، ۴۲ء مکاتیب بہادر یار جنگ۔ کراچی)

قائد ملت کی شہادت میں نظام کے ایماء و منشاء کو جو لوگ شریک نہیں سمجھتے تعجب ہے کہ ان میں رفیق قائد ملت مولوی محمد احمد خاں صاحب جیسی شخصیت بھی شامل ہے۔ اپنے مضمون میں قاتل کو تلاش کرتے کرتے انہیں ہر موڑ پر صرف سازشی ٹولہ نظر آیا۔ وہ اس حقیقت کو فراموش کر گئے کہ:

کئی ذہن رسا پردے کے پیچھے کام کرتے ہیں
وہی قاتل نہیں جو لے کے خنجر سامنے آئے

تاریخ شاہد ہے کہ شاہوں نے سیاست کی شاہ راہ پر ہر اہل حق کے سر کو تن سے جدا کیا ہے اور مؤرخ نے شاہ سے اس کی شہادت حاصل نہیں کی، تلوار کا مزاج مورخ کا رہنما بنا۔

قاتل سے گفتگو کی ضرورت نہیں رہی

خود زخم پوچھ لیتے ہیں تلوار کا مزاج

تہذیب وفا کی نگاہوں کو نیچا کرنا اور حیا کی پیشانی کو عرق آلود یہ کوئی شاہوں سے سیکھے۔

اگرچہ غیبی حقائق (جو تنہا عقل اور حواس ظاہری کی مدد سے معلوم نہیں کئے جاسکتے' قرائن سے ہم آہنگ اخذ کردہ نتائج کی روشنی میں حقیقتوں کی صورت میں اپنا سر ابھارتے ہیں تو شاہوں کے زر خرید ضمیر فروش مورخ تاریخ کے ان صفحات کو افسانوں کے اوراق میں ملا دیتے ہیں تاکہ تاریخ کا چہرہ اس باب میں حقیقت کو بے نقاب نہ کرسکے۔

کبھی افسانوں میں تاریخ کے اوراق ملے
کبھی تاریخ ملادی گئی افسانوں میں

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ روایتی شاہ پرستی جو ہماری گھٹی میں پڑی ہے اور ہم شاہوں کے تذکروں کو حاصل زندگی سمجھتے ہیں' ہماری اس خوءِ بد پر اقبال نے کہا تھا۔

فتنہ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطین کا پرستار کرے

اس روایتی شاہ پرستی نے جرم کے چہرے پر افواہوں کے پردے ڈال دیئے' تاکہ مجرم کو کوئی صاف پہچان نہ لے اور یہ نہ کہہ سکے کہ ''قاتل تم ہو''۔ فاصلہ ہاتھ کا دامن سے دور نہ تھا۔ لیکن ہاتھ کے فاصلے کو خود ہم نے اوپر سے نیچے گرادیا۔ پتیاں پھول کی گرتی ہیں خزاں میں جیسے' دست طفل خفتہ سے رنگین کھلونے جیسے ورنہ

فاصلہ ہاتھ کا خود ہم نے بڑھا رکھا ہے
ورنہ دامن وہ بہت دور ہوا ایسا بھی نہیں

بہادر یار جنگ اکیڈیمی کراچی سے جون ۱۹۷۶ء میں ''بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں'' کے زیر عنوان کتاب کے دیباچہ میں جناب مجید فاروقی صاحب نے اس جرم سے متعلق نظام کی بے گناہی پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

''نظام دکن نواب صاحب کی مساعی اور ان کی افادیت سے بے خبر نہیں تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ خود ان کی بقا کے لئے مسلمانان دکن کا تحفظ کس قدر ضروری ہے۔ ہر اس سازش میں

جو نواب صاحب یا مسلمان دکن کے خلاف ہوتی ' نظام دکن میر عثمان علی خاں کو ملوث کر دینا انصاف کے تقاضوں کے خلاف ہے۔نواب صاحب کی وفات بڑی اچانک اور پراسرار حالات میں ہوئی۔ اکثر لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ موت فطری نہیں تھی۔ قطعیت کے ساتھ کہنا کہ یہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہے بہت مشکل ہے اور اب تو اس کا امکان بھی باقی نہیں رہا کہ اس راز پر سے کبھی پردہ اٹھ سکے گا۔ یہاں بھی (پاکستان) بعض ذہن نظام دکن کو اس سازش میں شریک کرنے کی طرف مائل نظر آتے ہیں مگر تقاضائے احتیاط یہی ہے کہ جو بات ثابت نہ ہوسکی اس کے متعلق اس قسم کے دعووں سے پرہیز کیا جائے جیسا کہ عرض کیا گیا نظام دکن کو نواب صاحب کے مشن کی افادیت کا پورا پورا احساس تھا پھر ایسی صورت میں ان کا ایک ہستی کے خلاف سازش کرنا جو خود ان کے لئے پشت پناہ تھا مشکل سے سمجھ میں آسکتا ہے۔''

یہ خیال تنہا جناب مجید فاروقی صاحب کا نہیں ہے۔ بہادر یار جنگ اکیڈیمی کراچی کے ارکان کی اکثریت اس کی حامی ہے (شاید یہی وجہ ہے کہ بہادر یار جنگ اکیڈیمی کراچی میں نواب بہادر یار جنگ کی اتنی بڑی اور رنگین کوئی تصویر آویزاں نہیں ہے۔جتنی بڑی سات نظام کی تصاویر ہیں اور نظام کا حیدرآباد ٹرسٹ بھی اس عمارت میں ہے) لیکن پاکستانی عوام کی اکثریت نظام کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ باوجود کوششوں کے نظام کے نام سے نہ کوئی بلڈنگ پاکستان میں موجود ہے اور نہ ہی کسی چھوٹی سے چھوٹی گلی کا نام نظام کے نام سے منسوب ہے۔

ایک وسیع سیاسی پس منظر موجود ہے جس پس منظر میں نظام کی مخالفت کے اسباب سامنے آتے ہیں۔ جناب بادشاہ حسین نے اپنے مضمون میں کس قدر صداقت سے اس امر کا تجزیہ کیا کہ نظام کیوں مخالف ہو گئے تھے ''ایک مطلق العنان بادشاہ کسی فرد کو ایسی بلندی پر دیکھنا نہیں چاہتا۔''

''حیدرآباد کے مسلمانوں میں بہادر یار جنگ کی شخصیت اور اتحاد المسلمین کے ادارے نے سیاسی شعور بیدار کر دیا اور یہ شعور بڑھتے بڑھتے ایک ایسی اتحادی اکائی کی صورت اختیار کر گیا کہ ہندوؤں کی اکثریت اس کو اپنے مفاد کے لئے خطرہ سمجھنے لگی' اس کا مظاہرہ آئے دن ہوتا رہتا تھا' خصوصاً اس وقت یہ بات زیادہ نمایاں ہوگئی جبکہ ریاست میں اصلاحات کے نفاذ کے لئے کمیشن کا قیام عمل میں آیا' علاوہ سر اکبر حیدری سے جو کہ وزیر مالیات تھے اور بعد کو وزیراعظم بھی

ہو گئے تھے بہادر یار جنگ کی معرکہ آرائیاں جاری رہتی تھیں ۔ سر اکبر کی پالیسیوں پر بہادر یار جنگ کھل کر اور برملا اعتراض کرتے تھے ۔ جب ان اعتراضات نے شدت اختیار کر لی تو سر اکبر نے بہادر یار جنگ کے خلاف رویہ اختیار کرلیا۔ایک طرف تو وہ نظام کے کان بھرتے تھے تو دوسری طرف حیدر آباد کے انگریز ریزیڈنٹ کو ان کی سرگرمیوں کے خلاف اکساتے تھے۔

بہادر یار جنگ کی شخصیت جوں جوں بلند ہوتی گئی یہ ریشہ دوانیاں بڑھتی گئیں' کانگریس تو مخالف تھی ہی' ریزیڈنسی بھی مخالف ہوگئی اور نظام کو بھی سر اکبر نے فراہم کرلیا' ان کی جرأت سے سب ہی خائف تھے۔ان کی صاف گوئی سے سب ڈرتے تھے اور ان کے خلوص سے سب ہی کو اپنا اقتدار چھن جانے کا خطرہ تھا۔لہذا نظام کو آلۂ کار بنا کر ان کو ڈرایا دھمکایا گیا۔طرح طرح کی ترغیب دی گئی اور قسم قسم کے اندیشوں کا اظہار کیا گیا لیکن وہ اپنی جگہ پر چٹان کی طرح اٹل رہے مگر اس مرد مجاہد کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔

بالآخر یہ بات نظام کے ذہن نشیں کرائی گئی کہ بہادر یار جنگ ان کا اقتدار چھیننا چاہتے ہیں اور اپنے آپ کو اس بلندی پر محسوس کرتے ہیں کہ جہاں تک نظام کی بھی پہونچ نہیں' ظاہر ہے ایک مطلق العنان بادشاہ کسی فرد کو ایسی بلندی پر دیکھنا نہیں چاہتا' نظام نے شخصی طور پر اپنے اثرات استعمال کر کے انہیں خائف کرنا چاہا۔''

(حوالہ: بلبل ہزار داستاں' از: سید بادشاہ حسین' ص: ۹۵' ۹۶۔مشمولہ: بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں' کراچی)

سر اکبر حیدری سے اصلاحات کے سلسلے میں شدید اختلافات کے دور سے نظام کی مخالفت کا سلسلہ نقطۂ عروج پر آیا' اور درباری سازشوں سے ان کے اختلافات اس وقت اور بڑھ گئے جب تبدیلی وزراء کا مسئلہ نواب صاحب نے اٹھایا' کیوں کہ یہ وزراء چند خاندانوں کے مفادات کا باہمی بھنور تھا۔ ملک کے ملی مفادات کو اپنے سازشی اور ذاتی مفادات پر قربان کر دینا ان کا مسلک تھا۔ بقول قائد ملت کے ''بعض ارکان کی رکنیت باب حکومت کی عمر' خود باب حکومت کی عمر کے برابر ہوگئی تھی۔''

سر اکبر کی ذات ایک نزاعی شخصیت کی حامل تھی' ان کے دور میں ہندو طبقہ کو آبادی کی بنیاد پر مسلمانوں پر سیاسی برتری کا تصور ریاست کے اقتدار اعلیٰ کے خاتمہ کی تمہید تھا۔

قائد ملت، نظام کی ریاست کی سیاست کو وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا چاہتے تھے اور قدرت نے انہیں سیاست کی گتھیوں کو سلجھانے کی بے پناہ صلاحیتوں سے سنوارا تھا۔

نظام اور مسلمانانِ دکن کے حقوق کی حفاظت و صیانت کی صرف ایک صورت یہ تھی کہ تاجِ آصفی اور اقتدار شاہانہ کو ملتِ اسلامیہ کا اقتدار اور والیِ ریاست کو اس اقتدار کا مظہر سمجھا جائے۔ اس سیاسی مصلحت کو سازشی ٹولہ نے رنگ دیا اور نظام کو یہ باور کروانے کی کوشش کی کہ اس عنوان سے بہادر خاں خود دکن کے مسولینی بننا چاہتے ہیں۔

سر اکبر حیدری مسلم مفادات کے خلاف ریشہ دوانیوں کے سلسلے میں قائد ملت کو سیاسی حیثیت سے بے دست و پا کرنے کا ہر حربہ استعمال کر کے جب خود بے دست و پا ہو گئے تو ستمبر ۳۹ء میں نظام آف حیدر آباد سے اس سیاسی مسئلہ کی یکسوئی قائد اعظم کی معرفت عمل میں آئی۔

سر اکبر حیدری کے متعلق نواب صاحب اس حقیقت سے بھی واقف تھے کہ:

''سر اکبر حیدری میرے خلاف اعلیٰ حضرت کے کان بھر دیتے ہیں''

(یادداشت از سید یوسف تصور، غیر مطبوعہ، ص: ۶۲)

۲۴ راگست ۱۹۴۰ء کو سر اکبر حیدری نے جیتی ہوئی بازی کو ہار دیا۔

''مسلمانوں کی خصوصی حیثیت برقرار رکھنے کے لئے نظام دکن نے مجلس کے قائد کو خفیہ لیکن تحریری تیقن دیا کہ صرف خاص کے ان کے اپنے نامزد کردہ نمائندے لازماً مسلمان ہوا کریں گے۔ اس طرح مقنّنہ میں مسلم اور غیر مسلم کا تناسب ۴۹:۵۱ رہے گا۔ یہ تیقن مجلس کے صدر، مسلمانوں کے قائد محمد بہادر خاں نے بڑی جدو جہد، کشمکش کے بعد حاصل کیا جو بڑی سیاسی کامیابی تھی۔ گویا انہوں نے مروجہ اصول جمہوریت کا رخ موڑ دیا اور دکن میں مسلمانوں کی تاریخ بنائی۔ مقصد حاصل ہونے کے بعد ممکن تھا کہ اعلان نہ کیا جاتا لیکن عوام کو اپنے اعتماد میں لینے کے لئے نہایت ہی محتاط اعلان کیا گیا کہ مجلس اتحاد المسلمین چند تیقنات کے ساتھ دستوری اصلاحات کو قبول کر رہی ہے، یہ فتح نہیں تو اور کیا ہے کہ (۱۲) فیصد مسلمانوں کو مقنّنہ میں اکثریت دلا دی گئی۔

یہ عظیم الشان کامیابی حیدری حکومت اور ان کے اعیان کے لئے بہت بڑی ہزیمت تھی۔ قائد ملت کی روز افزوں مقبولیت سے حیدری حکومت لرزاں و ترساں تھی۔ اس کا منصوبہ تھا کہ

نواب صاحب کو اس طرح پابند کیا جائے کہ ان کی مساعی بے نتیجہ ہو اور قیادت کا اثر زائل ہو جائے۔ لیکن ان کی شخصیت ہند گیر اہمیت کی حامل تھی۔ ریاستی حکومت کو یہ اندیشہ بھی لاحق تھا کہ ان کے خلاف تشدد برتنا کل ہند احتجاج کو دعوت دینے کے مترادف ہے' اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ اسٹیٹ پولیٹکل ڈپارٹمنٹ کے مشورہ سے نواب صاحب کے خلاف کوئی موثر کارروائی عمل میں لائی جائے۔ ادھر حضور نظام کو ان کے خوشامدی درباریوں نے باور کرایا کہ نواب صاحب کی بے پناہ مقبولیت سے اس امر کے آثار پیدا ہو گئے ہیں کہ جرمنی کے ہٹلر اور اٹلی کے مسولینی کی طرح وہ دکن میں آمریت اختیار کر لیں۔ اس لئے مناسب ہے کہ مرحلہ اول ہی میں اس اندیشہ کا ازالہ کر دیا جائے۔

غرض سازش کی تکمیل کے بعد حکومت نواب صاحب کی ذات کو ریاست کی مستقبل کے لئے خطرہ سمجھ کر حکومت ہند کے پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ کو مطلع کیا کہ وہ ان کو گرفتار کرنا چاہتی ہے۔ اس زمانہ میں سرفرانسس والی حکومت ہند کے سیاسی مشیر کی حیثیت سے پولیٹکل ڈپارٹمنٹ کے انچارج تھے اور نواب صاحب کی قیادت کی روز افزوں مقبولیت سے بھی وہ آگاہ تھے۔ انہوں نے اس مسئلہ میں عجلت کے ساتھ کوئی فیصلہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اولاً بطور احتیاط برطانوی ہند کے مسلم قائدین سے نواب صاحب کے اثر و رسوخ اور مجوزہ گرفتاری کے بعد اس کے ردعمل کے بارے میں رائے دریافت کی۔ ان قائدین نے غالباً رقابت کے باعث نواب صاحب کے بارے میں مثبت قسم کی رائے کے اظہار سے نہ صرف عمداً گریز کیا بلکہ اپنے جواب میں ان کی اہمیت گھٹانے کی کوشش کی۔ ان آراء کے بین السطور سے پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ پر نواب صاحب کے ساتھ ان قائدین کی رقابت واضح اور نواب صاحب کے بارہ میں صحیح نتیجہ پر پہنچ کر ریاستی حکومت کو جواب دیا کہ وہ نواب صاحب کو صرف اپنی ذمہ داری پر گرفتار کر سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس جواب سے پولٹیکل ڈپارٹمنٹ کے معہود ذہنی کا پتہ چلتا تھا اس لئے حیدری حکومت کو گرفتاری کی تجویز پر عمل کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ لیکن مخالفین کی سازشوں کا جال پھیلتا جا رہا تھا۔ ہندو طبقات کا عناد تو ایک بین حقیقت تھی' حکومت تو ایک زخمی دشمن کی طرح ان کا تعاقب کر رہی تھی۔ حکمراں کے تو وہ رقیب قرار دیئے گئے۔ قوم پرست مسلمان ان کے سیاسی مسلک سے متفق نہ تھے۔ مشائخین اکرام

ان سے حسد کرنے لگے تھے۔ درونِ خانہ بھی فضاء موافق نہ تھی۔ ایک گہری سازش نہ معلوم کتنے عرصہ سے خفیہ طور پر بروئے کار لائی جارہی تھی جس سے قائد ملت لاعلم نہ تھے۔ وہ اکثر اپنے خطاب عام میں فرماتے تھے کہ "میرے آشیانے پر بجلی منڈلا رہی ہے۔ اس کو جل جانے دو" عین اس زمانے میں جب کہ وہ حیدرآباد کو انگریزوں سے کئے ہوئے معاہدات کی روشنی میں آزاد کرانے کی سعی فرمارہے تھے۔ ہاشم یار جنگ کے دعوت میں مہلک زہر آلود حقہ سامنے لایا گیا' دام ہمرنگ زمیں تھا۔ ایک کش کے ساتھ ہی طائر روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ حقہ فوراً غائب کردیا گیا۔ موقعہ پر موجود ڈاکٹروں نے رائے دی کہ حلق میں پھندہ پڑجانے کی وجہ سے موت واقع ہوگئی ہے' ایک زعیم ملت جو سارے برصغیر کا محبوب' ہر مبتداء کی خبر' ہر ابتداء کی انتہاء ہر ضمیر کا مرجع' ایک ذات اور لاکھوں بندگانِ خدا کی عزت و آبرو' ہر ایک کا قبلہ امید' آن کی آن میں عالم ناسوت سے عالم لاہوت بلکہ عالم ملکوت میں پہنچ گیا۔

سازش ایوانِ شاہی کی تھی' کسی کو احتجاج کی ہمت نہ ہوئی سب کے منہ پر قفل پڑے ہوئے تھے۔ عرصہ دراز تک عوام میں چہ میگوئیاں ہوتی رہیں۔ شکوک ظاہر کئے گئے لیکن کوئی فریاد رس نہ تھا' جب قاتل ہی مسند عدالت پر قابض ہو تو خون ناحق کی سزاء کس کو دی جاسکتی ہے۔ ۱۹۴۴ء کے قیامت خیز حادثہ کا ردعمل قدرتی طور پر ۱۹۴۷ء میں ظاہر ہوا' جس طرح محمود گاواں کے قتل ناحق کے بعد برید شاہی سلطنت کا خاتمہ ہوا اسی طرح آصفی تخت و تاج ہند یونین کے قدموں تلے روندا گیا۔ بہرحال عالم الغیب والشہادۃ کی حکمتوں کا کس کو علم ہے۔ ایک پاک باطن' پاکباز' متقی و پرہیزگار' مبلغ پیام حق اور خادم خلق کو حرص و آز' مکر و فریب' فتنہ و فساد دغا سازش کی اس ناپاک دنیا میں عمر طویل عطا کرنا قدرت ہی کو منظور نہ تھا۔ وہ ملکوتی طائر اس مقام پر پہنچ گیا جو اس کے شایان شان تھا۔ عمر دراز کی ہماری دعائیں' زندہ باد کے نعرے مؤثر ثابت نہ ہوسکے لیکن اس مقبول بارگاہ الٰہی کی دعا کہ اس کی عمر کا باقی حصہ قائد اعظم کو دے دیا جائے فوراً قبول ہوگئی۔

لیس للانسان ماتمنی فللہ الاخرۃ والاولی

(حوالہ: سوانح بہادر یار جنگ' از: نذیر الدین احمد مشمولہ مقدمۃ الکتاب' ص: ۲۵'۲۶' از: مولوی عبدالرحمٰن سعید' سعید صدیقی شکاگو)

قائد ملت کی زندگی کا آخری زمانہ ان کی سیاسی زندگی کا نقطہ عروج تھا اور اس وقت تک

دنیائے سیاست ان کی فیصلہ کن سیاسی قوت کا لوہا مان چکی تھی۔ان کا عروج حاسدین کی نظر میں کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا۔

ان کی زندگی میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو ان سے حسد کرتے تھے مگر کسی میں ان کے مقابل آنے کی جرأت نہ تھی' نواب صاحب نے اس منصوبے کو رد کر دیا تھا جو چند اہم شخصیتوں کی سرپرستی میں ابوالحسن سید علی اور ہندو لیڈروں نے مل کر بنایا تھا۔

(حوالہ: مخلص انسان' از: میر لائق علی' ص:۲۶۴ مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں۔کراچی)

''آل انڈیا اسٹیٹ مسلم لیگ کی تنظیم' پاکستان میں شرکت۔مسلم لیگ کے اجلاس میں نمایاں طور پر شریک ہونا' یہ تمام خدمات ایسی نہ تھی جو حریفوں کو خاموش بیٹھنے دیتیں۔چنانچہ بہادر یار جنگ کے خلاف سازشوں کا جال پھیل گیا۔'' (حوالہ: مولوی عبدالحامد بدایونی ۱۲ مئی ۱۹۵۷ء حیدرآباد)

''ایک چراغ جس کی تیز روشنی سے صرف ظلمت کدہ دکن ہی نہیں بلکہ پورا ہندوستان منور ہو رہا تھا' سازشی نظام' انگریز سامراج اور نظام کا سازشی ٹولہ اسے برداشت نہ کر سکے۔''

(حوالہ: بے تیغ سپاہی' از: صدیق علی خاں' مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں۔کراچی)

اعلاء کلمۃ الحق کا جو خمیازہ علامہ جمال الدین افغانی کو ترکی میں بھگتنا پڑا وہی بہادر یار جنگ کے لئے حیدرآباد میں مقدر تھا۔جمال الدین کو زہر آلود خلال کے ذریعہ ختم کیا گیا اور بہادر یار جنگ کو حقہ میں زہر دیا گیا۔خدا کا شکر ہے کہ جب اس مرد مجاہد کو شہید کیا گیا وہ حکومت حیدرآباد کا باجگزار بہادر یار جنگ نہیں بلکہ حیدرآباد کا ٹیپو تھا۔

(حوالہ: حیدرآباد کا ٹیپو' از: عبدالوحید خاں ص ۲۲۶' مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں۔کراچی)

دکن کے قدیم فرماں رواؤں نے سلطان المجاہدین ابوالفتح ٹیپو کے ساتھ جو سلوک کیا تھا (جس سے دکن کی تاریخ داغدار ہو گئی تھی) یوں لگتا ہے کہ جیسے سرزمین دکن نے ایک دوسرے بے تاج وتخت ٹیپو کو جنم دیا ہے جس نے بے شمار محاذوں پر اسلام دشمنوں سے بے تیغ وسنان جنگ کی اور سرخ رو ہوا۔

اس نے ٹیپو شہید کے خون کی آبرو رکھ لی۔

(حوالہ: کچھ یادیں' کچھ باتیں' از: نصراللہ خاں' ص:۳۱۳۔مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں۔کراچی)

بہادر یار جنگ اور ٹیپو سلطان میں کئی مماثل خصوصیات تھیں۔ دونوں نے نامصائب زمانہ میں مسلمانان دکن اور بالواسطہ مسلمانان ہند کو دوبارہ اوج کمال تک پہنچانے کی سرتوڑ کوشش کی اور دونوں آصف جاہی سازشوں کا شکار ہوئے۔ ایک نے سنت حسینی پوری کی اور دوسرے نے سنت حسنی۔

تاریخ اسلام میں سرور کائنات کے دونوں نواسے مومن کے عمل کے نمونے ہیں۔ صداقت کے لئے طاغوتی طاقتوں سے نبرد آزما ہونے کے سبق انہیں دو بارگاہوں سے حاصل ہوتا ہے۔

کس قدر عجیب بات ہے کہ دو بڑے دکنی دماغ ان بزرگ ہستیوں کے راستے پر گامزن ہوئے اور ثابت کر دیا کہ اسلام ہر زمانہ میں شہیدوں کے سچے پیرو پیدا کرتا ہے۔

(حوالہ: ہمارا نواب' از: مولوی اکبر وفا قانی مشمولہ بہادر یار جنگ مشاہیر وطن کی نظر میں' مرتبہ: نذیرالدین احمد' ناشر بہادر یار جنگ اکیڈیمی' حیدر آباد)

جو چپ رہے گی زباں خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

◆◆◆

اصول قانونِ شہادت کی روشنی میں
بہادر یار جنگ کی شہادت

۲۵/جون ۱۹۴۴ء کی شب عدلیہ کے عہدہ دار ہاشم علی خاں کے بنگلے واقع بنجارہ ہل پر دعوت سے قبل بہادر یار جنگ کی موت واقع ہوئی اس عظیم قائد کی موت پر ۵۶ سال سے سیاسی اسرار کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔لیکن آج تک کوئی بھی اس موت کو طبعی موت ماننے کے لئے تیار نہیں ہے اوران کی موت کوان کے انتقال کے دن سے آج تک سیاسی محرکات پر مبنی سازش سمجھا جاتا رہا ہے۔

اس شبہ کی ابتداء بنیادی باتوں میں جو باتیں عام ہیں وہ حسب ذیل ہیں جو شبہ کی تقویت کا باعث ہیں۔

۱۔ جسٹس ہاشم علی خاں کی دعوت میں جانے سے قبل جب وہ دیوڑھی سے روانہ ہوئے تو ہشاش بشاش اور بالکل صحت مند تھے' دعوت میں جانے کے بعد بھی وہ وہاں بلبل ہزار داستاں کی طرح گویا تھے۔

۲۔ وہ دعوت جس میں نواب صاحب مدعو تھے سوائے ڈاکٹر رضی الدین صدیقی اور بیرسٹر اکبر علی خاں کے پہلے ان کے ہمنوا اور دوسرے ان کے دوست تھے' باقی شرکاء دعوت کے سیاسی کردار نظام والیٔ ریاست سے ان کے معنی خیز ربط اور تعلق کی بناء پر مشتبہ تھے۔

۳۔ دوران گفتگو نواب صاحب کو بطور خاص حقہ پیش کیا گیا' نواب صاحب نے حقہ پیش کرنے والی خاتون ڈاکٹر مس مقبول علی سے پوچھا یہ کیا؟ جواباً اس نے کہا کھانے میں دیر ہے اس لئے حقہ پیش کیا جارہا ہے۔ یہاں چار باتیں قابلِ غور ہیں۔(الف) دعوتوں میں حقہ' پان سگریٹ کھانے کے بعد پیش کیا جاتا ہے' اس تہذیبی روش سے ہٹ کر کھانے سے قبل حقہ کیوں پیش کیا

گیا۔ چوں کہ یہ دعوت شاہی عداوت کے زیرعنوان تھی' حقہ میں زہر ملا دیا گیا تھا اور ایک ہی کش میں قائد ملت کا جاں بحق ہوجانا اس کا ثبوت تھا۔ (ب) کھانے کی اس دعوت میں کھانے میں زہر نہیں ملایا جاسکتا تھا کیوں کہ کسی مخصوص شخص کی رکابی میں زہر ملا کھانا پیش کرنا قرینِ قیاس نہیں ہوسکتا' حقہ کے ذریعے زہر دینے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ (ج) کھانے سے قبل حقے کی پیش کشی' معاً اس کا غائب کردیا جانا اس خیال کو تقویت پہنچاتا ہے کہ حقے کے ذریعے نواب صاحب کو زہر دیا گیا' اگرچہ حقہ غائب کردیا گیا تھا لیکن پنچنامہ کے وقت پولیس کو کچرے کی ڈھیر (کچرے کی کنڈی) میں ملا' بعد معائینہ حکومت سرکار عالی نے بذریعہ اخبارات اعلان کیا کہ "حقہ میں نکوٹین کی مقدار قدرے زیادہ تھی" کیا یہ وہی حقہ تھا' اگر وہی حقہ تھا تو پولیس کو صاحب خانہ کے گھر سے کیوں برآمد نہیں ہوا؟

(د) حقہ جس نے پیش کیا وہ ڈاکٹر مس مقبول علی تھی (جن کے شوہر ڈاکٹر مقبول علی کارونر تھے) یہ ایک یہودی خاتون تھی' اس کے کردار از ابتداء تا انتہا سیاسی اعتبار سے بھی مشکوک تھے' سازشی ٹولے سے ان کا گہرا ربط و تعلق تھا۔ سرآرتھر لوتھیاں ریزیڈنٹ حیدرآباد سے اس کے مراسم نہایت دوستانہ تھے۔ (آج سے تقریباً ۵ سال قبل یہ جرمنی سے اپنے ......لڑکوں کے سات حیدرآباد آئی۔ اسے دواخانہ اسریٰ میں شریک کردیا گیا تھا۔ یہ ایک عرصے سے پاگل تھی اور اسی حالت میں ان کی موت واقع ہوئی۔)

حقہ میں زہر کے واقعہ کی تصدیق اس تحریر سے بھی ہوتی ہے جو نظام کے درباری سازشی اور درباری مسخرے نے تحریر کیے ہیں' مخفی مبادا سازشی ٹولہ کے ذریعے یہ بات نظام کے ذہن میں بٹھادی گئی تھی کہ بہادر یار جنگ مسولینی کا رول ادا کررہے ہیں' خود نظام نے بھی یہ بات اپنے مخصوص درباریوں سے کہی تھی' اس کی تائید مزید اس طرح ہوتی ہے کہ نواب صاحب کی موت کے بارے میں انجانے میں ہوش بلگرامی کے قلم نے یہ بات اس سے اگلوادی۔

"اگر بہادر یار جنگ کے یہ عزائم کہیں پورے ہوجاتے تو وہ ایک وقت میں ہٹلر بھی بن جاتے' مسولینی کی فسطائیت بھی پھیلا دیتے اور مصطفیٰ کمال کی انقلابی روش بھی اختیار کرلیتے' اور اس اتحاد ثلاثہ کی آزماش سے ملک میں انقلاب عظیم پیدا کیے بغیر نہ رہتے جس کے لئے کسی

موزوں وقت کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ مگر زندگی نے وفا نہ کی۔

دعوت ہاشمی میں حقہ پیتے پیتے چل بسا۔''

(حوالہ: مشاہدات از ہوش بلگرامی، ص: ۲۹۷، ۲۹۸)

۴۔ نواب صاحب کے منھ سے مسلسل خون رس رہا تھا اور جسم پر نیلے نشان نمایاں ہو رہے تھے۔

۵۔ جسٹس ہاشم علی خاں کے گھر میں جس وقت قائد ملت کی وفات کی خبر کے بعد مختلف اکابرین، عمائدین اور مجلسی عہدہ دار و عزیز و اقارب جمع ہوئے تو ان میں سے کسی نے بھی اس امر کی گواہی نہیں دی کہ دعوتیوں کے لئے کھانا پکایا گیا تھا، دعوت تھی، مدعوئین تھے مگر دعوتیوں کی ضیافت کے لئے کھانا نہیں پکایا گیا تھا، دعوت دراصل

وہ ان کے دام میں آنے کا ایک بہانہ تھا

اب سوال یہ تھا کہ

کس نے فلک کا چاند زمیں پر بچھا دیا

بہادر یار جنگ کا قاتل ایک انسان تھا، ''انسان انسان کا بچہ سہی مگر حیوانوں میں رہ کر انسان انسان نہیں رہ سکتا۔''

کنگ کوٹھی پر پردہ پڑا ہوا تھا اور قائد ملت کے ہر چاہنے والے کی نگاہ کنگ کوٹھی کے پردے کے پیچھے چھپے ہوئے قاتل پر لگی ہوئی تھی مگر وہ اقتدار کا بت تھا، والی ریاست تھا، کسی کی زبان گویا نہ ہو سکی، اور یہ راز سربستہ رہا، کیوں کہ

محرومیوں کی چپ حد اظہار بن گئی
تھے ہونٹ جس جگہ وہیں دیوار بن گئی

یہ ہیں وہ ابتدائی شبہات جو ۴۷ برس سے تحقیق طلب ہیں اور اب یہ واقعہ ثبوت طلب واقعات کی فہرست میں ہے جس طرح عدالت میں کسی مجرم پر جرم عائد کئے جانے کے بعد شبہات پیش ہوتی ہے اسی طرح کی شہادت اس شبہ کا فیصلہ کر سکتی ہے۔

اصول قانون، شبہ کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ شبہ کی حقیقت کو قانون کی مدد سے بڑی تقویت ملتی ہے۔

''شبہ۔ ایک زیادہ قوی لفظ ہے۔ ایسا خیال جو دوسرے سے پیدا ہوتا ہے' کمزور نہیں ہوتا''
(اصول قانون شہادت از ڈبلیو اے ایم بسٹ)

اگر ہم (BON NIER) کے اس قانونی نقطہ نظر کو ملحوظ خاطر رکھیں کہ:

''صداقت کی دریافت میں انسانی ذہن کے خزانوں کی تحقیق کو ان مصنوعی قواعد کی تحقیق پر سبقت ہونی چاہئیے جو اس کی تائید میں وضع کئے گئے ہیں۔''

''فہم انسانی پر تین نقطہ ہائے نظر سے غور کیا جا سکتا ہے یعنی ماخذ ہائے تصورات کے نقطۂ نظر سے' ان اشیاء کے لحاظ سے جن کا ذہن انسانی کو شعور ہوتا ہے یا واقعات یا قضیات کی صداقت یا بطلان کے متعلق ہمارے یقین کی شدت کے لحاظ سے BACON اصول قانون شہادت میں وجدانی شعور کو علم اور یقین کی بنیاد قرار دیتا ہے۔

ذہن انسانی کے باہمی تعلقات کا شعوری نتیجہ شدت یقین کی صورت میں ادراک کہلاتا ہے' اس طرح یقین کی حد مناسب کا عنوان بھی ادراک ہے اس طرح قرائنی شہادت کی بنیاد پر ابتدائی شبہات بنیادی حیثیت کے حامل ہیں۔ لیکن فہم انسانی ماخذ ہائے تصورات کو شعور کی مدد سے واقعات کے تسلسل وارتباط کے سہارے یقین کی منزل کی طرف لیجاتے ہیں۔

کسی ملزم کو شریک جرم سازش ثابت کرنے کے لئے پہلے نفس جرم سازش کو ثابت کرنا ضروری ہوتا ہے بعد ازاں ''شریک جرم سازش'' کو ثابت کرنا پڑتا ہے' اس بنیادی نقطۂ نظر کے پیش نظر یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ کیا اسباب تھے جو وجہ تحریک بنے قائد ملت کی شہادت کے' اس سوال کا جواب وہ سیاسی پس منظر ہے جس پس منظر میں قائد ملت کی بے باک قیادت سازشی بساط سیاست کے مہروں کو مائل بہ شکست کر رہی تھی' یہ وہ وقت تھا جب ابنائے وطن نے مذہبی آزادی کے پردے میں سیاسی اقتدار کے حصول اور سیاسی منصوبوں کو جارحانہ بنیادوں پر مقصد براری کا ذریعہ بنانے کے لئے ۱۹۳۷ء میں میدان عمل میں کود پڑے۔ سر اکبر نے اصلاحات کا اعلان کر کے اپنی حکومت کی سیاسی شکست کا اعتراف کر لیا' اس وقت تک قائد ملت کی آواز دکن کے مسلمانوں کے قلوب کی ترجمان بن چکی تھی۔ نواب میر عثمان علی خاں نے اس بات کو نظر انداز کر دیا تھا کہ مسلمانان مملکت آصفیہ کے مفادات و امتیازات حقوق کی برقراری کے بغیر اصلاحات کا

اعلان، مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کی بقا اور معاشی وثقافتی حیثیت کا تحفظ جو توارثاً وتعاملاً انہیں حاصل رہا ہے۔اس سے وہ محروم ہو جائیں گے۔

اصلاحات کی یہ جنگ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۳۹ء تک جاری رہی، بالآخر سر اکبر نے والی ریاست کا فرمان نسبت اصلاحات جاری کروادیا (نظام والی ریاست کو ان کی شاہی کی بقا کی ضمانت دے دی گئی) اس طرح حکومت نے سپر ڈال دی اور مسلمانوں کے دوصد سالہ وقار و تمکنت کو اپنی شاہی کی بقاء پر بھینٹ چڑھا دیا۔

لسان الامت، ان ساری سازشوں کے خلاف ہر محاذ کے مقابل ایک محاذ قائم کر چکے تھے، کیوں کہ وقت کا تقاضہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت وصیانت، اس امر کی متقاضی تھی کہ، قائد ملت کے جذبہ اندرون کی بے قراریوں، منصب قیادت کی ذمہ داریوں کا تقاضا تھا کہ کامل تدبیر کے ساتھ منصب قیادت کی ذمہ داریوں کو پورا کیا جائے، افہام وتفہیم روایاتی اطاعت کے دائرے میں مطالبات کی کوششیں، اپنا رنگ نہ جماسکیں۔مجبوراً قائد ملت نے سر اکبر کو ''راست اقدام'' کی بالمشافہ یادداشت دی۔سر اکبر نے اس کی وضاحت چاہی، قائد ملت نے جواباً فرمایا: ''ہر وہ عمل جس سے حکومت کو پریشان اور اس کو مسلمانوں کے مطالبات ماننے کے لئے مجبور کیا جا سکے۔'' والی ریاست نے صورت حال کی نزاکت کو محسوس کیا اور اس موقعہ پر قائد اعظم کا سہارا ہی واحد وسیلہ تھا۔ ماہ مئی ۱۹۴۱ء میں اس خصوص میں قائد اعظم سے نظام والی ریاست کی مراسلت ہوئی۔ چار خط قائد اعظم کے نام لکھے۔ان خطوط کا سلسلہ ماہ جون ۱۹۴۱ء تک جاری رہا۔والی ریاست کے خطوط اور قائد اعظم کے جوابات کا مطالعہ، نظام کے ناپاک عزائم کا آئینہ دار ہے۔

◆◆◆

فرماں روائے دکن حضور نظام کا خط قائداعظم کے نام

حیدرآباد۔ مورخہ: ۲۹رمئی ۱۹۴۱ء   خانگی اور بصیغۂ راز

جناب محمد علی جناح صاحب!

آپ کا مکتوب مؤرخہ ۲۲رمئی وصول ہوا جس سے بڑی مسرت ہوئی۔ میرے فرمان مورخہ ۴رربیع الثانی ۱۳۶۰ء جس کی اشاعت عمل میں آچکی ہے یہ نہایت ضروری تھا کہ اس کی اجرائی میں وقت ضائع نہ ہو جیسا کہ آپ کو علم ہے۔ بہادر یار جنگ کی تباہ کن سرگرمیوں کی وجہ سے یہاں کی سیاسی صورتحال نہایت سنگین ہو چکی ہے اس لئے یہ ضروری تھا کہ غلط فہمیوں کو دور کیا جائے یا مزید پیچیدگیوں کو ٹالا جائے' اس لئے میری نظر میں جو کچھ میں نے اور میری حکومت نے اس سلسلہ میں جو کچھ کیا وہ بالکلیہ صحیح اور حق بجانب ہوگا۔

(۲) علاوہ ازیں جیسا کہ آپ کو علم ہے' ریاست ہائے ہند کے حالات برطانوی ہند کے حالات بالکل مختلف ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ ریاستیں اقتدار اعلیٰ کے زیر نگرانی ہیں اور ان کو معاہدات ذمہ داریاں نبھانی ہیں' برطانوی حکومت سے وفاداری کو ریاستیں کسی خاص فرقہ کی حرکات سے جو ان کے حدود میں مقیم ہے متاثر کرنے کی اجازت نہیں دے سکتیں' ان تمام امور پر کسی فریق یا فرد سے مشورت کے وقت خواہ وہ کوئی ہو غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(۳) میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ جو کچھ بھی اب تک طئے ہوا ہے اس کو برطانوی حکومت کی منظوری حاصل ہے' اس حکومت کا خیال ہے کہ حکمراں کی اپنی چند ذمہ داریاں ہیں جن سے وہ کبھی دستبردار نہیں ہو سکتا' مجھے اعتماد ہے کہ میں نے جو کچھ اظہار کیا ہے اس کو آپ مکمل طور پر سمجھ گئے ہوں گے۔

(۴)　علاوہ ازیں آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ ریاست حیدرآباد میں میں صرف مسلمانوں کا حکمراں نہیں ہوں بلکہ اسی طرح دوسری اقوام اور فرقوں کا بھی حکمراں ہوں جو میری رعایا ہیں‘ اس لئے میرا سلوک ان سب سے کسی ظاہری امتیاز کے بغیر یکساں اور مساویانہ ہونا چاہیئے‘ زمانۂ حاضر میں اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے جب کہ ساری دنیا میں تبدیلی اور انقلاب آ گیا ہے اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس ریاست میں مسلمان اقلیت میں ہیں۔ یعنی (۱۵) لاکھ سے زیادہ نہیں اور ان کے مقابلہ میں دوسرے فرقے زبردست اکثریت میں ہیں۔ مسئلہ کے کسی حل سے پہلے اس اہم حقیقت پر غور کرنا نہایت ضروری ہے۔

(۵)　آخر میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ بہ حیثیت حکمراں میرا یہ فرض ہے کہ ریاست میں ہر قیمت پر امن وامان کا تحفظ کروں۔ میرا یہ بھی فرض ہے کہ مختلف فرقوں کے مفادات کی حفاظت کروں جو میری سرپرستی میں امن وامان کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں اور کسی فرقہ کو یہ کہنے کا موقعہ نہ دوں کہ ان کے خلاف میں تعصب یا جانب داری برت رہا ہوں اور یہ کہ ان کے ساتھ انصاف کرنے میں‘ میں کوتاہی کر رہا ہوں۔ اس کے علاوہ میں نے اور میری حکومت نے جو کارروئی کی ہے وہ پوری ریاست بالخصوص مسلم فرقہ کی بہتری کے لئے کی گئی ہے اور یہ عمل بہادر یار جنگ کو خطرہ سے بچانے کے لئے کیا گیا ہے‘ اس کے برعکس اگر وہ اپنی نامناسب پالیسی پر عمل پیرا ہوں گے تو بالاخر فرقہ مسلم کو نقصان پہنچائیں گے‘ اس لئے حکمراں اور اس کی حکومت کے لئے ضروری ہے کہ تاخیر ہونے سے قبل حالات کو درست کر لیا جائے۔

۶۔　میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ بات قابل اعتماد ذریعہ سے میرے علم میں آئی ہے کہ جب سے بہادر یار جنگ نندی ہلز سے جہاں وہ آپ سے ملاقات کے لئے گئے تھے کھلے طور پر اپنے رفقاء سے کہہ رہے ہیں کہ اگرچہ مسٹر جناح نے اخبارات میں اپنی پالیسی کا اعلان کیا ہے کہ مسلم لیگ کا مختلف ریاستوں کے ادارہ جات سے کوئی تعلق نہیں ہے کیوں کہ وہاں کے حالات بڑی حد تک برطانوی ہند کے حالات سے مختلف ہیں اور یہ کہ مسٹر جناح نے بوقت ضرورت حیدرآباد میں اتحاد المسلمین کی مدد سے انکار کر دیا ہے تو ان کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے وہ جو کچھ بہتر اور مناسب سمجھتے ہیں عمل کرنے میں آزاد ہیں۔ چوں کہ مسٹر جناح نے ایک سے زائد موقعوں پر

ان کی حیثیت کو تسلیم نہیں کیا ہے جس کی وجہ سے ان کے جذبات مجروح ہوئے ہیں وغیرہ۔ مجھے علم نہیں ہے کہ جو بیان میرے کانوں تک پہنچا ہے اس میں کہاں تک صداقت ہے' تاہم بہادر یار جنگ کے کردار سے میں شخصی طور پر واقف ہوئے اتنا کہہ سکتا ہوں کہ یہ بیان بڑی حد تک صداقت کا حامل ہے' بہر حال اس کا مجھ سے اور میری حکومت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر بھی میں نے مناسب خیال کیا کہ اس کی جو کچھ بھی اہمیت ہو میں آپ کے علم میں لاؤں۔

۷۔ آپ کے مکتوب مورخہ ۲۴ رمئی کی ایک نقل سر اکبر حیدری نے میرے ملاحظہ کے لئے بھیجی ہے اور انہوں نے آپ سے ملنے کیلئے نندی ہلز کو ایک خصوصی پیامبر بھیجنے سے قبل مجھ سے اسی مسئلہ پر طویل گفتگو کی۔ اور خصوصی پیامبر نے واپسی پر آپ سے ملاقات کا ایک نوٹ بھی پیش کیا۔ محولہٗ صدر مکتوب میں آپ نے صدر اعظم اور ان کے رفیق کار سید عبدالعزیز سے خواہش کی ہے کہ اتحاد المسلمین کی سرگرمیوں کے خلاف کوئی مزید اقدام نہ کیا جائے۔ دوسری طرف بہادر یار جنگ کا عمل کچھ مناسب نہیں ہے' یا وہ ان کو دیئے ہوئے مشورہ کے مطابق نہیں ہے۔ جیسا کہ مجھے لکھے ہوئے مکتوب سے معلوم ہوتا ہے) ایسی صورت میں کیا عمل کیا جائے؟ مسئلہ زیر بحث کے اس پہلو پر بھی غور کیا جائے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم حتی الامکان مزید اقدام سے احتراز کریں گے لیکن اگر بہادر یار جنگ اپنے عمل سے ہمیں کسی اقدام پر مجبور کریں تو پھر ہمارے لئے کوئی اور صورت نہیں ہے۔ حکومت کے وقار کو قائم رکھنے کے لئے ان کے عمل کا ترکی بہ ترکی جواب دیا جائے۔ کیوں کہ حالات سے پتہ چلتا ہے کہ بہادر یار جنگ نے اپنے قدیم طریقۂ کار میں ہنوز کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی ہے بلکہ آپ کے اور کسی اور کے مشورہ کا لحاظ کئے بغیر جو ان کے مفاد میں ہے اپنے عمل کو مستحکم ارادہ کے ساتھ جاری رکھا ہے اگر یہ صورتحال باقی رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ وقت زیادہ دور نہیں ہے جبکہ ان کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا جس کے لئے کوئی اور نہیں بلکہ وہ تنہا ذمہ دار ہوں گے۔

بہر حال یہ تمام امور اولین اہمیت کے حامل ہیں جن پر غور کرنا ضروری ہے اور یہ کہ ریاست کے مفاد کو اولیت حاصل ہے جس کو ایک فرقہ کی خاطر قربان نہیں کیا جاسکتا یا بہادر یار جنگ جیسے غیر محتاط شخص کے عمل کو ترجیح نہیں دی جاسکتی جو طبعاً سیاستداں یا عاقبت اندیش نہیں

ہے بلکہ اس کے برعکس وہ بالکل ہی ناتجربہ کار تنگ نظر ہے جس کے بارے میں کوئی شک وشبہہ نہیں ہے‘ ان کی سابقہ تاریخ میرے بیان کی تصدیق کرتی ہے‘ میرے خیال میں ان کی مثال آئینہ خانہ میں ایک سانڈ کی سی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ نیلگری کی سرد آب وہوا میں آپ روبہ صحت ہوں گے۔

آپ کا مخلص

◆◆◆

قائداعظم محمد علی جناح کا خط
نظام آف حیدرآباد کے نام

مکتوب مورخہ: ۱۴ جون ۱۹۴۱ء

یورا گز الٹڈ ہائنس ! آپ کے مکتوب مورخہ ۲۹ رمئی اور میری مزاج پرسی کا بہت بہت شکریہ!! میں مسرت کے ساتھ آپ کو اطلاع دے رہا ہوں کہ اب میں بالکل تندرست ہوں اور بمبئی کو واپس آ گیا ہوں۔

آپ کے مکتوب میں کئی مسائل درج ہیں جن پر مزید گفتگو کی ضرورت ہے۔ میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ پیشہ ورانہ مصروفیت کے سلسلے میں حیدرآباد آنے کا امکان ہے اسی وقت ان مسائل پر مزید گفتگو ممکن ہے۔ اس اثناء میں نہ تو آپ کی حکومت اور نہ بہادر یار جنگ کوئی ایسا اقدام نہ کریں جو موجودہ پیدا شدہ مشکلات میں اضافہ کا باعث ہو اگرچہ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ آپ سے شخصی طور پر گفتگو کے بعد مسئلہ کا اطمینان بخش حل نکل سکتا ہے کیوں کہ مجھے یقین واثق ہے کہ بہادر یار جنگ کا کوئی ارادہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی ایسا کام کریں جو اولاً آپ کے لئے یا برطانوی حکومت کے تعلق سے مضرت رساں ہو۔ اگر میں اپنے نظریہ میں درست ہوں تو پھر حل کے حصول میں کوئی مشکل درپیش نہیں ہے۔ بہرحال ہم اپنی ملاقات میں مسئلہ زیر بحث پر مزید گفتگو کریں گے۔

اپنی بہترین آرزوں کے ساتھ

آپ کا مخلص

فرماں روائے حیدر آباد حضور نظام کا خط
قائداعظم کے نام

<u>مکتوب مورخہ ۱۸؍ جون ۱۹۴۱ء حیدر آباد</u> <u>خانگی بصیغۂ راز</u>

جناب محمد علی جناح صاحب میرے مکتوب مورخہ ۲۹؍ مئی کے جواب میں آپ کا مکتوب مورخہ ۱۴؍ جون وصول ہوا جس سے مسرت حاصل ہوئی۔

آپ کے مکتوب کے مندرجہ مقصد کے سلسلہ میں آپ سے ملاقات کی غرض سے سر اکبر حیدری اور سید عبدالعزیز بہت جلد بمبئی پہنچ رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ بہادر یار جنگ کی موجودہ سرگرمیوں سے پیدا شدہ صورتحال پر گفتگو ہوگی بلکہ مسئلہ کے پورے حقائق سے آپ کو واقف کرایا جائے گا تاکہ آپ رائے قائم کرلیں کہ بہادر یار جنگ نے کس حد تک آپ کے مشورہ پر عمل کیا ہے جو آپ نے ان کے مفاد کے حق میں حال ہی میں بمقام نندی ہل ان کو دیا تھا اور یہ کہ میں اور میری حکومت اس مسئلہ سے نمٹنے کے لئے جو کچھ کریں گے اس میں ہم کہاں تک حق بجانب ہوں گے، اگر ہم کو بہادر یار جنگ یہ کچھ کرنے پر مجبور کریں۔

آپ کو سمجھ لینا چاہیئے کہ موجودہ حالات کو ہم مزید مدت کے لئے برداشت نہیں کرسکتے کیوں کہ ہمارے نقطۂ نظر سے اب صورتحال سنگین ہوچکی ہے۔ دوسری طرف ہندو کسی اقدام کا فیصلہ کرنے سے قبل حالات کا بڑی احتیاط کے ساتھ مطالعہ کررہے ہیں۔ (میرا مطلب ہے کہ جہاں تک اس مسئلہ سے ان کا تعلق ہے) کیا بہادر یار جنگ کے چیلنج کو ہم بے معنی قرار دیں؟ مجھے اعتماد ہے کہ آپ میرے مفہوم کو یا اس نازک مسئلہ کو جو میں نے تحریر کیا ہے بخوبی سمجھ لیں گے۔

آپ کا مخلص

قائداعظم کا خط نظام آف حیدرآباد کے نام

مکتوب مورخہ ۲۷/ جون ۱۹۴۱ء

یورا گز الٹڈ ہائنس! آپ کا مکتوب مورخہ ۱۸/ جون ۱۹۴۱ء مجھے وصول ہوا اب جبکہ سر اکبر حیدری اور مسٹر سید عبدالعزیز سے مسئلہ زیر بحث پر مکمل گفتگو ہو چکی ہے' میں آپ کے مکتوب کا جواب ارسال کر رہا ہوں' اس امر کا ذکر مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ کے مکتوب کی مندرجہ خواہش کے مطابق مسٹر تقی الدین بھی اس گفتگو کے وقت موجود تھے۔ میں نے بہادر یار جنگ کو بمبئی آنے کی دعوت دی تھی کہ وہ بھی گفتگو سنیں اور اس بارہ میں ان کو کچھ کہنا ہے تو کہیں۔ ان سے بھی طویل گفتگو رہی۔

ان سب سے صاف وصریح اور بے لاگ گفتگو کے بعد مجھے امید ہے کہ اطمینان بخش حل نکل آئے گا' لیکن قبل اس کے کہ میں آپ کی خدمت میں اپنا مودبانہ مشورہ پیش کروں' میری رائے ہے کہ اس مسئلہ پر آپ سے گفتگو کا ایک موقعہ ملے اور مجھے کامل اعتماد ہے کہ اس کے بعد ہم مسئلہ کا حل نکال لیں گے اور یقیناً حل نکلنا چاہیئے جس کو آپ کی منظوری حاصل ہوگی۔

آپ نے جو کچھ لکھا ہے اور اس کا جو مفہوم ہے میں اس کو بخوبی سمجھتا ہوں اور اس کی قدر کرتا ہوں۔ اس اثناء میں مجھے امید ہے کہ آپ اور آپ کی حکومت کوئی اقدام نہیں کرے گی کیوں کہ اپنی پیشہ ورانہ مصروفیت کے سلسلہ میں' میں بہت جلد حیدرآباد آ رہا ہوں اور آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کروں گا۔ میں اپنی آمد کی تاریخ سے آپ کو مطلع کروں گا' میں سمجھتا ہوں کہ مقدمہ کی پیشی ۸/ جولائی کو مقرر ہے اور میں ایک دو روز قبل وہاں پہنچ جاؤں گا۔

اپنی بہترین تمناؤں کے ساتھ

آپ کا مخلص

فرماں روائے دکن حضور نظام کا خط
قائداعظم کے نام

مکتوب مورخہ: ۳۰/جون ۱۹۴۱ء   خانگی بصیغۂ راز

محترم مسٹر جناح!

میرے مکتوب مؤرخہ ۱۸/جون ۱۹۴۱ء کے جواب میں آپ کا مکتوب مورخہ ۲۷/جون وصول ہوا جس سے بڑی مسرت ہوئی۔

براہ کرم یہ امر آپ کے علم میں رہے کہ مسئلہ زیر بحث میرا کوئی شخصی یا خانگی معاملہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک سرکاری مسئلہ ہے جس کی اطلاع حکومت ہند کو دی گئی ہے اور اس کی نازک اور سنگین نوعیت ہے جس میں حکمراں اور حکومت دونوں کے وقار کا انحصار ہے۔ اس لئے میں آپ کے یا کسی اور کے مشورہ کو قبول کرنے کا پابند نہیں ہوں مگر کونسل کی متفقہ رائے کو جسے حکومت ہند کی بھی منظوری حاصل رہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ مسئلہ کسی تیسرے فریق کی تجویز یا رائے کے لحاظ کے بغیر اپنے استحقاق کی بناء پر طئے پائے گا۔

بہرحال خانگی طور پر آپ سے گفتگو کرنے کے لئے بخوشی آمادہ ہوں کیوں کہ میری حکومت کے صدراعظم اور وزیر قانون سے آپ نے بمبئی میں گفتگو کی ہے لیکن مسئلہ کے تمام پہلوؤں کی جب تک کہ جانچ پڑتال نہ ہو جائے فی الحال میں نہیں کہہ سکتا کہ میں کس نتیجہ پر پہنچوں گا اور اس کو مزید تاخیر کے بغیر طئے ہو جانا چاہئیے کیوں کہ عرصہ سے یہ مسئلہ معرض التواء میں ہے۔

آپ کا مخلص

مسئلہ اصلاحات پر نظام والی ریاست کا فرمان شاہی (یا مسلمانوں کے سیاسی قتل کا پروانہ) شائع ہوا۔

منصب قیادت پر فائز بہادر یار جنگ نے بھی روایتی اطاعت کے جامہ کو تار تار کر دیا اور دشمن کی سرنگ میں شتابہ لگا دیا' کنگ کوٹھی کے درو دیوار ہل گئے' اب بہادر خاں کو شاہی آبرو کی شکن کی کوئی پرواہ نہ تھی' قربتوں کی دوریاں جو نہاں تھیں عیاں ہوتی گئیں دل و نگاہ کے فاصلے بڑھتے گئے لیکن قائد کو نظام کے پرچم کو نہیں خدا کی بڑائی (العظمة لله) کے پرچم کو سربلند رکھنا تھا' آثار و نشانات' شاہ و شہنشاہ اسلام کی عظمت کا اثاثہ نہیں' نظام والی ریاست نے قائد ملت سے نظریں پھیر لیں مگر اس وقت تک نگاہ وقت ان کو اپنا چکی تھی۔

والی ریاست نواب میر عثمان علی خاں کا خط مورخہ ۲۹ر مئی ۱۹۳۱ء

۱۔ ایک طرف اصلاحات کے اعلان کو تقاضائے وقت قرار دیتا ہے۔

۲۔ اس خط کی دوسری قابل تذکرہ بات کہ ''ریاست حیدرآباد میں' میں صرف مسلمانوں کا حکمراں نہیں ہوں ...... اس ریاست میں مسلمان اقلیت میں ہیں یعنی (۱۵) لاکھ سے زیادہ نہیں (مخفی مبادمہاراجہ کشمیر نے کبھی ایسی بات نہیں کہی کہ کشمیر میں ہندوؤں سے مسلمانوں کی آبادی ۸۰ فیصد زائد ہے' میں صرف ہندوؤں کا بادشاہ نہیں ہوں)

تیسری بات بہادر یار جنگ کے خلاف رکیک الفاظ کا استعمال' اس خط میں قائد ملت کے تعلق سے نظام نے لکھا ہے کہ:

۶۔ میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ بات قابل اعتماد ذریعہ سے میرے علم میں آئی ہے کہ جب سے بہادر یار جنگ نندی ہلز سے جہاں سے وہ آپ سے ملاقات کے لئے گئے تھے کھلے طور پر اپنے رفقاء سے کہہ رہے ہیں کہ۔۔۔ مسٹر جناح نے بوقت ضرورت حیدرآباد میں اتحاد المسلمین کی مدد سے انکار کر دیا ہے تو ان کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے' وہ جو کچھ بہتر اور مناسب سمجھتے ہیں عمل کرنے میں آزاد ہیں چوں کہ مسٹر جناح نے ایک سے زائد موقعوں پر ان کی حیثیت کو تسلیم نہیں کیا ہے جس کی وجہ سے ان کے جذبات مجروح ہوئے وغیرہ۔ مجھے علم نہیں ہے کہ جو بیان میرے کانوں تک پہنچا ہے اس میں کہاں تک صداقت ہے۔ تاہم بہادر یار جنگ کے کردار سے میں شخصی

طور پر واقف ہوتے ہوئے اتنا کہہ سکتا ہوں کہ یہ بیان بڑی حد تک صداقت کا حامل ہے بہر حال اس کا مجھ سے اور میری حکومت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر بھی میں نے مناسب خیال کیا کہ ان کی جو کچھ بھی اہمیت ہو میں آپ کے علم میں لاؤں۔''

خط کا مندرجہ بالا حصہ پڑھ کر کوئی یقین نہیں کر سکتا کہ ایک والی ریاست کی یہ تحریر ہو سکتی ہے' قائداعظم کو قائد ملت سے بدظن کروانے کی یہ طفلانہ کوشش مضحکہ خیز بھی ہے اور نظام کے مزاج کے جزء لاینفک ان کا سفلہ مزاجی کی غماز بھی ہے' ان کی سفلہ مزاجی نے ہی ان کو سیہ بختی کے دن دکھائے۔

اسی خط میں نظام نے بہادر یار جنگ کو اپنے جوابی عزائم سے آگاہ کیا ہے'' اگر بہادر یار جنگ اپنے عمل سے ہمیں کسی اقدام پر مجبور کریں تو ...... ان کے عمل کا ترکی بہ ترکی جواب دیا جائے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ وقت زیادہ دور نہیں ہے جب کہ ان کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا جس کے لئے کوئی اور نہیں بلکہ وہ تنہا ذمہ دار ہوں گے۔

بہادر یار جنگ جیسے غیر محتاط شخص کے عمل کو ترجیح نہیں دی جا سکتی جو طبعاً سیاستدانوں یا عاقبت اندیش نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس وہ بالکل ہی ناتجربہ کار تنگ نظر ہے جس کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے' ان کی سابقہ تاریخ میرے بیان کی تصدیق کرتی ہے' میرے خیال میں ان کی مثال آئینہ خانہ میں ایک سانڈ کی سی ہے۔''

اصلاحات کے باب سے نظام کے عزائم مجرمانہ کا آغاز ہوتا ہے اور یہ بات مزید دو ابواب کے بعد شہادت کا عنوان بن جاتا ہے صرف اسی ایک خط کے مندرجہ بالا فقروں پر اصول قانون شہادت کی روشنی میں غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ '' مقدمات میں جہاں جاں یا آزادی کا سوال ہوتا ہے۔ بہت احتیاط کرنی چاہیئے ۔ سماج کے حس اخلاق کے معیار اور تقدس کی تعظیم میں قومیں اور زمانے مختلف ہوتے ہیں' ضمیر کے اصولوں اور جرات میں انسان ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔''

'' جب کوئی شخص قصداً کسی امر حیثیت عرفی کو شائع کرتا ہے تو کینہ قیاس کر لیا جاتا ہے ایسی صورت میں فعل بذاتہ کینہ آمیز ہوتا ہے'' اور واقعات خود ناطق ہوتے ہیں' اس قسم کے

واقعات اس حد تک عقل کے مطابق ہوتے ہیں کہ اخلاقی یقین اور قانونی قرارداد میں کامل ہمنوائی ہوتی ہے، فوجداری مقدمات میں ایک عام کینہ آمیزنیت ایک ہی نوع کے عام افعال کے لئے کافی سمجھی جاتی ہے، فریب کا قیاس صرف نتیجے سے نہیں بلکہ ارادے سے کیا جاتا ہے۔"

(حوالہ: اصول قانون شہادت' از ڈبلیو۔اے۔بسٹ)

اصول قانون شہادت کی مندرجہ بالا بحث نظام کے خط سے ان کے ارادے اور کینہ آمیزنیت کو ثابت کرتی ہے۔اور یہی کینہ آمیزنیت بالآخر دو اور سیاسی مرحلوں کے بعد، قائد ملت کی شہادت کا عنوان بنی۔

بالآخر نظام کو ہار ماننی پڑی اور نظام کو قائد ملت اور قائد اعظم کی ایماء پر مرمہ اصلاحات کا اعلان کرنا پڑا لیکن ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عالمگیر چھڑ گئی اور مرمہ اصلاحات کے ملتوی کئے جانے کا حکومت کی طرف سے اعلان شائع ہو گیا۔

دل کی دل میں رہ گئی افسوس نادانی ہوئی

◆◆◆

شیخ عمر سیلو پربھنی

محمد بشیر احمد پربھنی

شمیم احمد پربھنی

لیاقت علی انور حیدرآباد

پربھنی کے سرسید جناب رشید انجینئر نے ایک یادگار جلسہ بڑے اہتمام سے
قائد ملت نواب بہادر یار جنگ کی یاد میں ۱۶ر، ۱۷رجنوری ۱۹۸۸ء کو پربھنی کی
تاریخ کا ایک یادگار جلسہ سوانح نگار بہادر یار جنگ کی صدارت میں منعقد کیا گیا۔
سوانح نگار صدارتی تقریری کرتے ہوئے

مرزا قمبر علی بیگ حیدرآباد

سید اسمٰعیل حیدرآباد

محمد شہاب الدین انصار حیدرآباد

محمد عزیز پاشاہ حیدرآباد

چاند پاشاہ واڑی

U.S. Graphics, Ph: + 91- 9849629484